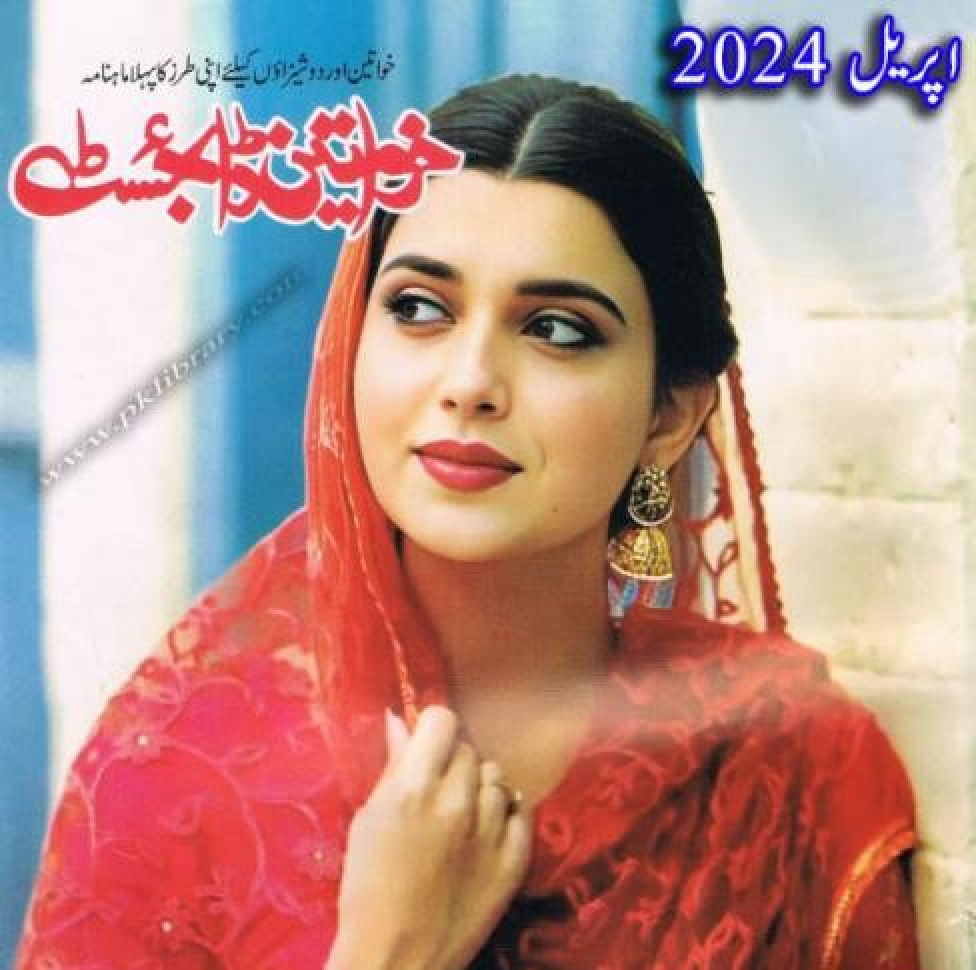

اپریل 2024
خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ

www.pklibrary.com

خواتین ڈائجسٹ

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

واٹس ایپ 03172266944

بانی ـــــــ محمود ریاض
مدیرِ اعلیٰ ـــــــ آذر ریاض
مدیرہ ـــــــ نادرہ خاتون
نائب مدیرہ ـــــــ رضیہ جمیل
مدیرِ خصوصی ـــــــ امت الصبور
بلقیس بھٹی
نفسیات ـــــــ عدنان
قانونی مشیر ـــــــ نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

www.pklibrary.com

اپریل 2024
جلد 51 شمارہ 12
قیمت 150 روپے

خط و کتابت کا پتہ
خواتین ڈائجسٹ
37- اردو بازار کراچی

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ——— 1,800 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ ——— 25000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

افسانے

نظمیں غزلیں

پکوان

رنگا رنگ پھول

میری بیاض سے

نفسیات

بیوٹی بکس

www.pklibrary.com

کہی اَن کہی

خواتین ڈائجسٹ اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر لیے حاضر ہیں۔

اپریل کا مہینہ اس بار دو بڑی خوشیاں لے کر آیا ہے۔

عیدالفطر کا ہمارا مذہبی روایتی تہوار...... روزداروں کے لیے اللہ تعالیٰ کا انعام۔

اور دوسری خوشی خواتین ڈائجسٹ کا سالگرہ نمبر،

اللہ تعالیٰ کا کرم اور احسان ہے کہ خواتین ڈائجسٹ نے اپنی عمر کا ایک اور سال کامیابی سے طے کرلیا ہے۔

اپریل 1972 جب خواتین کے لیے اپنی نوعیت کا پہلا ماہنامہ منظر عام پر آیا۔ جو وقت کے تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔ اس دور میں خواتین کے لیے جو پرچے شائع ہوتے تھے۔ وہ پرانی طرز کے تھے۔ خواتین ڈائجسٹ گھر کی چار دیواری میں رہنے والی خواتین کے لیے باہر کی دنیا کو جاننے اور سمجھنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جس نے نہ صرف ان کی ذہنی تربیت کی بلکہ ہلکی پھلکی تفریح بھی فراہم کی۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کا نہ صرف بڑے بڑے شہروں بلکہ دور دراز کے علاقوں میں رہنے والی خواتین نے بھی بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ خواتین ڈائجسٹ، بہت جلد قارئین کا مقبول ترین پرچا بن گیا۔

خواتین ڈائجسٹ کی مقبولیت اور کامیابی میں بڑا حصہ ہماری مصنفین کا ہے۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں بہت اچھا لکھنے والوں کا تعاون حاصل رہا۔ انہوں نے خواتین ڈائجسٹ کی پالیسی کے عین مطابق اپنی تہذیب، روایات اور مذہبی اقدار کو سامنے رکھ کر لکھا، اور بہترین تحریریں تخلیق کیں۔ ہم اپنی مصنفین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

محمود ریاض صاحب جنہوں نے خواتین ڈائجسٹ کی بنیاد رکھی۔ محمود بابر فیصل، محمود خاور اور ہماری بہت اچھی مصنفین آج ہمارے درمیان نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

ہم اپنی قارئین کے بھی ممنون ہیں۔ جنہوں نے کبھی تعریف کرکے ہماری حوصلہ افزائی کی اور کبھی تنقید کرکے ہماری رہنمائی۔ خواتین ڈائجسٹ کو خوب صورت سلسلوں سے سجایا۔ دعا ہے کہ یہ محبتیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں۔ آمین

قارئین کو عیدالفطر مبارک ہو۔

عیدالفطر خوشیوں بھرا تہوار ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن۔ خوشی کے اس موقع پر ان لوگوں کو نہیں بھولیے گا جو حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہیں۔

اس شمارے میں

☆ مالا...... نمرہ احمد کا مکمل ناول

☆ احد...... صوفیہ بٹ کا مکمل ناول

☆ انگنا پھول کھلیں گے...... راحت جبیں کا ناول

☆ نعیمہ ناز کا مکمل ناول...... ایک خواب تھا جو ٹوٹ گیا

☆ صائمہ نور کا مکمل ناول...... ایک محبت کی جستجو

☆ عارفہ فضل شاہ، سونیا ربانی، زارا انجر ااور ملیا سمیون کے افسانے۔

☆ معروف مصنفہ سلمیٰ یاسمین نجمی سے ملاقات۔

☆ باتیں عائشہ کامران سے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

www.pklibrary.com

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔
قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔
پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔
کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔
ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

نام کی وجہ

عید کا نام "عید" اس لیے پڑا کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نئے سرے سے خوشی اور مسرت بخشتا ہے۔ بعض اس نام کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس روز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان فرماتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس روز بندے روتے اور گڑگڑاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت اور بخشش نازل فرماتا ہے۔ اس لیے یہ عید کا دن کہلاتا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ اس دن بندے اپنی اصل پاکیزگی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بعض اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب بندے خدا کی اطاعت اور عبادت سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لیے تیار ہوجاتے ہیں یعنی فرض کی ادائیگی کے بعد سنت کی ادائیگی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد پھر شوال کے چھ روزوں کے لیے تیاری کرتے ہیں بعض نے عید نام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس دن مومنوں سے کہا جاتا ہے، تمہارے گناہ معاف کیے گئے۔ اب تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس دن ثواب عطا ہوتا ہے، اعمال کی جزا ملتی ہے، انعام اور عطا زیادہ ہوتے ہیں۔ غلام اور لونڈیوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دور اور نزدیک بندوں کی رونق بڑھاتا ہے، انہیں توبہ کی توفیق بخشتا ہے، وہ گناہ چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ معافی کے مستحق ہوتے ہیں اور چونکہ یہ سب باتیں خوشی کی باتیں ہیں، اس لیے اس دن کو عید کا نام دیا گیا۔

عید کا دن

وہب بن منبہؒ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ نے بہشت کو عید الفطر کے دن پیدا کیا۔ طوبیٰ کا درخت بھی بہشت میں عید ہی کے دن لگایا گیا۔ جبرئیلؑ کو بھی وحی پہنچانے کے لیے عید ہی کے دن کا انتخاب کیا گیا۔ فرعون کے جادوگروں کو ہدایت کا نور عید ہی کے دن عطا ہوا۔"

www.pklibrary.com

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب لوگ عید الفطر کے دن نماز کے لیے عید گاہ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر توجہ فرماتا ہے اور کہتا ہے "اے میرے بندو! تم نے میرے لیے روزہ رکھا، میرے ہی لیے نماز پڑھی۔ اب تم بخشش کی خلعت لے کر جاؤ۔"

عید کے دن نعمت الٰہی

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جن لوگوں نے عید فطر کی رات کو روزے رکھے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں تمام نعمتیں بخشتا اور پورا اجر دیتا ہے۔ عید کی صبح کو اللہ کے حکم سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں، راستوں، عام مجمعوں، چوراہوں اور بازاروں میں اونچی آواز سے جسے جن اور انسان کے سوا سب سنتے ہیں، پکار کر کہتے ہیں۔ "اے محمد ﷺ کی امت! اپنے رب کے نام پر نکلو تمہاری کم قیمت چیزوں کے عوض میں وہ تمہیں بہت بڑی چیزیں دے گا۔ وہ کبیرہ گناہوں کا بخشنے والا ہے۔"

فائدہ:۔ بس جب نماز کے لیے نکلتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں، دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری کر دیتا ہے۔ ان کا ہر سوال قبول کرتا ہے، ان کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ وہ بخشے ہوئے واپس جاتے ہیں۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں۔ شب فطر کا نام شب جائزہ ہے۔ عید کی صبح اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ ہر جگہ پھیل جاؤ چنانچہ سب فرشتے زمین پر اتر کر ہر گلی کوچے میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں (ان کی آواز انسان اور جن کے سوا سب سنتے ہیں) اے امت رسول ﷺ! اپنے رب کی طرف نکلو، وہ تمہیں بہت کچھ عطا کرنا چاہتا ہے۔ تمہارے کبیرہ گناہ بخش دے گا چنانچہ جب لوگ اپنے گھروں سے نماز کے لیے نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے "جس مزدور نے اپنا پورا کام کیا ہو اس کی مزدوری کیا ہے؟" وہ عرض کرتے ہیں۔
"اے ہمارے پروردگار! ہمارے سردار اور اے ہمارے مولا! اس مزدور کی مزدوری کا پورا اجر اسے عطا کر۔"

تب باری تعالیٰ فرماتا ہے۔
"اے فرشتو! گواہ رہو، ان لوگوں نے جو روزے رکھے اور نماز پڑھیں ان کے عوض میں، میں نے انہیں مغفرت عطا کی۔"

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
"اے میرے بندو! مجھ سے کچھ مانگو۔ مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم، تم میں سے جو بھی دنیا و آخرت کے لیے کچھ مانگے گا اسے ضرور دوں گا۔ تمہارے عیب اور تمہاری لغزشیں ڈھانپ دوں گا کیونکہ تم ہمیشہ میرے حکم پر عمل کرتے رہے، جن لوگوں پر میری حدود واجب ہو گئیں۔ میں ان میں تمہیں شامل کر کے ذلیل و خوار نہیں کروں گا۔ میں تمہیں بخشش کے ساتھ رخصت کرتا ہوں۔ تم نے مجھے راضی کیا اور میں نے تمہیں راضی کیا۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔
"کہ فرشتے یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوتے ہیں اور امت کو اللہ تعالیٰ جو کچھ مرحمت فرماتا ہے، فرشتے ہر شخص کو اس کی خوش خبری سناتے ہیں۔"

چار قوموں کی چار عیدیں ہوتی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم کی عید

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
"پس ابراہیمؑ نے ستاروں کی طرف نظر کی اور کہا میں بیمار ہوں۔"

اس روز یعنی عید کے دن ابراہیمؑ کی قوم عید گاہوں میں جانے کو تیار تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس روز یہ بہانہ کر دیا کہ میں بیمار ہوں اور قوم کے ساتھ نہ گئے۔ نہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ آپ کے دین میں نہ تھے۔ چنانچہ جب وہ چلے گئے تو ابراہیمؑ نے

www.pklibrary.com

ایک کلہاڑا ہاتھ میں لیا اور بُت خانے میں جا کر ان کے سارے بت توڑ دیے اور سب سے بڑے بت کی گردن پر کلہاڑا رکھ دیا۔

جب لوگ عید گاہوں سے واپس آئے تو بتوں کو ٹوٹا ہوا پایا۔ بڑے بت کے کندھے پر کلہاڑا رکھا تھا، انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا۔

"ہمارے بتوں کا یہ حال کس نے کیا؟"

ابراہیمؑ نے جواب دیا۔

"جس بت کے کندھے پر کلہاڑا ہے اس نے ہی توڑے ہوں گے۔"

انہوں نے کہا۔

"یہ کیونکر توڑ سکتا ہے، یہ تو بے جان ہے۔"

ابراہیمؑ نے کہا۔

"جب اس بت میں اتنی بھی طاقت نہیں تو یہ تمہاری حاجات کس طرح پوری کرتا ہوگا؟" (جس طرح یہ بتوں کو توڑنے کی طاقت نہیں رکھتا، اسی طرح تمہیں بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

یہ جواب سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا۔

فائدہ:۔ جب اہل قوم نے حقیقی اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو خدا مانا تو اس بات سے حضرت ابراہیمؑ کو غیرت آئی اور انہوں نے غصے میں آ کر بتوں کو توڑ ڈالا۔ ایسا کر کے انہوں نے اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دیا۔ مگر یہ کام انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دوستی کی خاطر کیا تھا۔ اس لیے اللہ نے بھی انہیں اپنی دوستی سے سرفراز فرمایا۔

ان کی نسل سے پیغمبر اور رسول پیدا کیے حتیٰ کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کا فخر دیا جو تمام مخلوقات سے بہتر ہیں۔

قوم موسیٰ کی عید

دوسری عید قوم موسیٰ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

"تمہارے وعدے کا وقت زینت کا دن ہے۔"

اسے زینت کا دن اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کیا تھا اور موسیٰ اور ان کی قوم کے لیے یہ واقعہ خوشی کا باعث تھا۔ اس لیے یہ عید کا دن ٹھہرایا گیا۔ فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ بہت سے ساحر بھی نکلے تھے۔ بعض نے ان کی تعداد بہتر بتائی تھی۔ ان کے ساتھ سات سو عصا اور رسیاں تھیں۔ ان عصاؤں میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ بہت سے لوگ یہ نظارہ دیکھنے کے لیے آئے حتیٰ کہ ایک بہت بڑا ہجوم ہو گیا۔ گرمی بہت تیز تھی۔ لوگ کھڑے یہ تماشا دیکھتے رہے۔ جب آفتاب کی حرارت نے شدت اختیار کی تو اس سے پارہ رواں ہوا اور اس کے نتیجے میں جادوگروں کی لاٹھیاں جو رسیوں میں لپٹی ہوئی تھیں، دوڑنے لگیں، لوگوں نے انہیں دیکھا تو سمجھے سانپ دوڑے جا رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ نے جب اپنی قوم کو خوف زدہ دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ جادوگروں کی چالاکی کو میری قوم نے سچ مان لیا ہے۔ ان کا ایمان ناقص ہو گیا ہے آپ کو خدشہ ہوا کہ کہیں میرے ساتھی مرتد نہ ہو جائیں (میرا دین چھوڑ کر ان پر ایمان نہ لے آئیں) مگر آپؑ نے اپنے خدشے کو چھپایا۔ اس اثناء میں باری تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔

حکم کے مطابق موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ وہ زمین پر گرتے ہی اونٹ کے برابر ایک بڑا تند اور آتش فشاں اژدھا بن گیا۔ اس نے جادوگروں کے جادو پر بڑا خوفناک حملہ کیا۔ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں جو کچھ سامنے آیا ان سب کو نگل گیا مگر اس کا پیٹ نہ بھرا، جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ اس کا پیٹ ذرا نہ پھولا نہ ہی اس کی حرکت میں کوئی فرق آیا۔

یہ دیکھ کر جادوگر ڈر گئے اور موسیٰ کے خدا کے سامنے سجدے میں جھک گئے۔ ان جادوگروں کے سردار کا نام شمعون تھا۔ وہ سردار اپنے ساتھیوں سمیت حضرت موسیٰ کے ساتھ بڑی عاجزی سے پیش آیا اور عرض کیا۔

"ہم سب، آپ پر اور ہارونؑ پر ایمان لاتے ہیں۔"

اس کے بعد اژدھا نے فرعون اور ان کے لشکر کا

www.pklibrary.com

رخ کیا۔ وہ لوگ دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ایسے بے ہنگم طریقے سے بھاگے کہ ان میں سے پچاس ہزار آدمی کچل کر ہی مر گئے۔ کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

قوم عیسیٰ کی عید

تیسری عید حضرت عیسیٰ کی قوم کی عید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے پروردگار! ہمارے اوپر آسمان سے ایک خوان بھیج جو اول سے آخر تک ہمارے لیے عید اور تیری نشانی ہو۔"

اس درخواست کا سبب یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان سے عرض کیا تھا کہ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو آپ خدا سے درخواست کریں کہ وہ آسمان سے ہمارے لیے ایک خوان بھیجے۔

حضرت عیسیٰ نے جواب دیا۔

"اگر تم ایمان پر قائم ہو تو فکر نہ کرو اور یہ بلا نہ مانگو اگر آسمان سے خوان نازل ہو گیا اور تم نے اسے جھوٹ جانا تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔"

وہ کہنے لگے۔

"ہمیں تو بھوک پریشان کر رہی ہے۔ ہم کھانا چاہتے ہیں تاکہ سکون ملے۔ اگر ہماری خواہش کی تصدیق ہوئی یعنی خوان نازل ہو گیا تو ہمارے دین میں اور پختگی آجائے گی اور ہمیں پورا یقین ہو جائے گا کہ آپ سچے نبی اور رسول ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کے پاس بھی جا کر گواہی دیں گے کہ ہمیں خدا کی طرف سے ایسا خوان نصیب ہوا ہے۔"

حواری

حواری وہ لوگ تھے کہ جب حضرت عیسیٰ ان کے پاس تشریف لے گئے تو وہ ایمان لے آئے تھے۔ یہ لوگ بیت المقدس میں رہتے تھے اور کپڑے دھویا کرتے تھے۔ ان کی زبان میں حواری "دھوبیوں" کو کہتے ہیں۔ یہ سب تعداد میں بارہ تھے۔ جب حضرت عیسیٰ ان کے پاس گئے اور کہا۔

"تم میں ایسا کون ہے جو اللہ کے لیے میری مدد کرے تاکہ میں گناہ گاروں کو ہدایت کر سکوں۔"

چنانچہ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اللہ کی وحدت ان کے سامنے بیان کی۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں مدد دینے کا عہد کر لیا اور کپڑے دھونے کا کام چھوڑ کر عیسیٰ کے ساتھ ہو گئے اور آپ کے ساتھ پھرتے رہتے۔ حضرت عیسیٰ سے جو معجزے سرزد ہوتے تھے وہ لوگ انہیں دیکھتے رہتے تھے۔ بھوک لگتی تو کھانے کی خواہش ظاہر کرتے حضرت عیسیٰ ہاتھ اٹھایا کرتے تھے اور زمین سے دو دو روٹیاں اٹھا کر ہر ایک کو دے دیا کرتے تھے۔ اپنے لیے بھی اسی قدر رکھ لیتے تھے۔ جبرائیلؑ ان کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ انہیں عجائبات دکھایا کرتے تھے اور ان کی تائید کرتے رہتے تھے۔

بنی اسرائیل کو بھی حضرت عیسیٰ عجائبات دکھایا کرتے تھے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ ان کی تصدیق نہیں کرتے تھے، نہ ہی ان پر یقین آتا تھا بلکہ حضرت عیسیٰ سے اور زیادہ دور ہوتے جا رہے تھے۔

نزول مائدہ

ایک روز حضرت عیسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل کے پانچ ہزار آدمی تھے۔ ان سب نے معہ ان حواریوں کے آپ سے سوال کیا کہ ہم پر خوان اتاریں۔ حضرت عیسیٰ نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا۔

"اے اللہ! آسمان سے کھانے کا ایک خوان نازل فرما تاکہ ہمارے اول اور آخر لوگوں کے لیے عید ہو یعنی ہمارے زمانے کے لوگوں کے لیے عید ہو اور ان لوگوں کے لیے بھی جو لوگ ہمارے بعد میں آئیں اور اس خوان کا نزول ایک معجزہ ہو۔ اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے روٹیوں کا خوان نازل فرما کیونکہ تو ہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی روزی رساں نہیں۔"

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"میں جلد ہی تجھ پر "مائدہ" نازل کر رہا ہوں۔ اس کے نازل ہونے کے بعد بھی اگر تم سے کوئی کفران نعمت

www.pklibrary.com

کرے گا تو اس میں شدید عذاب دوں گا۔ ایسا عذاب کہ دنیا میں اس جیسا کسی کو نہیں دیا گیا۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز بھنی ہوئی ایک مچھلی اور ایک ایک پتلی روٹی اور کھجور آسمان سے اتاری۔ بعض کہتے ہیں خوان میں بھنی ہوئی مچھلیاں رکھی تھیں۔ ایک جانب نمک اور دوسری جانب سرکہ تھا۔ خوان میں پانچ روٹیاں تھیں اور ہر ایک میں زیتون کا پھل تھا۔ پانچ انار اور کھجوریں تھیں۔ آس پاس اور ترکاریاں بھی تھیں گو گندنا (پیاز) نہ تھا کیونکہ اس میں بدبو آتی ہے۔

درمیانی راستہ

ایک روایت ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرش بچھائے گا جس پر ابتدائے زمانہ سے آخر تک کے سارے گناہ گار اکٹھے کیے جائیں گے پھر بھی فرش پر جگہ خالی رہے گی۔ اس خالی جگہ کو ابلیس اپنا حصہ جانے گا۔ چنانچہ اس پر وہ اپنے ہاتھ پھیلا دے گا، پس ہر دانا شخص کو صرف اللہ کی رحمت ہی پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے اور بخشش کی امید اس پر غلبہ پا جائے گی تو وہ ہلاک ہو جائے گا بلکہ چاہیے کہ فرائض ادا کرے، نواہی سے باز رہے پھر خدا پر توکل اور بھروسا کرے۔ اس کی درگاہ میں توبہ کرتا رہے۔ خدا سے ہمیشہ ڈرے اور اس قدر زیادہ خوف اور ڈر کا بھی اظہار نہ کرے، جو اسے رحمت الٰہی سے ناامیدی کرنا سکھا دے، نہ ہی اس قدر نڈر ہو کہ بدی کا احساس کم ہو جائے بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرے جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا کہ مسلمانوں کو امید اور خوف اس قدر رکھنا چاہیے کہ انہیں دو پلڑوں میں رکھ کر تولا جائے تو دونوں برابر رہیں۔ خوف و رجا کو بھی اس طرح برابر رکھے، جس طرح پرندے اپنے دونوں بازوؤں کو برابر رکھتے ہیں۔ اگر پرندے کا بازو ایک ہی ہو یا کسی بازو میں نقص ہو تو وہ اڑ نہیں سکتا۔

امت محمدیہ کی عید

چوتھی عید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عید ہے۔

مومن اور کافر کی عید میں فرق

مومن اور کافر ہر دو عید مناتے ہیں۔ مومن کی عید اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور کافر کی عید شیطان کو راضی کرنا ہے۔ مومن عید گاہ میں جاتا تو اس کے سر پر ہدایت کا تاج ہوتا ہے۔ اس کی نگاہوں میں عبرت اور فکر جلوہ گر ہوتی ہے۔ کانوں سے حق بات سنتا ہے، زبان سے اللہ کی توحید بیان کرتا ہے۔ اس کے دل میں یقین اور معرفت کا نور ہوتا ہے۔ اس کے کندھوں پر اسلام کی چادر ہوتی ہے، کمر پر عبودیت اور بندگی کا کمر بند باندھتا ہے۔ مومن لوگ محرابوں اور جامع مسجدوں میں بیٹھتے ہیں۔ ان کا معبود وہی ہے جو دونوں جہانوں کا اور اس میں رہنے والی مخلوقات کا خدا ہے۔ مومن عاجزی اور انکساری کا خوگر ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کا شرف بخشتا ہے۔ اسے بہشت اور عزت والے گھر میں داخل کرتا ہے۔

اس کے برعکس کافر اپنی عید گاہ میں اس حالت میں جاتا ہے کہ اس کے سر پر گمراہی اور نقصان کا تاج ہوتا ہے۔ اس کے کانوں پر غفلت اور پردہ کی مہریں لگی ہوتی ہیں۔ اس کی آنکھوں میں شہوت کی علامات پائی جاتی ہیں۔ ان کے منہ پر دوری اور بدبختی کی مہر لگی ہوتی ہے۔ ان کے بیٹھنے کی جگہ نصاریٰ کے عبادت خانے یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مجوسیوں کے آتش کدے ہیں۔ ان کے معبودان کے بت ہیں اور آخر انہیں دوزخ میں جانا ہوگا

عید کا مقصد یہ نہیں کہ عمدہ کپڑے پہن لیے جائیں یا اچھی چیزیں کھائی جائیں۔

اور نفسانی اور شہوانی خواہشات سے فائدہ اٹھایا جائے بلکہ عید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اطاعت اور عبادت کے مظاہرے کیے جائیں۔ گناہوں سے توبہ کی جائے تاکہ برائیاں، نیکیوں سے بدل جائیں۔ اونچے درجے حاصل ہوں، اللہ کے انعامات اور اس کی نعمتیں ملیں۔ سینہ کدورت اور کینہ سے خالی ہو کر نور ایمان سے منور ہو جائے۔ دل میں یقین محکم پیدا ہو، علامات نور دکھائی دیں۔ زبان کی وساطت سے آدمی کا دل علوم کے دریا بہائے۔ ہر طرح کی فصاحت و بلاغت اور حکمت سے انسان کا سینہ آباد ہو۔

☆☆

www.pklibrary.com

ہم لوگ تو ظلمت میں

انشاجی



ہم لوگ تو ظلمت میں جینے کے بھی عادی ہیں
اس درد نے کیوں دل میں شمعیں سی جلادی ہیں

اک یاد پہ آہوں کا طوفان امڈ آتا ہے
اک ذکر پہ اب دل کو تھاما نہیں جاتا ہے

اک نام پہ آنکھوں میں آنسو چلے آتے ہیں
جی ہم کو جلاتا ہے، ہم جی کو جلاتے ہیں

ہم لوگ تو مدت سے آوارۂ وحیراں تھے
اس شخص کے گیسو کب اس طور پریشاں تھے

یہ شخص مگر اے دل پردیس سدھارے گا
یہ درد ہمیں جانے کس گھاٹ اتارے گا

پھر عشق کا چکر ہے انشا کے ستاروں کو
ہاں جا کے مبارک دو، پھر بخد میں یاروں کو

www.pklibrary.com

روشنیوں کا سفر

ادارہ

روز و شب کے تسلسل میں وقت آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو کچھ لمحے، کچھ دن یادوں کے افق پر جھلملاتے ہیں۔ وہ لمحے جب ایک خواب نے روشن تعبیر پائی، جب ایک خوب صورت تخیل مجسم ہوا اور ایک خیال حقیقت بن کر سامنے آیا۔ خواتین ڈائجسٹ اسی خواب کی تعبیر ہے۔

نصف صدی قبل ایسے ہی بہار کے دن تھے۔ جب بہنوں کے لیے ایک خواتین ڈائجسٹ کا اجراء ہوا تھا۔ دل میں ایک جوش اور جذبہ تھا۔ ایک لگن اور جستجو تھی۔ خوب سے خوب تر کو پانے کی آرزو تھی۔ اللہ کا کرم ہے کہ وہ جوش و جذبہ، وہ لگن آج بھی قائم ہے اور اس کی وجہ ہماری قارئین کی محبتیں ہیں۔ ہماری قارئین بہت قدر شناس ہیں۔ ہم نے محنت اور کوشش میں کوتاہی نہیں کی تو انہوں نے بھی سراہنے میں، تعریف و توصیف میں کمی نہیں کی۔

خواتین ڈائجسٹ کے سالگرہ نمبر میں اپنی قارئین کی شمولیت کے لیے حسب روایت سروے کا اہتمام کیا ہے۔

سوالات یہ ہیں۔

1۔ چاند رات عید کے دن سے زیادہ بارونق اور بھرپور ہوتی ہے۔ آپ چاند دیکھ کر عید کے دن کے لیے کیا تیاریاں کرتی ہیں؟

2۔ وقت کے ساتھ ساتھ اقدار بھی بدلی ہیں کیا آپ کے ہاں اب بھی روایتی انداز میں عید منائی جاتی ہے؟ آپ آج کی اور بچپن کی عید میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

3۔ خواتین ڈائجسٹ سے پہلا تعارف کیسے اور کب ہوا؟ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں، ان تبدیلیوں میں خواتین ڈائجسٹ کا ساتھ رہا؟

4۔ کبھی ایسا ہوا کہ کوئی کہانی شروع کی اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئیں ہانڈی جل کر راکھ ہو گئی۔ یا کوئی اور کام بگڑ گیا اور گھر والوں سے ڈانٹ کھانا پڑی؟

5۔ کوئی ایسی کہانی جس کے کرداروں اور ماحول میں آپ کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی جھلک نظر آئی؟

آیئے دیکھتے ہیں۔ ہماری قارئین نے کیا جواب دیے ہیں۔

فرخندہ سلیم ...... ملتان

1۔ واقعی چاند رات کی بھی اپنی ہی ایک رونق ہوتی ہے، جب سب چاند کی آمد کے مشتاق ہوتے ہیں۔ بازاروں میں رش گہما گہمی کا سا سماں، تیاریاں عروج پر ہوتی ہیں اور میں بھی جیسے ہی پتا چلتا ہے کہ چاند جی نے، دنیا والوں کو اپنا دیدار کروا دیا ہے تو عید کی تیاریوں میں لگ جاتی ہوں یعنی بچوں کے کپڑے، گھر کی چیزیں، کھانے پینے اور بنانے کی تیاریاں اور مہندی لگانا اور یہ بھی سچ ہے کہ اس رات نہ جانے کیوں نیند آتی ہی نہیں اور رات جاگتے

www.pklibrary.com

ہوئے ہی گزر جاتی ہے۔ بچے بھی اپنی تیاریوں میں مگن ہوتے ہیں۔

2۔عید کے ہم نے مختلف ادوار دیکھے ہیں، احساسات اور مختلف مصروفیات کے باوجود عید اپنی جگہ انفرادی اور اجتماعی خوشی کا احساس رکھتی ہے۔ اماں رات بھر چاند رات کو مشین چلاتیں کچھ نہ کچھ سینے پرونے کو آخر وقت تک رہ جاتا تھا، رات میں ٹکائی اور سلائی ہوتی اور ہم اٹھ اٹھ کر اماں سے پوچھتے رہتے۔

"ارے اب کیا رہ گیا ہے جو مشین چل رہی ہے۔"

کچھ نہیں تو کسی عزیز و اقارب کا ہی کوئی کپڑا ہوتا لیکن کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور تھا۔ چاند رات کو وہ مہندیاں، کپڑے خاص طور وہ میچنگ نیل پالش کے علاوہ ذہن پر کوئی اور بوجھ نہیں تھا۔ حسین دور تھا زندگی کا جو بیت گیا۔ پھر زندگی کا ایک اہم موڑ آیا، جہاں نہ اماں نہ وہ مہندیاں۔ عید کے دن اماں سے ملنے کی تمنا شدت اختیار کیے رکھتی، تمام خوشیاں بے مقصد لگتی تھیں۔ بس کسی صورت اماں کا چہرہ عید کے دن دیکھوں۔ وہی احساس آج بھی قائم ہے۔ لیکن یہ نہ تھی ہماری قسمت۔ ذمہ داریاں زیادہ تھیں اور سیر و تفریح کم، کیونکہ ہمارے گھر میں ہماری ساس تھیں۔ بن سنور کر بابل کے گھر چلے جانا خواب سا تھا، سسرال میں دوسری نوعیت کی عید تھی اور سسرال کے لوگوں کی خوشی میں خوش رہنا تھا۔ وقت گزرتا رہا اپنے دنیا سے چلے گئے کبھی واپس نہ آنے کے لیے اور یہ ایک ایسا دور ہے، جہاں ہمیں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں تو اب بھی زیادہ تر گھر پر توجہ اور نماز روزہ کسی کی۔ دل شکنی نہ ہو جائے۔ اس کا خیال دامن گیر رہتا ہے۔ عید کے دن اچھی ڈشز جو دوسروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ جس میں قورمہ، کڑھائی گوشت اور کسٹرڈ ہیں، یہ سب ہمارے بچوں کی پسند کی چیزیں ہیں۔ نندیں آتی ہیں سارا دن گھر میں بہت مصروف ہوتی ہوں میں عید پر کہیں نہیں جاتی بس یہی انداز ہے خوشیوں کا۔ وہ لمحے وہ چہرے بدل گئے ہیں لیکن خوشیاں وہی ہیں۔

3۔خواتین ڈائجسٹ سے تعلق 1991 سے ہے، جب رفعت سراج کا شہر یاراں اور ایم سلطانہ فخر کے سلسلے وار ناول چل رہے تھے۔ ہاں مگر میں نے اس سے پہلے کے بھی خواتین ڈائجسٹ پڑھے ہوئے ہیں۔ جی ہاں اور ایک اعزاز کہ میں نے خواتین ڈائجسٹ کے پہلے شمارے کا دیدار بھی کیا ہوا ہے جس کی کچھ یادیں بتاتی ہوں۔ سرورق پر ایک خاتون سر پر حجاب باندھ کر سائیڈ پوز میں کھڑی تھی جس کے سر پر اور گلے میں زیورات تھے جیسے کوئی عربی یا مصری دوشیزہ ہو، بیک گراؤنڈ میں کوئی قلعے کا سا منظر تھا۔ مدیر اعلیٰ نادرہ خاتون تھیں اور ان کا ہی شمارے میں پہلا سلسلے وار ناول "شعاع" شامل تھا۔ کہنی سنی میں حمیدہ بانو نے باتیں کی تھیں اور افسانے فہمیدہ نسرین، بانو قدسیہ، جیلانی بانو اور رضیہ جمیل کے تھے۔ نادرہ خاتون اور رضیہ جمیل یہ یادیں پڑھ کر امید ہے خوش گواریت کا احساس ہوگا پھر وقت گزرتا گیا۔ خواتین ڈائجسٹ اب پاکستان تو کیا پوری دنیا میں نصف صدی سے پڑھا جاتا ہے اور ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سلسلہ خواتین کی یادوں کا ہے، تو مجھے یاد ہے کہ سب گھر والے ایک طرف ہوتے اور میں گھر کے اوپر والے حصے میں گرمی ہو یا سردی اپنی من پسند چیز جو اس وقت سے اب تک عزیز ہے، یعنی خاص کر خواتین ڈائجسٹ کے سنگ ہوتی۔ رسالے پڑھنے کی وجہ سے ایک ڈنڈا ابھی تک یاد ہے کہ بہت شوق سے ایک بار ڈائجسٹ لے کر اسکول گئی کہ بریک میں پڑھوں گی مگر ایک پیریڈ ہوا تو ٹیچر کو آنے میں دیر تھی میں کتاب کے اندر ہی رسالہ کھول کر پڑھنے لگی اچانک مس پیچھے سے آئیں، زوردار ڈنڈا میری کمر پر مارا اور ڈانٹ سے بھی نوازا تو اس کے بعد سے کبھی ڈائجسٹ اسکول نہیں لے کر گئی، امتحان کے دنوں میں بھی تازہ شمارہ آ جاتا تو میرا سب چھوڑ صرف اپنے پسندیدہ سلسلے وار ناول کی اگلی قسط پڑھنا۔

www.pklibrary.com

جہاں تک بات ہے سیکھنے کی، تو خواتین ڈائجسٹ کی تحریروں کے ساتھ اس کے سلسلوں سے بھی بے شمار چیزیں سیکھیں کہ کب، کیسے، کیوں، کس طرح کس انداز میں بولنا ہے، زندگی کیسے گزارنی ہے، کہاں کیا کہنا اور کرنا ہے۔ کیسے اپنے اچھے اخلاق و کردار سے دوسروں کو اپنا بنانا ہے، خود میں اعتماد لانا ہے۔ مثبت سوچ اور تعمیری کام اور زندگی کے تمام مراحل میں آگاہی خواتین کی تحریروں نے ہی دی، چاہے وہ دینی، دنیاوی، اخلاقی، روحانی، معاشی یا معاشرتی ہو۔

سب سے اہم یعنی کرن کرن روشنی، رنگا رنگ پھول، خواتین کے شروع سے اب تک کے تمام دینی اور دیگر مسائل کے سلسلے، ہماری زندگی کے بہت سارے مسائل کا حل نکالتے ہیں۔ "کہنی سنی" جہاں ہمیں ہر یک دن بعد ملکی حالات بتاتا ہے وہیں اخلاقی، دینی و دنیاوی، گھریلو معاملات میں ٹپس دیتا ہے اور ہر سال کے مخصوص نمبرز میں بہت اچھی معلومات لاتا ہے۔ حمد و نعت پڑھ کے سکون ملتا ہے تو وہیں رنگارنگ پھول میں، ہر طرح کا مکسچر ملتا ہے جو سب کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ شاہین رشید ہمیں ہمارے پسندیدہ لوگوں سے دلچسپ انداز میں ملوا دیتی ہیں، وہیں احمل ہر بار بہت ہی دلچسپ و منفرد سلسلے اور سروے کر کے لطف دوبالا کر دیتی ہیں۔ اور اب آتا ہے وہ سلسلہ بہت ہی بڑی بیٹھک ہے جہاں ہر خطے کی بہنیں، مدیرہ کے سنگ نہ صرف ایک دوسرے کے غم و خوشی میں شریک ہوتی ہیں بلکہ اپنی وابستگی اور اظہار خیال بھی کرتی ہیں۔ خاتون کی ڈائری اور اشعار شاعری سے دلچسپی والوں کو معیاری مواد فراہم کرتے ہیں۔ عدنان بھائی ہمسائل کا حل فوری طور پر بتاتے ہیں اور آخر میں بیوٹی بکس ہمیں سنوارتا ہے۔

4۔ نہیں ایسا تو کبھی نہیں ہوا، ہاں مگر رائٹرز اتنی زبردست کہانیاں ہمیشہ سے لکھتی ہیں کہ اگر ہم توجہ نہ دیں تو ہمارا کھانا جل کر خاک ہو جائے، چائے ابل جائے، کباب افریقی نسل کے ہو جائیں، روٹی سے دھواں نکل جائے مگر ہم اپنے خواتین کو ہوش و حواس میں رہ کر پڑھتے تھے کہ ہماری کسی خامی کی وجہ سے ہمارے رسالوں کچھ نہیں کہا جائے، ہاں ایسا ہوا کہ میں ایک بار کھانا پکانا بھول گئی تھی۔

اسی دن شعاع آیا تھا اور میں نے ابھی تک اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ سوچا تھا فارغ ہو کر اطمینان سے پڑھنے بیٹھوں گی۔ سارے کاموں سے فارغ ہو کر شعاع لے کر بیٹھی کہ ابھی کھانا پکانے میں دیر ہے، ٹھہر کر پکاؤں گی تب تک کوئی کہانی پڑھ لیتی ہوں۔ کہانی پڑھتے میں اتنی محو ہوئی کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ ہوش تو تب آیا جب میاں صاحب کی بائیک کا ہارن سنائی دیا۔ پہلے تو مجھے وہم لگا کہ ابھی کہاں، ابھی تو بہت ٹائم ہے اتنی جلدی یہ کہاں سے آ گئے لیکن مسلسل بجتے ہارن نے میرے ہاتھوں کے سب توتے، کبوتر اڑا دیے۔ میں نے بھاگ کر گیٹ کھولا اور ساتھ ہی دماغ کو بھی دوڑا لیا کیونکہ میرے میاں، سلیم صاحب ٹائم پر کھانا کھانے کے عادی اور بھوک کے بہت کچے ہیں اور میں نے تو ابھی آٹا بھی نہیں گوندھا تھا۔ لیکن خواتین پڑھنے والے، اتنے بھی بدسلیقہ نہیں ہیں۔

خواتین نے ہمیں سلیقہ مند اور ذہین بنا دیا ہے۔ پھر کیا، میں نے میاں صاحب سے کہا "آپ فریش ہو جائیں تو کھانا لگاتی ہوں۔" بچے تھوڑا لیٹ آتے ہیں۔ اور میں نے جلدی جلدی چاول چولہے پر ابالنے کے لیے رکھ دیے، رات کا سالن اور کباب پڑے تھے۔ دوسرے چولہے پر کباب فرائی کرنے شروع کر دیے (پوری ڈش نہیں صرف چار، پانچ کباب فرائی کیے تھے) کباب فرائی کرنے کے بعد سلاد کاٹا اور چٹنی بھی بنائی تو میاں صاحب فریش ہو کے آ گئے، میں نے سالن گرم کرنے رکھا اور ساتھ ہی پلیٹیں، پانی وغیرہ رکھتے تک سالن گرم ہوا ادھر چاول ابل گئے۔ رات کا آلو گوشت۔ کباب۔ سلاد چٹنی اور اچار کے ساتھ پیش کیا اور میاں صاحب سے کہا کہ آج میرا ہلکا پھلکا پکانے کا موڈ تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ پندرہ بیس منٹوں کے اندر اندر ہوا۔ تو جناب، یہ سب سلیقہ طریقہ یہ چستی پھرتی ہمیں خواتین و شعاع نے تو سکھائی ہے، جس کی بدولت اس دن ہم متوقع ڈانٹ سے بال بال بچ گئے۔

www.pklibrary.com

5۔ جی ہاں بہت سی تحریروں میں اپنی جھلک نظر آتی ہے کہ اب جو شعاع میں، نگہت سیما جو میری پسندیدہ مصنفہ ہیں، ان کے حالیہ ناول میں زل کے کردار میں بہت زیادہ اپنی جھلک نظر آتی ہے وہیں سحرش میں اپنی ہی کزن کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ سب تحریریں جن میں ایک گھر کے زیادہ افراد ہوں، ان میں محبت واپنا پن ہو، زندگی کی چھوٹی چھوٹی سی خوشیاں ہوں، کچھ شوخیاں ہوں، بڑوں کا لحاظ اور ڈر بھی ہو اور ایک اتحاد ہو تو ایسی کہانیوں کے کرداروں میں اپنے گھر والوں کی جھلک نظر آتی ہے۔

نوال افضل گھمن ...... بحریہ ٹاؤن لاہور

1 چاند رات کی گہما گہمی اور رونق، اگلے دن کی تیاری، دودھ منگوالو اضافی۔ چنا چاٹ کے لیے چنے بھگولو۔ سویاں منگوالو۔ یہ ہے وہ نہیں۔ بس ایسے ہی ماحول میں عید کی نماز کی تیاری، کپڑے استری کیے کہ بجلی کا کیا بھروسا!

2۔ وقت کی جناب تغیر تو نشانی ہے قدرت کی، بچپن کی عید صبح سے نکلے دوستوں کے ساتھ پولیو کی ٹیم بن کر ڈور ٹو ڈور اور پھر رات کو واپسی اور دلچسپ باتیں۔ حویلی کا جھولا اور کھیتوں کی سیر دوستوں کے ہمراہ چپس اور کولڈ ڈرنک کا ساتھ۔ سب یاد ہے مگر ذرا ذرا۔

3۔ خواتین کا تعارف، کراچی شہر میں پٹیل پاڑہ کے علاقہ گارڈن کے قریب کباڑیے کی دکان پر ہوا سن دو ہزار میں جناب چوبیس سال کی رفاقت مذاق نہیں ہے۔

4۔ جناب ایسا کوئی واقعہ نہیں۔ عقل ٹھکانے پر ہے۔

5۔ کہانی تو یاد نہیں مگر کچھ کچھ نبیلہ ابر راجہ جی کا نام تھا۔ زرد زمانوں کا سویرا گھریلو ماحول ملتا جلتا تھا۔ سب کو عید مبارک۔

سونیا ربانی ...... قاضیاں محلہ بالا

1۔ گزرے دنوں کی چاند رات اب کہاں مل سکتی ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب نانا ابو سب بچوں کو ساتھ لے کر ماموں کی چھت پہ کھڑے ہو کر چاند تلاش کرتے تھے اور کہتے تھے۔ تم میں جو سب سے پہلے چاند تلاش کرلے گا۔ اسے بادام اور اخروٹ دوں گا۔ (مگر افسوس کہ میں کبھی بھی چاند تلاش نہ کرسکی)

ادھر عید کے چاند پہ کسی کی نظر پڑتی اور چھت پہ شور بلند ہو جاتا کہ عید کا چاند نظر آ گیا۔ پھر جس نے سب سے پہلے دیکھا ہوتا۔ نانا ابو اسے اپنی جیب سے بادام اخروٹ نکال کر دیتے پھر نیچے سے نانی، ممانی، ماموں بھی چاند دیکھنے اوپر آتے۔ سب مل کر دعا مانگتے۔

اب تو عرصہ ہوا جیسے لوگوں نے خوشی کو تلاش کرنا چھوڑا ہے ویسے ہی خوشی بھی کہیں کھو سی گئی ہے۔ اب نہ چھت پہ کھڑے ہو کر چاند کی راہ دیکھی جاتی ہے اور نہ چاند دیکھ کر سارا خاندان مل کر لمبی سی دعا مانگتا ہے۔ اب تو کبھی کبھی صبح پتا چلتا ہے کہ رات بارہ بجے چاند کے نظر آنے کا اعلان ہوا۔ اور میں حیرت سے سوچتی ہوں کہ نانا ابو تو کہتے تھے کہ عید کا چاند مغرب سے پہلے، صرف کچھ دیر کے لیے نظر آتا ہے۔ تو پھر یہ کون سا چاند ہے جو آدھی رات کو نکل آتا ہے؟

اب تو تیاری یہ ہوتی ہے کہ عید کا اعلان ہوا۔ تو عید کے لیے سب کے کپڑے استری کردوں۔ بچوں کی ساری چیزیں تیار ہوں۔ تاکہ صبح مسئلہ نہ ہو اور کچن میں صرف چھوٹے موٹے کام کرنے ہوتے ہیں کیونکہ جو بھی بنایا جاتا ہے وہ عید کی صبح ہی بنایا جاتا ہے۔

بچھڑنے والے تیرا انتظار ختم ہوا
ہم اپنے ساتھ تیری داستان لے کر چلے
بچھڑ کے شہر نگاراں سے یوں لگا جیسے
پرندے اپنے پروں پر چٹان لے کر چلے

آج کی اور بچپن کی عید میں پتا ہے کیا فرق ہے، بچپن کی عید سونی کسی شہزادی کی طرح اپنے نانا

www.pklibrary.com

کے آنگن میں گزارتی تھی۔ سب کزنز سے اچھا اور اعلا جوڑا نانی بنوا کر دیتی تھیں اور سارا دن جھولے پہ گزر جاتا تھا۔

زندگی ان سب کو مجھ سے بہت دور لے گئی۔ جن سے عیدیں ہوا کرتی تھیں۔ بچپن کے ساتھی بھی دل پہ دستک دیتے ہیں۔ ماضی کی کھڑکی کھولوں۔ تو جھولے پہ سارہ، طیبہ، عدنان، طوبیٰ، سعدیہ، شانو، آمنہ، سعدیہ نظر آتے ہیں پھر بابل کی گلیاں آباد نظر آتی ہیں۔ جن میں ہم سب کزنز آگے پیچھے دکان پہ جاتے ہیں، اور نعمان کا کہنا ہوتا ہے کہ سب اپنے اپنے پیسے مجھے دو۔ سب لڑکیاں ادھر کونے میں کھڑی ہوں گی اور دکان میں صرف میں، رانی اور رضوان جائیں گے۔

اور اس بات پہ شانو کا منہ بن جاتا۔ (اب بھی گزر ہوتا ہے ان گلیوں سے تو میں ان قدموں کے نشان تلاش کرتی ہوں)

3۔ خواتین سے پہلا تعارف شعاع نے کروایا تھا۔ کیونکہ شعاع میں پڑھتی تھی۔ اور شعاع میں خواتین کی جھلک دیکھ کر ہی پہلی بار لیا تھا۔ اور وقت کے ساتھ جو تبدیلیاں آئیں۔ اگر سب بتا دوں تو آپ سب حیران رہ جائیں؟

مگر چلیے دو چار بتا ہی دیتی ہوں۔ جب کہ اپنے بارے میں ایسا سچ بتانا مشکل کام ہے۔ میں ماضی میں ضدی، سخت مزاج، منہ پہ کچھ بھی کہہ دینے والی لڑکی تھی۔ جلدی غصہ آتا تھا اور دو منٹ میں بے عزت کر کے رکھ دیتی تھی۔ اپنے آپ کو ہی عقل کل سمجھنا اور کبھی کسی دوسرے کو اہمیت نہ دینا اور نہ کسی کا سوچنا، اپنے حصے میں آئی محبتوں، کو حق سمجھ کر قبول کرنا اور بس۔

مگر یہ بہت پرانی باتیں ہیں۔ مگر سچ ہیں بارہ برس پہلے سوہنی بدل گئی اور اتنا بدل گئی کہ جس کا دل کیا۔ اس نے سنا ڈالیں مگر عرصہ ہوا کبھی پلٹ کر جواب نہ دیا۔ نہ ضد رہی نہ سخت مزاجی، نہ غصہ آتا ہے۔ جس محبت کو حق سمجھ کر قبول کرتی تھی اپنا حصہ سمجھ کر وصول کرتی تھی۔ اب اسے تقسیم کرتی ہوں اور یہ سب میں نے خواتین، شعاع اور کرن سے سیکھا۔

4۔ لو جی کیا پوچھ ڈالا ایسا کئی بار ہوا کہ چائے گرا دی جبکہ پاس کھڑی تھی۔ مگر کہانی میں گم۔ کئی بار سالن جلا ڈالا۔ پھر چاول پکانے پڑے۔ کئی بار موٹر چلائی اور بند کرنا بھول گئی۔ ساری گلی میں پانی ہی پانی اور اس بات پہ عزت افزائی بھی بہت ہوئی۔ بلکہ ایک بار تو گجر خان سے خواتین لیا اور گاڑی میں ہی کھول لیا۔ اور ایسی گم ہوئی کہ ہوش ہی نہ رہا۔ ہوش تب آیا جب گاڑی رکی۔ میرے ساتھ بیٹھی عورت نے اترنا تھا۔ قاضیاں سے آگے دربار ہے۔ وہ دربار والے چوک پر اتر رہی تھیں۔ خیر مارے شرم کے کچھ نہ کہا اور وہاں ہی اتر گئے ساتھ اماں تھیں۔ جن کی صحت خراب تھی تو دیکھ ہی نہ سکیں کہ ہم آگے نکل آئے ہیں۔

5۔ وہ کیا ہے ناں کہ اپنی زندگی بھی کسی نمرہ کے ناول سے کم نہیں ہے۔ اگر کبھی جویریہ بی بی نے قلم تھاما تو پھر وہ ایک ناول لکھے گی۔ جس میں آپ ہم کو دیکھ پائیں گے ہاہاہا۔

کچھ عرصہ پہلے فرزانہ کا ایک ناول آیا تھا۔ ہم اور بلبلیں، تو مجھے اس ناول کے آخر میں سونیا ربانی نظر آئی تھی۔ مجھے لگا کہ فرزانہ نے مجھے لکھا ہے۔

گوشی جمال......منڈی یزمان

1۔ بجا فرمایا، چاند رات تو لازم کی صورت ہوتا ہے، آنے والی دلکش صبح اور پھر خوشی کا دن جو ماہ رمضان کی عبادات کے بدلے میں اللہ کی طرف سے انعام کا دن، یعنی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ گلی بازاروں میں شور و غل، مہندی، چوڑی تو چاند رات کو ہی ہر کلائی پر بجتی ہے۔ تیاریاں تو فل عروج پہ ہوتی ہیں اور خواتین کی تیاریاں تو جو ہیں سو ہیں اب مرد حضرات بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ ہر برانڈ اور سیلون پہ رش۔

www.pklibrary.com

خواتین شیر خورما، رس ملائی، کھیر رات ہی بنا کر فریج میں رکھ دیتی ہیں، کچھ گھرانوں میں زردہ کی روایت ابھی قائم ہے جیسے ہم۔

عید والے دن ہمارے ہاں زردہ ضرور بنتا ہے اور ساتھ ٹھنڈی میٹھی سویاں۔ ہماری اماں مرحومہ زردہ بہت شوق سے کھاتی تھیں۔ اب آئے دن زوبیاریہ منجن بنالیتی ہے۔ ہمارے گھر کا ہر فرد میٹھے کا شوقین ہے۔

2۔اقدار کا بدلاؤ ضرور ہوا ہے لیکن روایات کی خوب صورتی جوں کی توں ہے، ہمارے ہاں ابھی بھی روایتی انداز سے ہی عید منائی جاتی ہے۔ اچھے سے تیار ہونا، میٹھی ڈش رشتہ داروں میں بھیجنی یہ روایات ورثہ میں ملیں اور جاری وساری ہیں۔ اب میں اور بچپن کی عید میں فرق اتنا ہے اس وقت عیدی لیتے تھے، اب دیتے ہیں۔ زندگی اب بہت مصروف ہوگئی ہے۔ کچھ حلقہ یاراں کی محبتیں ٹائم کی قلت سے ماند پڑ گئی ہیں۔ ہر لمحہ قیمتی ہے لیکن پیار ومحبت کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ یاد رہتا ہے تو کسی کے ساتھ گزرا ہوا اچھا وقت۔

3۔خواتین سے پہلا تعارف چھٹی، کلاس میں ہوا اور پھر چھڑیوں سے درگت بنی ہاہاہا۔ آپا نے پیار سے روکا، کہا ابھی پڑھنے لکھنے کی عمر ہے، پہلے وہ کرو پھر ساری زندگی پڑی ہے مگر گوشی نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا۔ جوتوں کی سلامی بھائی اسلم نے پیش کی۔ جب میرے اسکول بیگ سے شمارہ دریافت ہوا۔

ماہدولت نے اپنی پاکٹ منی سے بڑے چاؤ سے پہلی بار خریدا تھا۔

گھر میں بڑی آپا پڑھتی تھیں وہیں سے شوق پیدا ہوگیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ حالات بھی بدل گئے، اچھے نمبروں سے میٹرک کرلیا۔ آپا کی طرف سے کچھ نرمی آئی۔ اور بھائیوں کے سامنے ڈھال ثابت ہوئیں۔ خواتین سے ہی آگاہی اور شعور ملا۔ ورنہ گھر کا ماحول اور حالات وواقعات پاگل کردیتے والے تھے۔

مطالعہ سے مائنڈ فریش ہوجاتا۔ بہت سارے مسائل کا حل خواتین سے ملا۔ اک دوست، ساتھی ہم سفر کی صورت۔ آنکھوں کی نمی کو کم کرنے میں معاون کردار، خواتین ڈائجسٹ اور اس ادارہ سے منسلک شماروں نے کیا۔

4۔تھوڑا بہت بچوں کے رسائل میں لکھنے کا سلسلہ مجھ میں اور اختر جمال میں شروع سے رہا۔ جب لکھتا یا پڑھتا ہو تو بندہ، دنیا مافیہا سے بے گانہ ہوکر سب کرتا ہے۔ خیالی دنیا میں سیر وتفریح کرتے ظاہری دنیا میں کچھ الٹ پلٹ ہوجانا فطری سی بات ہے۔ بہت بار ایسا ہوا جب کچھ جلا، کچھ کی نے جلادیا۔ راکھ تو ہم کئی بار ہوئے۔ ہانڈی چولہا کی تو بات ہی نہ کریں اس سے آگے پہنچ گئے۔ ہانڈی اکثر زوبیاریہ جلادیتی ہے یا چائے رکھ کر بھول جاتی ہے جب کچن سے کریمل فلیور کی خوشبو آنے لگتی ہے تب پتا چلتا ہے۔ چائے کی کیتلی راکھ ہی منہ چڑا رہی ہوتی ہے۔ کبھی بڑی آپا کا دھموکا پیٹھ پہ تو کبھی اماں کی پاٹ دار آواز اور کبھی ہوا میں لہراتا ہوا جوتا۔

5۔کوئی ایک کہانی ہو تو بتاؤں، ہر کہانی میں میری فیملی کا کوئی نہ کوئی نمونہ نظر آجاتا ہے۔ جمال ہاؤس کے مکینوں میں ہر کسی کی اپنی الگ کہانی ہے۔ کچھ کردار سنسنی خیز ہیں تو کچھ فنی، فرحت اشتیاق کی کہانیوں کے کردار میرے بہت قریب تر ہیں۔

سلمیٰ مسرت......راولپنڈی

1۔چاند رات کو شادی سے پہلے اور بعد میں بھی گھر والوں کے کپڑے تیار کرنا، پریس کرنا، صبح نماز سے پہلے کھانے والی کھجوریں ڈائننگ پر تیار کرکے رکھتی ہوں، شیر خورما اور دن میں بننے والی ڈشوں کی تیاری اور رمضان کی عبادت کا اختتام کرتے ہوئے نفل پڑھ کر ڈھیر ساری دعائیں مانگتی ہوں۔ گھر کی صفائی کا بھی خاص اہتمام کرنا ہوتا ہے۔

2۔بچپن کی عید اور آج کل کی عید میں زمین

www.pklibrary.com

آسمان کا فرق آچکا ہے، کہاں وہ عید کارڈز کی بہاریں کراچی میں ہر دوسرے دن ڈاکیے کا شدت سے انتظار ہوتا، وہ کارڈ کھولنے دیکھنے کی خوشی، ابو کے ساتھ ایمپریس مارکیٹ جاکر، خود عید کارڈز کا انتخاب کرکے اپنی فرینڈز کو سرپرائز گفٹ پیک کرکے بھیجنا اور ابو امی سے بہترین گفٹ وصول کرنا، چھوٹی بہنوں کے اور اپنے ہاتھوں پر بڑی خوب صورت مہندی لگانا۔

شادی کے بعد سب کچھ بدل گیا، اب میں کچن میں مصروف ہوتی ہوں زیادہ تر، رشتہ داروں کو میرے میاں اور بیٹے فون پر مبارکباد کہہ دیتے ہیں۔ چلتے پھرتے میں بھی کسی کا فون ریسیو کرلیتی ہوں۔

شادی کے فوراً بعد کچھ سالوں تک محلے میں باقاعدگی سے کھیر سویاں بھیجتی تھی، عمر اور ارسلان خوشی خوشی ہر کام کرتے تھے کیونکہ واپسی پر ان کے پاس ڈھیروں عیدی ہوتی اور اسی طرح میرے پاس بچے، خوب صورت کپڑے پہن کر ٹرے سجا کر لاتے ایک مخصوص خوشی کا سماں ہوتا تھا اب سب کچھ بدل گیا ہے سب اپنے گھروں میں محدود ہوگئے، کچھ سالوں سے عید کے ٹائم پر ایسی بارش ہوتی ہے کہ کھلے گراؤنڈ میں عید کا اہتمام نہیں ہوسکتا اور سال بعد لوگوں سے ملاقات ہوتی تھی، وہ بھی رہ جاتی ہے۔

3۔ خواتین ڈائجسٹ سے تعارف میٹرک میں ہوا۔ میری دوست شبانہ کی والدہ، کرن اور خواتین پڑھتی تھیں، اس وقت رفعت سراج کے ناول دل دیا دہلیز۔ شاہکار، نسیم سحر قریشی کے ناولوں نے مجھے دیوانہ بنادیا، ماہی ماہی کوکدی اور پھر اقبال بانو، ساجدہ حبیب، عنیزہ سید نگہت سیما آسیہ رزاقی، رخ چوہدری ایک طویل فہرست ہے۔

شادی کے بعد اتنی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ سب آہستہ آہستہ زندگی سے نکل گئے لیکن خواتین اور شعاع ریگولر دس پندرہ سالوں سے دو ساتھی میرے ساتھ ہیں۔ ان شاء اللہ مرتے دم تک رہیں گے کیونکہ ان تحریروں نے میکے کے گولڈن دور میں مجھے بھٹکنے نہیں دیا۔ آزمائش کے بے شمار لمحوں میں میرا حوصلہ بڑھایا۔

عمیرہ کی تحریروں نے مایوسی سے نکال کر قرآن سے دوستی کروادی، اپنے پہلے بیٹے کا نام میں نے رفعت سراج کے ہیرو شہپر سے متاثر ہوکر شہیر ارسلان رکھا۔ والدین کے جانے کے بعد یہ دونوں رسالے میرا میکہ، میری خوشی ہیں، ہر دور میں میرے ساتھی رہے ہیں۔

4۔ ایسا کبھی نہیں ہوا فرائض کو ہمیشہ اول رکھا جب مجھے آواز دی جاتی تھی میں وہ صفحہ وہیں چھوڑ کر بات سنتی تھی۔ کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا بلکہ اپنے کاموں کی اسپیڈ بہت تیز رکھی سارے کام کرکے رسالہ اٹھاتی اور انجوائے کرتی۔

5۔ میرا کردار بنانے میں میرے والدین کی محنت کے ساتھ ان تحریروں اور ناولوں کا بہت ہاتھ ہے۔ جتنے شاہکار کردار تخلیق ہوئے ہیں ان میں میرے والد۔ شوہر۔ والدہ کی بہت جھلک ہے اور خود میں نے کوشش کی ہے۔ عنیزہ سید کا ماسٹر ہدایت اللہ، نمرہ کا سعدی، رفعت سراج۔ میرا حمید کے ہیروز، سائرہ رضا کے کرداروں میں خود ڈھالنے کی کوشش کی۔

صدف ناصر......گوجرانوالہ

1۔ عید کا چاند نظر آتے ہی خوشی سے بے حال ہوجاتے ہیں۔ اور ایک دم سے پریشان بھی۔ پھر جیسے جیسے حواس ٹھکانے آتے ہیں تو سب سے پہلے دودھ، دہی منگواتی ہوں۔ ورنہ پھر ملتا نہیں۔ تو "رنگین سویاں" بناتی ہوں۔ بچوں کے لیے "فروٹ کیک" "کسٹرڈ"۔

دوسرا فوری کام سب کے کپڑے پریس کرنا، میچنگ ساتھ رکھنا، ازار بند ڈالنا، نئی سینڈلز، شوز ایک جگہ رکھنا کہ صبح فجر اور عید کی نماز کے لیے پریشانی نہ ہو۔ تیسرا کام چکن اور بیف منگوانے کا ہوتا ہے۔ اور صبح جو بھی "ریسپی" ٹرائی کرنا ہو، اس کی تمام جملہ

www.pklibrary.com

تیاریاں کر کے رکھنا، تاکہ نماز پڑھ کر آتے ہی کوکنگ شروع۔ چوتھا کام نئے پردے، بیڈشیٹس، صوفہ کور ڈالنا پھر آخر میں پورے گھر کی ازسرِنو صفائی اور دھلائی رات تقریباً ایک، دو بجے پھر عشاء کی نماز اور شب بخیر! (ہاہاہا) اس دوران بچیوں کو مہندی لگوانے بھی بھیجنا لازم ہوتا ہے، ان کی پھوپھو کی طرف جو پاس ہی رہتی ہیں۔

2۔ جی بالکل! نہ وہ بھلے زمانے رہے، نہ وہ لوگ نہ ہی وہ میٹھی عیدیں، میٹھے لہجے اور خاندانی اقدار و روایات۔ اب تو بس روبوٹ عیدیں ہیں اور روبوٹ انسان۔ بہرحال میں نے ہر ممکن حد تک روایتی عید ہی برقرار رکھی ہوئی ہے۔

عید پر بچوں، بڑوں کو بروقت تیار کرواتی ہوں۔ میٹھا کھانا، عید کی نماز کے لیے مسجد جاتے ہوئے جائے نماز پکڑے، تمام اہل محلہ سے لازمی ملتے ملاتے ہیں۔ عیدی دینا لینا، سب کے گھروں میں سویاں بھیجنا، پھر جو بھی کھانا بنتا ہے، وہ بھی بھیجنا، آئے گئے کو بھرپور ویلکم اور کمپنی دینا اب تک برقرار ہے۔ تاکہ اگلی نسل بھی یاد رکھے ہماری اقدار، بچپن کی عید "فیری لینڈ" جیسی عیدیں تھیں، بے فکری، سکون، خوشی، نیندیں، اور اب عیدیں بھی موبائل پر گزار دی جاتی ہیں۔

3۔ "خواتین ڈائجسٹ" سے دور نزدیک تک آشنائی نہیں تھی۔ بس "شعاع" تھا، جو سب کچھ ہی تھا۔

شادی کے بعد جب 2016ء میں پہلا بیٹا ہوا، تو "میاں" سے کہا کہ "شعاع لادیں، پھر ملتا نہیں دیر سے منگوایا تو" میاں صاحب غلطی سے "خواتین" لے آئے۔ (اگرچہ خواتین کے پرانے ڈائجسٹ پڑھے تھے دس، بارہ) بس پھر باقاعدہ تعارف تب ہوا، اور باقاعدہ لینا چار، پانچ سال پہلے شروع کیا، تو پھر تب سے آج تک ڈائجسٹ، تبصرہ، سروے سے ایک بھی غیر حاضری نہیں۔ پیدائش سے پہلے کے بھی پڑھ ڈالے۔ وقت کے ساتھ ساتھ بے حد ڈیسنٹ، سگھڑ اور انتہائی حد تک مہمان نواز ہوتی ہوں۔ ورنہ شادی سے پہلے تو حقیقتاً نہ چاول بوائل کرنے آتے تھے، نہ ہی چائے بنانا۔ بوائل چاولوں کو دم پر لگانے سے پہلے "امی" کو آوازیں لگائی "جلدی آئیں، چاول چیک کریں، دم پر لگادیں۔" (ہاہاہا)

پھر کچھ سر پر پڑی، کچھ تلخ تجربات (روٹی گول نہیں، آئل زیادہ ڈالتی ہے، شوربا نہیں بنائی وغیرہ) نے اپنے ڈائجسٹوں کے "کچن اور پکوان" کی طرف متوجہ کیا۔

دو سال میں "خالدہ جیلانی" (اللہ کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے۔) اور باجی نے کوکنگ ایکسپرٹ کر دیا۔ خاص طور پر ان کا شکریہ جنہوں نے اتنا تنگ کیا، اتنا ڈس ہارٹ کر دیا کہ سب کچھ سیکھ لیا۔

4۔ شادی سے پہلے کا مزے کا واقعہ سناتی ہوں۔ تب ہم "ننکے منکے" تھے (مطلب چھوٹے) ڈائجسٹ بس باجی سائرہ اور صائمہ پڑھتیں۔ تو ایک دن یہ ہوا کہ ابو بھی دکان سے آگئے، (رات کو) بچوں کو بھی بھوک لگی تھی، مگر باجی صاحبہ "شعاع" پکڑ کر دنیا مافیہا سے بے خبر۔

امی نے دو تین دفعہ کہا بھی کہ "برتن لگائیں۔ کھانا رکھیں۔" مگر کوئی اثر نہیں۔ بالآخر ابو نے غصے سے کہا تو محترمہ اٹھیں تو مگر رسالہ "بغل" میں اور سالن کا پریشر ککر ہاتھ میں۔ پھر کیا تھا، پتا نہیں رسالے کو غصہ آیا یا سالن کو۔ پریشر ککر ہاتھوں سے نکل کر زمین بوس ہو گیا، جابجا زمین پر آلو، بوٹیاں اور شوربہ پھیل گیا۔ امی، ابو کا غصے سے اور ہمارا دکھ سے برا حال ہوا، مطلب:

عمر بھی ہم باجی کو اور بھی بوٹیوں کو دیکھتے ہیں۔ پھر باجی اور رسالے کی "چنگی" شامت آئی۔ نہ رسالہ بغل میں ہوتا، نہ ہمارا آلو گوشت گرتا۔ آج بھی وہ آلو اور بوٹیاں یاد آتی ہیں۔ (ہاہاہا)

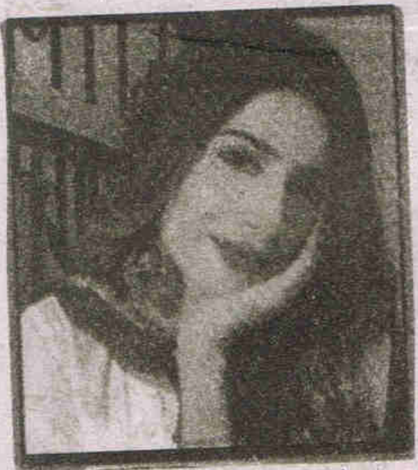
5۔ ہر اس کہانی میں اپنی اور اپنے گھر والوں کی جھلک نظر آتی ہے، جو تحریر گھریلو ہو۔ خوش اخلاق اور مہمان نواز کردار ہوں۔ "انگنا پھول کھلیں گے" کی "ارم" فیملی میں ہم سب نظر آئیں گے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.pklibrary.com

باتیں عائشہ کامران سے

شاہین رشید



1۔ ''اصلی نام؟''
''عائشہ کامران''
2۔ ''پیار کا نام؟''
''Aishu (ایشو)''
3۔ ''تاریخ پیدائش/سال''
''11 جولائی/2002ء''
4۔ ''قد/ستارہ؟''
''5 فٹ 6 انچ/سرطان''
5۔ ''مادری زبان''
''اردو''
6۔ ''فیملی/بہن بھائی/آپ کا نمبر۔''
''ہم چھ فیملی ممبرز ہیں/میرا نمبر پہلا ہے، یعنی گھر کی بڑی ہوں۔''
7۔ ''اس فیلڈ میں کیسے آئیں؟ گھر والوں کا ردعمل؟''
''گھر والے بہت سپورٹو ہیں۔ الحمدللہ۔ اور اداکاری کا شوق فیلڈ تک لے آیا۔''
8۔ ''تعلیمی قابلیت؟''
''میں ابھی زیر تعلیم ہوں فیشن مارکیٹنگ میں بیچلر کر رہی ہوں۔''
9۔ ''پہلا ڈرامہ/شہرت کس نے دی؟''
''پہلا ڈرامہ ''چاند تارا'' تھا، جو کہ ہم ٹی وی سے رمضان میں پیش کیا گیا تھا۔ اور ''ڈاکٹر ثمن'' کا کردار کیا تھا۔ اس نے شہرت بھی دی۔''
10۔ ''بچپن میں کس سے بہت ڈر لگتا تھا؟''
''بچپن میں مجھے ''جوکرز'' سے بہت ڈر لگتا تھا بلکہ بے تحاشا ڈر لگتا تھا۔''
11۔ ''پہلی کمائی کتنی تھی اور کس کے ہاتھ میں رکھی تھی؟''
''پہلی کمائی سات ہزار تھی، چار ہزار امی اور بہن بھائیوں کو دے دیے اور باقی تین ہزار اپنے پاس رکھ لیے تھے۔''
12۔ ''بچپن کی بری عادت؟''
''بچپن میں میں چاکلیٹ کھلی ہوئی اپنے بیڈ کے نیچے رکھ دیتی تھی جس سے چیونٹیاں آجاتی تھیں۔''
13۔ ''آپ کا سورج کب طلوع ہوتا ہے؟''
''صبح جلدی اٹھ جاتی ہوں۔''
14۔ ''صبح اٹھتے ہی کس چیز کی طلب ہوتی ہے؟''
''اپنے موبائل کی۔ اسے ہی چیک کرتی ہوں۔''
15۔ ''کیا نہیں برداشت؟ بھوک یا غصہ؟''
''بھوک برداشت نہیں ہوتی۔''
16۔ ''کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟''
''یو کے کی۔''
17۔ ''کس چیز پر پیسہ خرچ کر کے پچھتاتی

www.pklibrary.com

ہیں؟"

"جوتوں پر۔"

18۔ "کھیلوں سے آپ کا لگاؤ کون سا کھیل پسند ہے؟"

"مجھے سوئمنگ، نیٹ بال اور باسکٹ بال بہت پسند ہے۔ نیٹ بال میں تو میں نے نیشنل ٹیم کی نمائندگی بھی کی ہے۔ سوئمنگ میں بھی انٹر اسکول مقابلے میں حصہ لیا ہے۔"

19۔ "کس بات پر آپ کی آواز اونچی ہو جاتی ہے؟"

"جب کوئی مجھ پر چیختا ہے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے اور رونا بھی آتا ہے۔"

20۔ "چیزیں جنہیں خریدنا آپ کا خواب ہے؟"

"بس مجھے سب برانڈ اور جیولری پسند ہیں۔ اور سب لینا چاہتی ہوں۔"

21۔ "کس کی خاطر فیلڈ چھوڑ دیں گی؟"

"کسی کی بھی خاطر نہیں۔ جب تک میرا اپنا شوق پورا نہیں ہو جائے گا۔"

22۔ "خاندان میں کون بہت جلدی ناراض ہو جاتا ہے؟"

"میری امی بہت جلدی ناراض ہو جاتی ہیں۔ مگر فوراً مان بھی جاتی ہیں۔"

23۔ "زندگی میں کچھ واپس ملنے کا چانس ملے تو آپ کیا واپس لینا چاہیں گی؟"

"میں اپنے دادو کو واپس لینا چاہوں گی۔"

24۔ "گھر میں آپ کے فیصلے پر مداخلت کون کرتا ہے؟"

"کوئی بھی نہیں۔"

25۔ "بیمار ہوتے پر کیا بیماری کو سیریس لیتی ہیں؟"

"پانچ چھ دن تو بیماری کی فکر نہیں کرتی، ہاں زیادہ دن ہو جائیں تو پریشان ہو جاتی ہوں۔"

26۔ "اس فیلڈ میں کیا کیا کر چکی ہیں؟"

"میں نے ڈرامے اور ماڈلنگ کی ہے اور کافی کی ہے۔"

27۔ "کردار کون سے پسند ہیں؟"

"مجھے نگیٹو رولز بہت پسند ہیں۔"

28۔ "کون سا کردار کرنے کی خواہش ہے۔"

"مرکزی کردار۔"

29۔ "کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا ہو؟"

"پڑھائی میں گیپ لینے کا فیصلہ۔ مجھے بہت افسوس ہے اس فیصلے پر۔"

30۔ "کچن سے لگاؤ۔ کبھی شیف بننے کا خیال آیا؟"

"مجھے صرف کھانا پکانے کی ویڈیو دیکھنا پسند ہے، کھانا پکانا نہیں۔"

31۔ "گھر میں کس کی بات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے؟"

"میری بات کو۔"

32۔ کس شخصیت پر چاہتے ہوئے بھی غصہ نہیں کر سکتیں؟"

"ہر وہ انسان یا شخصیت جو عمر میں مجھ سے بڑی ہو۔"

33۔ "میٹھے اور نمکین میں کیا پسند ہے؟"

"مرچوں والے کھانے زیادہ پسند ہیں۔"

34۔ "کس تہوار کا انتظار رہتا ہے؟"

"عید کا۔"

35۔ "کبھی غربت میں وقت گزارا؟"

"غربت میں تو وقت نہیں گزرا لیکن کچھ مشکل وقت آیا تھا زندگی میں۔ تو شکر و صبر کے ساتھ گزار ہی لیا تھا۔"

36۔ "بریانی میں بوٹی نہ ملے تو؟"

"مجھے تو بریانی ہی پسند نہیں۔ ہاہاہا"

37۔ "طالب علمی کے دور میں کون سا مضمون برا لگتا تھا؟"

"میتھس بہت برا لگتا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ مارکس بھی اسی میں آتے تھے اور فزکس، اف بھی سمجھ میں نہیں آئی۔"

38۔ "ڈاکٹر، حکیم اور ہومیو پیتھک کس پر بھروسا ہے؟"

"ڈاکٹر پر بھروسا ہے؟"

39۔ "دنیا کا سب سے زیادہ بورنگ کام؟"

"گھر میں فارغ بیٹھنا سب سے بورنگ کام ہے۔"

40۔ "کیا دل سے اترا ہوا انسان پہلے جیسا

www.pklibrary.com

مقام حاصل کرسکتا ہے؟''
''نہیں۔ جو دل سے ایک بار اتر گیا سو اتر گیا۔''
41۔ ''رینگنے والے کیڑوں، مکوڑوں میں کس سے ڈر لگتا ہے؟''
''سب ہی کیڑوں سے ڈر لگتا ہے۔''
42۔ ''ملک کے لیے کون سا نظام حکومت بہتر ہے؟''
''جہاں انصاف ہو قانون کی بالادستی ہو۔''
43۔ ''گھر کا کون سا کام کرنا پسند نہیں؟''
''میں تو گھر میں کوئی بھی کام نہیں کرتی۔'' (ہنستے ہوئے)
44۔ ''غصے میں کبھی توڑ پھوڑ کی؟''
''غصے میں مجھے رونا آتا ہے، الفاظ نہیں نکلتے روئے بغیر۔''
45۔ ''ٹی وی ٹاک شو یا مارننگ شو کے بہترین اینکر پرسن؟''
''تابش ہاشمی۔''
46۔ ''آپ کا رازدار کون ہے؟''
''میرے دو بہترین دوست۔''
47۔ ''فیملی یا خاندان کی کسی شخصیت سے کوئی شکایت؟''
''نہیں کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''
48۔ ''کون سی تاریخیں یاد رہتی ہیں؟''
''سالگرہ کی۔''
49۔ ''کیا اپنا ڈرامہ بار بار دیکھتی ہیں؟''
''جی...... بہت بار اور صرف اپنے سین دیکھتی ہوں۔''
50۔ ''گھر میں کون پڑھاکو تھا؟''
''گھر میں میں اور میری بہن بہت پڑھتے تھے۔''
51 ''ایک غلطی جس کی کبھی معافی نہیں مانگتیں؟''
''میں اپنی غلطی ہی نہیں مانتی۔''
52۔ ایک کھانا جو انی ٹائم کھا سکتی ہوں؟''
''کورین نوڈلز۔''
53۔ ''مشکل میں کس کو کال کرتی ہیں؟''
''دوستوں کو یا پھر اپنی امی کو۔''
54۔ ''بچپن میں کس وجہ سے مار کھاتی تھیں؟''
''تنگ بہت کرتی تھی، بس اس لیے مار بھی کھاتی تھی۔''
55۔ ''گھر میں کون بی بی سی ہے؟''
''میں خود ہوں۔ سب سے بڑی منہ پھٹ۔''
56۔ ''کن چیزوں پر زیادہ خرچ کرتی ہیں؟
''فضول چیزوں پر۔''
57۔ ''کون سا رول کرنا چاہتی ہیں؟''
''ہیروئن کا۔''
58۔ ''کس سیاست دان کا کردار کرنا چاہتی ہیں؟''
''بے نظیر بھٹو کا۔''
59۔ ''گھر میں بچت کی عادت کس کو ہے؟''
''میری چھوٹی بہن کو۔''
60۔ ''علم نجوم پر کتنا یقین ہے کبھی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟''
''حرام ہے ہاتھ دکھانا۔''
61۔ ''کب جھوٹ کا سہارا لیتی ہیں؟''
''ہر وقت۔...... حالانکہ بولنا نہیں چاہیے۔''
62۔ ''تقریب میں شرکت کے لیے کس کی مرضی سے تیار ہوتی ہیں؟''
''امی کی مرضی سے۔''
63 ''ادھار کس سے بلاجھجک مانگ لیتی ہیں؟''
''امی سے۔''
جی اس بار یہ سوال ہی ہیں۔ کیونکہ آج کل کے فنکاروں کے بہت نخرے ہیں۔ انہی میں ایک یہ یعنی عائشہ کامران ہیں۔

☆☆

www.pklibrary.com

سلمیٰ یاسمین نجمی سے ملاقات

شاہین رشید

گزشتہ سے پیوستہ

"لکھنے کا رجحان اب تقریباً ختم ہوتا جا رہا ہے، شاید اس لیے کہ پڑھنے کا رجحان ختم ہوتا جا رہا ہے؟"

"لکھا تو جا رہا ہے اور بہت لکھا جا رہا ہے اور تھوک کے حساب سے لکھا جا رہا ہے لیکن ادب کا جو مروجہ معیار ہے اس پر بہت کم تحریریں پوری اترتی ہیں۔ زیادہ تر تو ایک ہی موضوع پر مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ ہیرو ہیروئن، ولن، ظالم ماں، بہنیں یا پھوپھی چچی تائی، وغیرہ آخر میں بے شمار مصائب سے گزر کر ہیروئن آخر ہیرو کے دل میں گھر کر لیتی ہے اور پھر شادی ہو جاتی ہے یا پھر دونوں میں سے کوئی ایک جان سے گزر جاتا ہے۔

خواتین اپنی صنف کی چالاکیوں اور مکاریوں کی بہت اچھی عکاسی کرتی ہیں بہرحال وقتی طور پر مزہ بھی بہت آتا ہے، وقت بھی اچھا گزر جاتا ہے اور انسان اپنی زندگی کی تلخیوں کو بھلا دیتا ہے۔ مگر ایسے ادب کی زندگی مختصر ہوتی ہے۔ یہ یادگار نہیں ہوتا۔ یہ موسم بہار کے پھولوں کی طرح ہوتا ہے۔ رنگ خوشبو اور مہک ضرور ہوتی ہے مگر وقتی اور پھر وقت کی گرد انہیں دھندلا دیتی ہے۔

اصل میں لکھنے والے ریسرچ اور محنت سے گھبراتے ہیں۔ نئے موضوعات نہیں ڈھونڈتے، بس قلم اٹھایا اور لکھ دیا اور لکھتے چلے گئے۔ سب کچھ ایسے لگتا ہے کہ جیسے کمرشل ہو گیا ہے۔ ادب سے زیادہ اس سے حاصل ہونے والے معاوضے سے دلچسپی ہوتی ہے۔

عرصہ ہوا میں نے تو ڈرامے دیکھنا ہی چھوڑ دیے ہیں۔ لوگوں سے سنتی ہوں کہ بہت "بولڈ" موضوعات پر لکھا جا رہا ہے اور نئی نسل تک بہت غلط پیغام جا رہا ہے۔ محرم رشتوں کے تعلقات کو پامال کیا جاتا ہے۔ غلط فتوئی، عقیدے کی ترویج کی جا رہی ہے واللہ عالم بالصواب۔

"یعنی آج کل جو خواتین و مرد حضرات لکھ رہے ہیں ان کے ڈرامے نہیں دیکھتیں۔"

"لوگوں کے اصرار پر میں نے "عمیرہ احمد" کا ڈرامہ "الف" دیکھا تھا جو مجھے اچھا لگا تھا۔ اور میں نے بتایا نا کہ کافی عرصہ ہوا کوئی ڈرامہ نہیں دیکھا۔"

"سوشل میڈیا پر جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟"

"آپ نے سوشل میڈیا کے کردار کے بارے میں بالکل صحیح کہا ہے، اس مادر پدر آزاد میڈیا نے ہماری نئی نسل کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اتنا جھوٹ ہے وہاں کہ سچ کا پتا نہیں چلتا۔ دجل و فریب کا راج ہے اور بچے والدین کی نہیں سنتے بلکہ گوگل اور میڈیا کو اپنے ماں باپ سمجھتے ہیں۔ اور یہ ٹک ٹاک کیا بلا ہے۔ ملازمائیں بھی ٹک ٹاک میں نہ جانے کیا "الم غلم" بھیجتی رہتی ہیں۔ الف سے ب پڑھنا نہیں آتا مگر ٹک ٹاک میں ماہر ہیں۔

اب تربیت کا فریضہ سوشل میڈیا ادا کرتا ہے اور سوشل میڈیا کے لیے جیسا کہ میں نے پہلے کہا مادر پدر آزاد ہے تو نئی نسل بھی مادر پدر آزاد ہو گئی ہے۔ اب ہمارے بچے اپنے بچوں کی پرورش میں ہم سے نہ کوئی ہدایت لیتے ہیں نہ مشورہ کرتے ہیں۔ "گوگل اماں" پر بھروسا کرتے ہیں۔" وہ کہتا ہے کہ بچوں کو کچھ نہ کہنا کہ وہ نفسیاتی مریض بن جائیں گے۔" تو بس اس بات پر عمل کرتے ہوئے اب بچے جو چاہیں کریں انہیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ چاہے وہ بدتمیزی کریں، کسی کے گھر جا کر کھانے پر ٹوٹ پڑیں۔ ان کی چیزیں توڑ ڈالیں۔ انہیں کچھ نہیں کہنا چاہیے میزبان نفسیاتی مریض بن جائے۔

میں کہتی ہوں بچے "حیوان" ہوتے ہیں۔ انہیں کبھی مار اور کبھی پیار سے سمجھانا پڑتا ہے۔ یہاں تو لفظ

www.pklibrary.com

"حیوان" سے ہی چہرے لال ہو جاتے ہیں۔ کیوں بھئی...... کیا انسان "حیوانِ ناطق" نہیں کہلاتا۔ کیا آپ کی نفسیات میں سوشل اینیمل نہیں کہا جاتا ہمیں؟ سارا صرف تنبیہ کے لیے ہونا چاہیے اس میں بے دردی اور سختی نہیں ہونی چاہیے۔"

"پرنٹ میڈیا میں لکھنے کا معاوضہ محنت کے مطابق نہیں ملتا۔ آپ کیا کہیں گی؟"

"آپ نے معاوضے کی بات کی ہے تو حقیقی بات تو یہ ہے کہ نہ مجھے جائیداد بنانے سے دلچسپی ہے اور نہ ہی روپے پیسے سے۔ جو اللہ نے دے دیا اسی پہ قناعت ہونی چاہیے۔ وہی کافی ہے۔ پھر لکھنا میرا پروفیشن بھی نہیں ہے۔

آپ نے یہ بھی پوچھا کہ میں نے ٹی وی کے لیے کیوں نہیں لکھا؟ تو بات یہ ہے کہ ٹی وی عموماً لکھنے والوں کی تحریروں کا ناس ہی مار دیتا ہے اور اپنی مرضی سے اس میں تبدیلیاں کر دیتے ہیں جو کہ ان کے خیال میں لوگوں کو زیادہ متاثر کرتی ہیں۔ ٹی وی دکان دار ہے اسے پیسہ چاہیے اور وہ وہی چورن بیچے گا جس کی ڈیمانڈ ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں کے نظریات کو بدلنا چاہتے ہوں۔ جیسا کہ "زیڈ اے بخاری" صاحب نے فرمایا تھا جب ٹی وی کا آغاز ہوا تھا تو انہوں نے بتایا تھا کہ ہمارے کیا مقاصد ہیں۔

میں جس مقصد کے لیے لکھتی ہوں وہ تو پھر "غترغوں" ہو جائے گا۔ وہی بات کہ اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی۔

میں صرف ایک مقصد کی خاطر لکھتی ہوں اور خود کو صرف اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھتی ہوں، کسی پروڈیوسر یا ڈائریکٹر کے سامنے نہیں چند روپوں کی خاطر میں اپنی تحریر فروخت کر دوں یہ ممکن نہیں ہے۔

تلوار اور قلم برائے فروخت نہیں ہوتا اسے انمول ہی رہنا چاہیے، چاہے وہ کسی بڑے ادیب کا ہو یا ہم جیسے ٹٹ پونجیوں کا ہو۔ جائیدادیں تو دنیا میں رہ جائیں گی، ساتھ تو نہیں جائیں گی۔ تو پھر ساتھ کیا جائے گا اس کی فکر کرنی چاہیے۔

مجھے "سانجھ" کے لیے آفر آئی تھی کہ ہم اس کا ڈرامہ بنانا چاہتے ہیں۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔

آپ نے مزاج کی بات کی ہے اصل میں زندگی میں تلخیاں زیادہ ہیں اور خوشیاں کم ہیں۔ مٹھاس بھی کم ہے۔ لوگ عموماً زود رنج ہوتے ہیں آنسو پلکوں پر دھرے ہوتے ہیں پر ہونٹوں پہ مسکان نہیں آتی میرا مزاج بھی شوخ و شریر تھا، میرے یہاں بھی طنز کم ہے، مزاح زیادہ ہے میں دوسروں پر کم ہنستی ہوں خود پر زیادہ ہنستی ہوں اپنی حماقتوں پر۔ تقریباً سب کچھ سچ ہی ہوتا ہے۔ مزاحیہ کہانیوں کے سارے کردار ہمارے آس پاس ہی ہوتے ہیں لوگ ان کی بے وقوفیوں سے تنگ آتے ہیں اور میں لطف اندوز ہوتی ہوں اور لکھ مارتی ہوں تاکہ لوگ ناراض ہونے کے بجائے مزہ لیا کریں۔

ویسے پھر ہم لوگ آدھے پاگل تو ہوتے ہی ہیں۔ شفیق الرحمن نے یہی تو کہا تھا نا کہ پاگل خانہ تو ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ دنیا بہت بڑا پاگل خانہ ہے۔

ایک بار ایک خاتون نے مجھے بتایا کہ میری والدہ بہت بیمار ہیں اور جب ان کی تکلیف بڑھتی ہے تو پھر میں آپ کی مزاحیہ کہانی ان کو سناتی ہوں تو وہ کچھ دیر کے لیے اپنی تکلیف بھول کر ہنسنے لگتی ہیں۔ بس یہی میرا انعام ہے۔ روتوں کو ہنسی کی تھوڑی سی خیرات کر دینے میں کیا حرج ہے۔ سچ ہمیشہ کڑوا نہیں ہوتا تھوڑا تھوڑا میٹھا بھی ہوتا ہے آپ پڑھ کر دیکھ لیں "ہاتھ کنگن کو آرسی" کیا ہے۔

میں نے کبھی معاوضے کے لیے نہیں لکھا۔ یہ بات شاید میں پہلے پھر بھی بتا چکی ہوں جب لکھنے کو دل چاہتا ہے یا کوئی چیز مجھے مجبور کرتی ہے تو میں لکھ لیتی ہوں۔ اپنے "ناشروں" کو بھی میں خود ہی رقم ادا کرتی ہوں۔ ویسے بھی جن کا مرشد اقبال ہو، ان کو روپے پیسوں کی ہوس نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت مند ہے تو پھر الگ بات ہے۔"

"کہانی کس طرح ذہن میں آتی ہے چلتے پھرتے، کسی کو دیکھا یا فارغ اوقات میں؟"

www.pklibrary.com

"چلتے پھرتے کوئی بات کلک کر جاتی ہے تو فسانہ بن جاتا ہے کوئی خبر۔ کوئی واقعہ کوئی انسان۔ کوئی مشاہدہ۔ میں کسی منصوبے کے تحت نہیں لکھتی، نہ ہی میرے اوقات مقرر ہیں، موڈی ہوں دل چاہا تو لکھ دیا ورنہ ان واقعات کو دماغ کے کسی کونے میں ڈال دیا۔ یہ میرا دل کبھی نہیں چاہا کہ میں سارا دن لکھتی رہوں۔ دنیا میں اور بھی غم ہیں محبت کے سوا۔ شاید میں نے لکھنے کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ حالانکہ لینا چاہیے تھا۔"

"آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ لکھیں اور سب پڑھیں؟"

"نہیں، میں نے کبھی کسی کو زبردستی نہیں پڑھوایا اور نہ ہی کبھی کسی سے رائے پوچھی کہ میں نے کیسا لکھا ہے۔ لوگ تو لکھنے کے بعد، اپنی ہر تحریر کو ہر جگہ بھجواتے ہیں اور رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں بلکہ جان کھا جاتے ہیں کہ بتائیں۔ اصل میں در پردہ وہ اپنی تعریف سننا چاہتے ہیں۔ میں نے کبھی ایسا کیا ہے اور نہ ہی کر سکتی ہوں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ سوت کا تا اور لے دوڑے۔

تنقید کافی ہوتی ہے۔ "بوئے گل" اور سانجھ پر ہلکی پھلکی "فحاشی" کا الزام لگ گیا تھا۔ بتول کی میں ایڈیٹر تھی۔ مگر چند لوگوں کی یہ تاکید تھی کہ "بتول" میں "بوئے گل" کا ذکر نہ آنے پائے تو پھر ہم نے بتول کے لیے اس کو شجر ممنوعہ بنا دیا۔

یہاں شائع کرنے کی اجازت نہیں ملی تو "سیارہ ڈائجسٹ" میں بھیج دیا۔ ابھی بھی "انہونی" افسانے پر بے حیائی کا لیبل لگ چکا ہے۔ میں برا نہیں مانتی ہر ایک کا اپنا معیار اور پسند ہوتی ہے۔ فکر ہر کس بہ قدرے ہمت اوست" میں جو صحیح سمجھتی ہوں اسے لکھ ڈالتی ہوں۔ اگر تنقید جائز ہو تو اصلاح کر لی اور اگر جائز نہیں ہے تو نظر انداز کر دیتی ہوں۔"

"آپ کے بچوں میں لکھنے کے جراثیم ہیں؟"

"نہیں، بچوں میں یہ جراثیم نہیں آئے۔ غالباً مارکیٹ میں اتنی طاقت ور "اینٹی بائیوٹک" دوائیاں آ گئی ہیں کہ وہ سارے جراثیم کو مار دیتی ہیں۔ پڑھنے کے سب شوقین ہیں مگر لکھنا کار دارد ہے۔ دو بیٹے ایک انجینئر ہے ایک اکاؤنٹنٹ ہے سو ان کو اپنے پیشے سے متعلق ہی لٹریچر بھاتا ہوگا۔ ایک کو اردو ادب سے شغف ہے اور دوسرے کو انگریزی ادب سے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

آپ نے میری والدہ کے بارے میں پوچھا ہے۔ تو والدہ محترمہ جب جماعت اسلامی کی رکن بن گئیں تو ان سے کہا گیا کہ کچھ لکھیں۔ بھارت سے بچوں کا رسالہ "نور" اور الحسنات پھر بتول نکلنا شروع ہوا۔ یہاں مبشر چراغ راہ اور غالباً یثرب تھے بعد میں محترمہ حمیدہ صاحبہ نے "عفت" کا اجراء کیا اور والدہ نے سن 1950 سے لکھنا شروع کیا۔

بڑے نازک موضوعات پر بھی لکھتی تھیں اور آہستہ آہستہ سمجھتی چلی گئیں۔ اگرچہ نازک موضوعات پر لکھا مگر قلم ہمیشہ محتاط رہا۔ افسانوں کے دو مجموعے "حویلی" اور "پلاؤ" شائع ہوئے تھے جنہیں میں یکجا کر رہی ہوں۔ ناولٹ میں ایک ابن آدم" ہے اور "دانش" بھارت میں چھپا تھا۔ اور ایک ناولٹ ہے "کچے بول" ایک "آٹو بائیوگرافی قسم کی تحریر بھی ہے۔ "چراغوں کا دھواں"۔ "کچے بول اور "ساتول موڑ مہاراں" پر مشتمل ایک کتاب بھی شائع ہو گئی ہے۔

اصل میں جب ان پر "قیمہ" کی ذمہ داریاں پڑیں تو وہ ادب سے دور ہو گئیں کیونکہ ان کے پاس وقت کی قلت ہو گئی۔ ان (والدہ) کا ذکر آپ کو منتو کی کتاب "گنجے فرشتے" میں مل جائے گا۔ انہوں نے قلمی فحاشی پر تنقید کی تو اس پر انہوں نے اچھی طرح لتاڑا۔ وہ جانے اور ان کا خدا جانے بہرحال والدہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔

لوگوں کے نام اور ان کے خطوط پر مبنی ایک کتاب "مکاتیب نیر" آ چکی ہے۔ وہ ٹیلیفونک گفتگو کو ہوائی گفتگو سمجھتی تھیں اور "خطوط" کی قائل تھیں کیونکہ وہ رہ جاتے ہیں۔ یہی بات ادب میں مقام کی ہے۔

www.pklibrary.com

اسلام پسند ادیبوں کو ویسے بھی کوئی گھاس نہیں ڈالتا۔

ہمارا نہ پی آر او ہوتا ہے اور نہ ہی نقادوں اور ایڈیٹروں سے تعلق۔ یہی لوگ ادب میں کسی کے مقام کا تعین کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم جو چاہیں لکھ لیں ادبی لوگ ہمارا نوٹس نہیں لیتے۔ ہمیں بھی پرواہ نہیں ہے، ہم بھی اپنی دنیا میں مگن ہیں اور اگر کوئی تحریر مفید تھی یا ہے تو اس کا اجر ہم اپنے اللہ سے لے لیں گے۔

میں بڑی حیران ہوتی ہوں کہ میرے ناول پر کیسے "پی ایچ ڈی۔ کی گئی یا پھر ایک صاحب نے "پی ایچ ڈی" کے لیے میرے ناولٹ کو کیوں منتخب کیا اور میرے کام پر جو "ایم فل" ہوا اس کا انتخاب کیسے کیا گیا۔ میں نے تو کسی سے نہ درخواست کی اور نہ ہی میرا کسی سے رابطہ تھا اور نہ ہی حوصلہ افزائی میں نے کی۔

اس کی وجہ میری کوئی ایروگینس نہیں ہے کہ اپنی چیزوں یا تحریروں پر مجھے کوئی تکبر ہو، اللہ نہ کرے بلکہ آپ یقین مانیے کہ میں نے اپنی تحریروں کو اس قابل سمجھا ہی نہیں ہے کہ ان کا کوئی نوٹس اس طریقے سے لیا جائے۔ میں نہیں جانتی کہ ایسا کیوں ہوا۔"

"اپنے بچوں کے بارے میں اور مزید اپنے بارے میں بھی بتائیں۔

"آپ نے کہا کہ میں اپنے بچوں کے بارے میں بتاؤں تو سچ بتاؤں، قارئین کو بچوں یا شوہر سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے بھئی۔ وہ اپنے (قارئین) شوہر اور بچوں کو سمجھنے کی کوشش کریں، بچوں کی تربیت پر اپنا وقت لگائیں۔ اپنے اپنے شوہر سنبھالیں اور ان کی صحیح ساتھی بنیں۔

ہم خیال ہیں تو شکر کریں اور اگر نہیں ہیں تو صبر کریں۔ میرے شوہر تو یکم مئی کو دنیا چھوڑ گئے ان کے بارے میں، میں عفت میں لکھ رہی ہوں۔" "میرے ہم نفس میرے ہم سفر" کسی کو اگر کوئی دلچسپی ہے تو وہاں وہ پڑھ سکتے ہیں، ویسے جو آپ سے گفتگو ہوئی ہے اس میں بچوں کی جھلکیاں کہیں نہ کہیں تو نظر آ ہی رہی ہیں۔

مزید کیا بتاؤں۔ فارغ اوقات کے بارے میں آپ نے پوچھا تو فارغ اوقات ملتے ہی نہیں اور اگر مل جائیں تو کچھ نہ کچھ پڑھتی ہوں یا کچھ پکا لیتی ہوں عید، بقرعید پر میرے بچے اور میرے سسرالی رشتے دار ہمارے یہاں آتے ہیں۔ کیونکہ یہ روایت قائم ہے اب تک۔ یہ بھی اپنے گھر میں (شوہر) بڑے تھے اور میں بھی، عید بقرعید کا کھانا خود پکاتی ہوں سب کی پسند کا۔

آپ نے مزاج کا پوچھا تو صحیح جج تو دوسرے ہی ہوتے ہیں تو بس یہی کہہ سکتی ہوں میں کہ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

اعتذار

صفحہ 19 رائٹر کے بجائے ہیرو تھا۔ یعنی ہیرو کا نام نجمی تھا

صفحہ 21 مکئی کی روٹی کے بجائے بیسن کی روٹی ہونا چاہیے تھا۔ دلّی والے مکئی کی روٹی نہیں کھاتے۔ یہ پنجابیوں کا کھاجا ہے۔

اسی صفحے پر صحیح نام امیر خورد رحمت اللہ علیہ تھا۔ امیر خرم اللہ نہیں ہے

صفحہ 23 ناول کی ہیروئن کا نام کلثوم نہیں کسم تھا۔ منشی پریم چند کا ناول تھا شاید، ہیروئن ہندو تھی مسلمان نہیں۔

اسی صفحے کی آخری لائن نام ایمائیل زولا ہے ایمی زولا نہیں ہے۔

صفحہ 24 کتاب کا نام ہے چوتھا کھونٹ نہ کہ چوتھا کھوں۔

مزاحیہ مجموعے دو تھے کوئے ملامت اور کیسے کیسے لوگ۔

www.pklibrary.com

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جوانی میں خوب سیاست کی، تحریکوں میں حصہ لیا، سڑکوں پر آنسو گیس کی وجہ سے آنسو بھی بہائے، تحریک نظام مصطفیٰ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مگر افسوس کہ تو ستارے اپنے اپنے ذاتی مفاد کے لیے جمع ہوئے تھے اور پھر ٹوٹ کر بکھر گئے۔ ہم تو ویسے بھی ہر لیڈر کے چکر میں آجاتے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ کون محض چکر باز ہے اور کون واقعی مخلص ہے یا ہم بے وقوف ہیں۔ یا وہ زیادہ چالاک ہیں۔

سیاحت بھی خوب کی، انگلینڈ یورپ اور امریکہ کی تقریباً چینس اسٹیٹس میں بائے کار گھومے پھرے، پہلے ایک قسم کا ہم نے لوپ بنایا اس میں ہم نیویارک سے فلوریڈا کی طرف گئے اور دوسرے چکر میں نیویارک سے کیلیفورنیا کا اور سیخا بابرا سے بھی آگے پھر سمندر تک جا پہنچے یعنی جہاں زمین ختم ہوتی تھی وہاں تک۔

میں سفرنامے میں نے لکھے جو قسط وار چھپے ہیں، قریہ بہ قریہ کو بہ کو۔ ''منزل ہے کہاں تیری اے لالہ صحرائی'' اور ''تیسرا قید مقام سے گزر''۔

آپ کا یہ سوال کہ میرا بچوں کے ساتھ کیسا رویہ تھا تو جس طرح، جس کی پرورش ہوتی ہے وہ اسی طرح اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہے۔ ہمیں چند اصولوں کے تحت پالا گیا تھا۔ اور ان اصولوں کو توڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ آزادی تھی مگر ایک حد تک تھی، ایک حد کے بعد۔

ہمیں سہیلیوں کے گھر رات رہنے کی اجازت نہیں تھی، نہ ہی ان کو اپنے گھر رات ٹھہرانے کی۔ پردے کے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتے تھے۔ گھر میں سر پہ دوپٹہ ہونا ضروری۔ والد کو دیکھ کر سر ڈھانپ لیا جاتا تھا۔ لیٹے ہیں تو اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔

آج کی لڑکیوں کی طرح باپ کے گلے سے لٹکنے کی اجازت تو ہرگز نہیں تھی۔ والدین والدین ہوتے ہیں۔ سرپرست، ہمدرد اور مشفق ہوتے ہیں مگر دوست نہیں ہوتے، دوستی میں بے تکلفی ہوتی ہے ادب واحترام ذرا کم ہوتا ہے، میک اپ، پھول اور عطر کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ کہا جاتا تھا کہ جن آجاتے ہیں اور اگر بال کھول کر گھومیں تو شیطان سر پر چھپڑ لگاتا ہے۔

اب آج کا جو رواج ہے اس میں کوئی بال باندھتا ہی نہیں ہے۔ ہر وقت بال کھلے ہوتے ہیں خواہ چار بال ہی کیوں نہ ہوں۔ عجیب بندہ ہونق ہی لگتا ہے۔ جن کے لمبے اور سلکی بال ہیں وہ تو دکھاوے کے لیے کھول لیں، مگر جن کے سر پر دو چار بال ہوں۔ انہیں کھولنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے بھی گنجی لڑکیاں نہیں دیکھی تھیں مگر اب دیکھی ہیں۔ کیونکہ جب ہر وقت بال کھلے ہوں گے تو گریں گے بھی۔

پان کھانے کا شوق تھا مگر پان کھانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ کبھی کبھار والدہ کے پاندان سے پان چرا کر کھا لیا تو ابا کے آنے سے پہلے منہ صاف کر لیا جاتا تھا۔ ہمیں شادیوں میں بھی نہیں لے جایا جاتا تھا کیونکہ وہاں ہر قسم کی گفتگو ہوتی ہے تو کنواری لڑکیاں سن نہ لیں۔

مگر آج؟ آج تو لڑکیوں کو سجا بنا کر لے جایا جاتا ہے تاکہ رشتے مل جائیں۔ جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے وہ ہی ملتا ہے۔ اس وقت کچھ خواتین نے کہا بھی کہ اگر آپ اس طرح نہیں کریں گی تو پھر رشتے کیسے ملیں گے؟ اس پر امی نے کہا کہ جہاں ہونا ہوگا وہ خود ہی پہنچ جائیں گے میں لڑکیوں کی نمائش نہیں کر سکتی۔

گزرے زمانے میں خاندانوں کو دیکھ کر رشتے ہوتے تھے۔ لڑکیاں ٹرالیاں سجا سجا کر خود کو پیش نہیں کیا کرتی تھیں۔ ادھر ادھر سے پتا کر لیتے تھے یا کالج میں جا کر دیکھ لیتے تھے۔

میری ساس محترمہ نے تو مجھے رشتہ طے ہو جانے کے بعد دیکھا تھا۔ بس نند نے دیکھ لیا تھا وہ بھی شرمیلی ہی تھی۔ نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ اس نے تو مجھے بعد میں پسند کیا ہوگا۔ اس ناچیز نے تو اسے پہلے پسند کر لیا۔ یہ بات میرے علم میں نہیں تھی کہ وہ مجھے پسند

کرنے آئی ہے میں 17 سال کی تھی اور وہ چوبیس یا تیس سال کی تھی اور شادی شدہ تھی۔

تو جناب، میں نے بھی اسی طرح اپنے بچوں کو پالنے کی کوشش کی۔ زمانہ جب بدل جاتا ہے تو تربیت میں پہلی والی سختیوں کو کم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن مغرب کے بعد لڑکوں کو گھر سے باہر رہنے کی اجازت نہیں دی میں نے۔

سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں میرے بچے باہر پڑھنے چلے گئے۔ مگر وہاں بھی میرے شوہر کے دوست جو یونی ورسٹی میں پڑھاتے تھے، وہ ان کے سر پر مسلط رہے۔ ہر ہفتے ان کے یہاں درس ہوتا تھا۔ اس میں انہیں شامل ہونا پڑتا تھا۔ بڑوں سے بحث کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ''خطائیں بزرگاں، گرفتن خطا است'' ضروری نہیں کہ ہم ہر وقت ہی صحیح ہوں۔

بس اسے دل میں رکھیں جو بھی اختلاف ہو۔ ہم پر رعب نہ جمائیں، ایک بیٹا انگریزی گانوں کا شوقین تھا میں نے کہا کہ گھر میں آواز نہ آئے۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ شوق چند روز کا ہے۔ پھر اپنے بچوں کے رونے دھونے سنیں گے یا گانے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔

بیٹیاں باپردہ تھیں اور باپردہ ہیں، ایک امریکہ میں ہے اور ایک کینیڈا میں۔ ان کی بیٹیاں وہیں پیدا ہوئیں وہیں پرورش پائی۔ تعلیم بھی حاصل کر رہی ہیں۔ مگر فی الحال تو انہوں نے اپنے پردے کی روایت کو برقرار رکھا ہوا ہے۔

بڑی اکثر کہتی ہے کہ امی آپ ڈانٹتے ہوئے جو جملے بولا کرتی تھیں اور مجھے برے لگتے تھے وہی اب میں بولتی ہوں۔ لگتا ہے کہ میں نہیں آپ بول رہی ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ وقت کے ساتھ کچھ تبدیلیاں تو آتی ہیں جو مجھے پسند نہیں ہیں۔ مگر زور صرف اپنی اولاد پر چلتا ہے امی نے تو ہمیں بھی فیشن کرنے ہی نہیں دیا۔ پائنچے تنگ ہوئے تو انہوں نے کھلے بنادیے اور جب کھلے پائنچوں کا رواج ہوا تو اس پر بھی پابندی لگ گئی۔ اپنے ناپ کے کپڑے پہناتی تھیں۔

میں اپنے کالج کی بیسٹ ڈیبیٹر تھی اور جب آپ کسی تقریری مقابلے میں جاتے ہیں تو آپ کی ظاہری شخصیت بھی دیکھی جاتی ہے کہ انسان کیسے اپنے آپ کو کیری کرتا ہے، تو پھر میں چپکے سے چھوٹی بہن کے کپڑے پہن کر جایا کرتی تھی۔ کیونکہ وہ خود سینا جانتی تھی تو وہ فیشن والے اور ذرا ٹائٹ کپڑے سی لیتی تھی۔ اب برقعے میں تو پتا نہیں چلتا تھا کہ اندر کیا پہنا ہوا ہے۔

اب تو شادی شدہ اور کنواری کے لباس میں کوئی فرق رہا ہی نہیں ہے۔ ہم لٹھے کی شلوار، ململ کا دوپٹہ اور پرنٹیڈ قمیص پہنتے تھے۔ اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ پاجامے مجھے پسند نہیں۔ بچیاں میرے سامنے شلوار میں ہی آتی ہیں۔ میری بڑی بیٹی بھی پاجامے نہیں پہنتی۔ اس کی بیٹی ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہنتی ہے جو جیٹھنے سے اونچا نہیں ہوتا۔

حدیث میں تو یہی ہے کہ ''حیا نصف ایمان ہے'' بندہ جو چاہے پہنے، فیشن ایبل لباس بھی پہنیں مگر حیا کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اگر حیا نہیں ہے تو فائدہ مسلمان کہلانے کا۔ ''حیا'' نام کی کوئی چیز تو اب رہ ہی نہیں گئی۔

والدین دیکھتے ہیں بھائی دیکھتے ہیں۔ غیر محرم بھی دیکھتے ہیں مگر کسی پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اگر باپ سختی سے بات کرے کہ گھر میں یہ طریقہ رہے گا تو کسی بچے کی کیا مجال ہے کہ وہ حد پار کرے۔

اب مجھے نہیں معلوم کہ میں صحیح ہوں یا غلط۔ بہرحال والدین کو اولاد کے آگے جھکنا نہیں چاہیے۔ بچوں کا ہی فرض ہوتا ہے کہ وہ جھک کر رہیں۔ والدین کے سامنے اف تک نہ کریں، یہی اللہ کا حکم ہے۔ مادر پدر آزاد جو نسلیں ہوتی ہیں وہ تباہ ہو جاتی ہیں۔ وہ ہلا گلہ تو مچا سکتی ہیں مگر کوئی تعمیری کام نہیں کر سکتیں۔

لیجیے آپ کا انٹرویو مکمل ہوا۔ اور اگر کسی کو کوئی چیز مطمئن نہیں کر سکی تو یہ میرا قصور ہو گا آپ کا نہیں۔''

''بہت شکریہ سلمٰی یاسمین نجمی صاحبہ کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت سے ہمارے لیے وقت نکالا۔''

☆☆

www.pklibrary.com



نائرہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

نرگس مسکان...... گولارچی

خط لکھنے کی وجہ راحت آپی کا ناول ہے۔ "آنگنا پھول کھلیں گے" بہت اچھا ناول ہے۔

"مالا" نمرہ احمد کے لیے تو کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔ اتنا زبردست ہے کہ بس......

"احد" صوفیہ بٹ نیا اضافہ ہیں لیکن قلم میں کافی روانی ہے۔ لیکن یہ جو نیا باب ہے کافی انٹرسٹنگ ہے۔ خولہ اور ضامن کی جوڑی اچھی لگی۔ لیکن حویلی کا کیا سین ہے یہ تو آگے جا کر ہی پتا لگے گا۔

روا اور روش، آسیہ رئیس بھی زبردست کہانی لے کر آئیں۔

ناولٹ 'دودھاری تلوار' (سنیعہ عمیر) میں نیلم کی ہمت کو سلام ہے۔ ایسا اصل زندگی میں تو بہت کم ہوتا ہوگا۔ (میں نے تو نہیں دیکھا آج تک) افسانوں میں نیا اضافہ عارفہ فضل شاہ اور انیسہ عائش آپ دونوں کو بہت مبارک افسانے لگنے پر۔ پردیس اور 'مذاق' بھی زبردست رہے۔

حریم فاروق اور سلمٰی یاسمین سے ملاقات اچھی رہی۔ آئینہ صفت لوگ ساجدہ حبیب کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا۔ لیکن دل دکھی بھی ہو گیا کہ اک اور روشن ستارہ ڈوب گیا۔

نظمیں، غزلیں میں نہیں پڑھتی، رنگا رنگ سلسلہ اور آپ کی بیاض سے اچھے رہے۔ نفسیاتی الجھنیں میں عدنان بھائی کے مشورے اچھے ہوتے ہیں۔

پیاری نرگس! آپ ہماری محفل میں تشریف لائیں ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ احد کے بارے میں آپ کا اندازہ درست ہے۔ بہت جلد آپ حویلی کے حالات کے بارے میں جان سکیں گی اور وہ سب کردار آپ کے سامنے ہوں گے جو فی الحال پس منظر میں چلے گئے ہیں۔

عینا عمر خان...... کیماڑی

"اور آپ کے یہ الفاظ کہ عینا عمر خان تو ایک ہی ہیں۔" مجھے ہواؤں میں اڑا دیا۔ میں بہت خوش ہوں کیونکہ ثابت ہوا ہماری محبت یک طرفہ نہیں ہے۔

ساجدہ حبیب صاحبہ کی موت کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔

سب سے پہلے آنگنا پھول کھلیں گے، بڑا مزا آیا ہر قسط پڑھ کر اب مزہ آئے گا ثانیہ کو بڑی پھپھو خان بنی ہوئی تھی ویسے ارم کو تصویریں تماشہ نے بھجوائی ہوں گی دیکھیں اب کیا ہوتا ہے ثانیہ کے ساتھ مالا کے لیے تو الفاظ ہی نہیں۔ بہترین کہانی ڈائجسٹ کی جان ہے (احد) میری سمجھ میں نہیں آتا یہ ہماری رائٹر کو کیا ملتا ہے اتنا سسپنس کری ایٹ کر کے یعنی گیارہ ماہ سے ہم جن کرداروں کو پڑھ رہے تھے ان کو اچانک غائب کر دیا۔ اب جیل میں جو عبداللہ ہے وہ رام کولی ہے مگر نہیں بتائیں گی ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے نہ خولہ میں نہ ضامن میں، ہمیں تو ہماری شہزادی اجتل اور رام یاد آتے ہیں۔ چوہدری نگر کے مکین تو دل میں بستے ہیں، ان سب کی تو کیا بات ہے ہمیں تو انجمن بھی یاد آتی ہے

www.pklibrary.com

پتا نہیں اس نے نئے پیدا ہونے والے کاکے کا نام چچن عامر رکھ دیا یا پھر مومنہ سے ڈر گئی۔ ہائے صوفیہ جی میں بتا رہی ہوں جب تک اصل کردار واپس نہیں آئیں گے، میں یہ کہانی نہیں پڑھوں گی۔

آسیہ رئیس ہمیشہ کی طرح ٹاپ آف والسٹ رہیں مگر اصل کمال سعیعہ عمیر نے کیا، کیا زبردست کہانی لکھی شروع سے لے کر آخر تک اپنے حصار میں جکڑے رکھا۔ راہ کے ستارے، عارفہ فضل نئی لکھنے والی ہیں مگر بہت اچھا لکھ رہی ہیں، ہیبہ عائش نے اچھا لکھا۔ سروے میں لکھنے کو دل چاہ رہا ہے مگر زبیر نے صاف کہہ دیا کہ پہلے جو اتنی کہانیاں بھیجی ہوئی ہیں، جب تک وہ نہیں لگتیں میں خط نہیں لے کر جاؤں گا خیر ان کو تو رشوت دے کر راضی کر لیا میں نے۔

ج: پیاری عینا! آپ نے احد پڑھنا چھوڑ دیا، اسی لیے آپ کو صوفیہ بٹ سے اتنی شکایت ہوئی۔ خولہ اور ضامن کی کہانی بھی چوہدری ہاؤس والی کہانی سے کم دلچسپ نہیں۔ ہماری مانیں تو پچھلے دو ماہ کے پرچے نکال کر کہانی پڑھیے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کرداروں سے بھی آپ کو اتنا ہی پیار ہو جائے گا جتنا چوہدری ہاؤس کے مکینوں سے ہے۔

اپنے نامہ بر زبیر صاحب کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دیں کہ انہوں نے آپ کا نامہ ہم تک پہنچایا۔

گوشی جمال...... منڈی یزمان

جی جی! صحیح سنا آپ نے خفا ہوں میں آپا نادرہ سے۔ آپ نے مسز خالد کے دیور کے رشتے کا شوشا چھوڑ کر خود جانے کہاں چلی گئیں۔ باوجود بار بار کوشش کے آپا نادرہ سے رابطہ نہ ہو پایا۔ حد ہے بھئی ایک دن گڈی آپا نے بھی ان صاحب محترم سے فون پہ بات کی انہوں نے پھر وہی نمبر دہرایا جس پر پہلے کچھ دن کال جاتی رہی لیکن کسی نے اٹینڈ نہیں کی۔

وجہ بھی جان لیں کہ رابطہ میں اتنی شدت کیوں تھی۔ گڈی آپا لاہور ماموں کے گھر شادی پر جا رہی تھیں۔ خواتین کا یہ ٹولہ جس میں باقی ادھیڑ عمر کزنز (ہاہاہاہا) آپا شادو، ذکیہ، گوگی اور پتا ہے ماموں کی پچپن سالہ بے بی باجی ریل گاڑی پہ ٹوبہ ٹیک سنگھ، سمندری شور کوٹ سے شور مچاتی لاہور واپڈا ٹاؤن پہنچنا تھا۔ پھر جانے یہ طویل دلکش سفر کب وقوع پذیر ہونا ہے یا تھا اس لیے میری کوشش تھی کہ گڈی آپا کو مسز خالد لاہور والی کا نمبر مل جائے اور وہ لاہور میں ملاقات کا شرف حاصل لیں۔ گڈی آپا نے میری اور زوباریہ کی کلاس لی۔

"ایہہ لڑکیو! بس کرو اب یہ تماشا، واٹس ایپ والے نمبر پر وہ مرد ہی دستیاب ہے وہ آپا نادرہ یا مسز خالد کا نمبر نہیں دے گا نہ خود خوار ہو اور نہ مجھے کرو۔ ایسے ڈائجسٹوں کے توسط سے رشتے کہاں ملتے ہیں؟"

مطلوبہ شادی کی تاریخ آن پہنچی اور یہ قافلہ ریل گاڑی پہ بہاولپور کے اسٹیشن پر اپنے بیگز اور ٹرنک سروں پر دھرے سوار، طرح طرح کی آوازوں سے لطف اندوز ہوتے اڑن چھو، اگر نمبر مل جاتا تو سنسنی خیز ٹولہ مسز خالد کو محظوظ کرتا۔ رشتے تو آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔ ملاقات انہیں یاد رہتی۔ اچانک آپا شادو کی پاٹ دار آواز میرے کانوں میں گونجی۔

ایہہ گوشی! عید آن والی، تیری دکان کے لیے لاہور سے کھلونے، پستول، شرے، پٹاخے، بندوقاں لے آئیں ہول سیل کی بہت بڑی منڈی ہے بورا بھر لائیں۔"

"رہنے دیں آپا اب دکان پہ ہر طرح کے سیلز مین سامان دے جاتے ہیں۔"

ہن کج گلاں شمارے دیاں۔ سرخ گلاب کی مانند ماڈل مشرقی لک، دوپٹا اوڑھے میری فرمائش کے مطابق ملا۔ آپا شاذمہ کی ہمشکل ماڈل مجھے حیرانیوں میں مبتلا کر گئی۔ لال سرخی لگا کر وہ بھی ایسی ہی لگتی ہیں۔

فہرست پر نظر پہلے واٹس ایپ نمبر پر پڑی اور میری تیوری چڑھ گئی۔ خیر "کرن کرن روشنی" رمضان المبارک کے حوالے سے معلومات روح معطر کر گئی اور لمبی چھال (چھلانگ) ہمارے نام پر لگائی۔ عید نمبر اور سالگرہ نمبر اکٹھے اوپر سے سروے کے دلچسپ سوالات

www.pklibrary.com

کیا کہنے۔ کچھ صفحات بڑھا کر قیمت 200 روپے کر دیں دونوں خوشیاں اچھی طرح منا سکیں۔

"سلمیٰ یا یمین تجمی" نے محض نو سال کی عمر میں کہانی لکھی حیرتوں میں مبتلا کر گئی اور خوشی بھی ہوئی۔ انٹرویو جاری ہے کہ ساتھ ابھی جاری ہے۔ "پردیس" نے جہازوں کی سیر کرادی، ویلڈن راضیہ سید، بڑی بہو کا کردار ہر گھر میں مختلف ہوتا ہے۔ اریبہ کی ناشکری شکر ہے آنکھوں سے پٹی اتر گئی۔ ہر رشتے کی اپنی خوب صورتی ہوتی ہے۔ "راہ کے ستارے" کی صورت عارفہ فضل شاہ کی بہترین کاوش "چاہا ہے تمہیں" کچھ پھیکا رنگ لیے اس طرح کی تحاریر بہت پڑھی ہیں۔ انداز تحریر تو لاجواب ہے۔

آسیہ رئیس خان رو اور روشن دلچسپی سے جکڑے ہوئے۔ بہت متاثر ہوں میں ان کی تحریروں سے۔ بہت جلدی بہت اوپر تک آنا۔ بڑی بات ہے۔ مستقل کہانیاں ٹائم کم گئی ہیں ایک گھنٹے میں فرفر بھئی کچھ اندازے قاری کو پہلے سے ہوتے ہیں۔ ہاہاہا

خاتون کی ڈائری صرف تین لوگوں پر مشتمل، ساجدہ حبیب کا بہت افسوس ہے۔

کوشی جی! سب سے پہلے تو معذرت کہ آپ کو اتنی کوشش اور تگ و دو کے بعد بھی ہمارا نمبر نہ مل سکا۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ آپ آئندہ خط لکھیں تو اپنا فون نمبر یا ایڈریس لکھ دیں۔ ہم اجل کا نمبر آپ کو دے دیں گے۔ آپ ان سے بات کر لیجیے گا۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

سلمیٰ مسرت...... راولپنڈی

اس بار میرے ڈائجسٹ کی سالگرہ اور عید اکٹھی آرہی ہے، اس لیے رہا نہیں گیا ایک اور کوشش کی ہے دیکھو اب کیا سلوک ہوتا ہے تین چار شماروں میں مکمل ناول بھی بہت زبردست تھے اور افسانے تو ہوتے ہی شاندار ہیں اور آج کل کے حالات پر ہیں نمبر ون "نمرہ احمد" کا "مالا" ایک ایک لفظ گھول کر پیتی ہوں اور "احد" صوفیہ بٹ بہت زیادہ ویلڈن اپنے مذہب پر نئے سرے سے فخر ہوتا ہے۔

سلمیٰ! آپ کا خط شامل ہے۔ معذرت کہ پچھلے دو خط شائع نہ ہو سکے۔ ڈائری شامل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ خط کی پشت پر ڈائری لکھ کر بھجواتی ہیں۔ آپ علیحدہ کاغذ پر لکھیں۔ لفافہ ایک ہی استعمال کریں ہر سلسلے کے لیے علیحدہ علیحدہ کاغذ پر لکھیں۔

فرزانہ انصاری...... کراچی

"ہمارے نام" میں اپنا خط دیکھا اور آپ کے جواب نے گویا زخموں پر مرہم رکھ دیا ہو۔ آپ کا ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں سے وصول کیا۔ آپ کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کا بے حد شکریہ۔ آپی آپ کے جواب نے میری آنکھیں نم کر دیں۔

میں نے اپنا چشمہ بھی بنوا لیا ہے۔ آپی جب میں نے چشمہ لگا کر ڈائجسٹ پڑھا تو مجھے، اتنا صاف اور بڑا بڑا نظر آنے لگا میں تو اتنی خوش ہوئی۔ اب آرام سے قرآن شریف کا ترجمہ اور ڈائجسٹ پڑھ سکتی ہوں بغیر کسی دقت کے۔ کاش میں پہلے ہی چشمہ بنوا لیتی۔ بہر حال دیر آید درست آید۔

سب سے پہلے "کہنی سنی" میں آپ کی بات سے بالکل متفق ہوں۔

ناول میں حسب معمول سب سے پہلے "مالا" پڑھا۔ نمرہ احمد تو گویا کوئی سحر پھونک دیتی ہیں۔

صوفیہ بٹ نے "احد" میں یہ کون سی دوسری کہانی شروع کر دی۔ ہم ہمایوں، اجل اسود، مومنہ اور ماں کو بہت مس کر رہے ہیں۔ مجھے لگتا ہے جیل میں جو بند ہے وہ "امر" ہے۔ امر مسلمان ہو گیا اور وہ بچہ؟ کیا اجل اس دنیا سے چلی گئی؟ خولہ اور ضامن مصطفیٰ کی جوڑی اچھی لگی۔ بہر حال صوفیہ بٹ اچھا لکھ رہی ہیں اور ان کے کردار بھی مدتوں یاد رہنے والے ہیں۔

راحت جبیں کا ناول "انگنا پھول کھلیں گے" تو لگتا ہے ہمارے گھر محلے کی کہانی ہے۔ ثانیہ نہیں سدھرے گی۔ راضیہ سید کا افسانہ پڑھا "پردیس" دل دکھ سے بھر گیا۔ باہر جانے والوں کو شادی کر کے نہیں جانا چاہیے۔ اپنے گھر والوں کے آرام و آسائش کے لیے کسی لڑکی کو قربانی کا بکرا بنانا کہاں کا انصاف ہے۔

www.pklibrary.com

اور خود جانے والوں کے ہاتھ کیا آتا ہے۔ ہمارے بھائی بھی دس سال سعودی عرب (جدہ) میں رہے کام کے سلسلے میں ہماری بھابھیوں کو دو تین مرتبہ بلوایا۔ انہیں حج، عمرہ، کروایا پھر جب لگا بڑھتے بچوں کو ان کی ضرورت ہے واپس آ گئے۔ یہاں آ کر اپنا کام سیٹ کر لیا۔ ج: پیاری فرزانہ! ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے ہمارے مشورہ پر عمل اور کہانی لکھی۔ آپ کی شائع ہو یا نہ ہو لکھتی رہیں۔ اس سے آپ کے ذہن پر خوش گوار اثرات ہوں گے اور آپ دکھ کے حصار سے نکل آئیں گی۔ جن مصنفین کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے۔ وہ چینل پر مصروف ہیں۔

زرینہ خانم لغاری...... مظفر گڑھ

جنوری فروری دونوں سرورق پر دوپٹہ اوڑھے ہوئے بیٹھی بہت دل کو بھائیں دوپٹا تو عورت کا زیور ہے سنگار ہے۔ جنوری میں سروے بھی شامل تھا۔ شکریہ شمارہ تھوڑا لیٹ ملا تبصرہ کے چکر میں ایک ہی رات میں سارا ہضم کر ڈالا۔

کرن کرن روشنی نماز کے متعلق بہت معلومات حاصل ہوئیں۔ آسیہ رئیس کی تقریباً ہر شمارے میں کہانیاں چھپ رہی ہیں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خدشہ ہے کہ نظر ہی نہ لگ جائے۔ مالا جن کو پسند ہے وہ پڑھیں ہم نے تو پڑھنا چھوڑ دیا۔ اتنی کنجلک کہانی ہے دماغ کی دہی بن گئی کہانی تو انسان فریش ہونے کے لیے پڑھتا ہے رنگا رنگ پھول، جو صحابہ کرام کو برا کہے اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ضروری ہے۔ اس دفعہ تمام کہانیاں وری گڈ لسٹ میں آئیں۔ ڈائری کی تمام غزلیں، بیسٹ تھیں۔ نفسیاتی الجھنوں کے حل بہترین ہوتے ہیں۔ بہنیں بہت فائدہ اٹھاتی ہیں اور اعتماد سے اپنی پریشانیاں سناتی ہیں۔

ج: پیاری زرینہ! کئی ماہ بعد آپ کی شرکت سے دلی مسرت ہوئی۔ تبصرے کے لیے بہت شکریہ۔ احد میں بہت جلد آپ کے پسندیدہ کردار آپ کے سامنے ہوں گے۔ صدف ناصر...... گوجرانوالہ

مارچ کا ''خواتین'' بے حد پیارا لگا ہے، کیونکہ ماڈل دوپٹے میں بہت پیاری لگ رہی ہے۔

''کہنی سنی'' میں ''مدیر صاحب'' کی باتیں بھی بہت پیاری لگیں۔

''مریم فاروق'' سے ملاقات اچھی رہی اور ''سلمیٰ یاسمین نجمی'' کا انٹرویو ''دیس دیس کی کہانیاں'' سناتا رہا۔ بے حد دلچسپ اور روانی لیے۔

''ہمارے نام'' نے ہمیشہ خوشی سے مالا مال کیا۔

''گوشی'' بلاشبہ آپ بہترین تبصرہ نگار ہیں مگر محض اتنا کافی نہیں ہے، آپ اچھی رائٹر بھی بن سکتی ہیں، مگر آپ اس بات کی طرف نہیں آتیں۔ ''میشے علی خان'' آپ کا مزا جس طرح کرکرا ہوا ہے۔ اتنا ہی ہمارا بھی ہوا ہے۔ جب ایک دم سے ''آنگنا پھول کھلیں گے'' میں نئے کردار آ گئے، وہ بھی ایک سال بعد، چلیں کرداروں کی تو سمجھ آتی ہے کچھ کچھ مگر ایک دفعہ پھر سے ''احد'' (صوفیہ بٹ) نے ہمارے ''تبصرے'' کو پانی پھیرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ بارہ تیرہ ماہ آپ کو ایک تحریر پڑھنے کو دی جائے پھر ساتھ ہی بغیر بتائے کوئی اور تحریر تھما دی جائے۔ بہرحال ''میشے علی'' سے معذرت ان کو ہماری وجہ سے پریشانی ہوئی۔ ''عدینہ لغاری'' آپ تفصیلی تبصرے لکھیں۔ آپ اچھا لکھتی ہیں۔

''آنگنا پھول کھلیں گے'' ہمارا اندازہ صدفی صد درست رہا۔

''مالا'' کے کیا کہنے بھئی، اچھی خاصی سمجھدار لڑکی پھر سے ''زیاد'' کے چنگل میں پھنس بیٹھی۔ ''نمرہ احمد'' ہمیشہ جتنا بھی گھمائیں۔ یا لٹکائیں۔ تحریر اور کرداروں کو مضبوطی سے جوڑے رکھتی ہیں۔ قاری کے ساتھ۔

''رواور روشن'' کا پلاٹ ازل سے اب تک اتنا پڑھ چکے کہ اب بس ہو گئی ہماری۔

''چاہا ہے تمہیں دل باغ باغ ہوا''

''راشدہ رفعت'' کا ناول دیکھ کر سیدھی سادی، پیاری سی تحریر نے پھر اٹھنے ہی نہیں دیا۔ (کام چوری، ہاہاہا) تحریر کے اختتام نے بے حد ہنسایا۔ جہاں سعدون نے انتہائی دل چسپ اظہار محبت کیا ''روشانے'' سے

بقیہ صفحہ نمبر 202 پر

www.pklibrary.com

راحت جبیں

آنگنا میں پھول کھلیں گے

سترہویں قسط

ثانیہ بوکھلا کر پلٹی۔ وہ بند دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پھریری سی ثانیہ کے وجود میں دوڑ گئی۔ جو گولی چلا سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

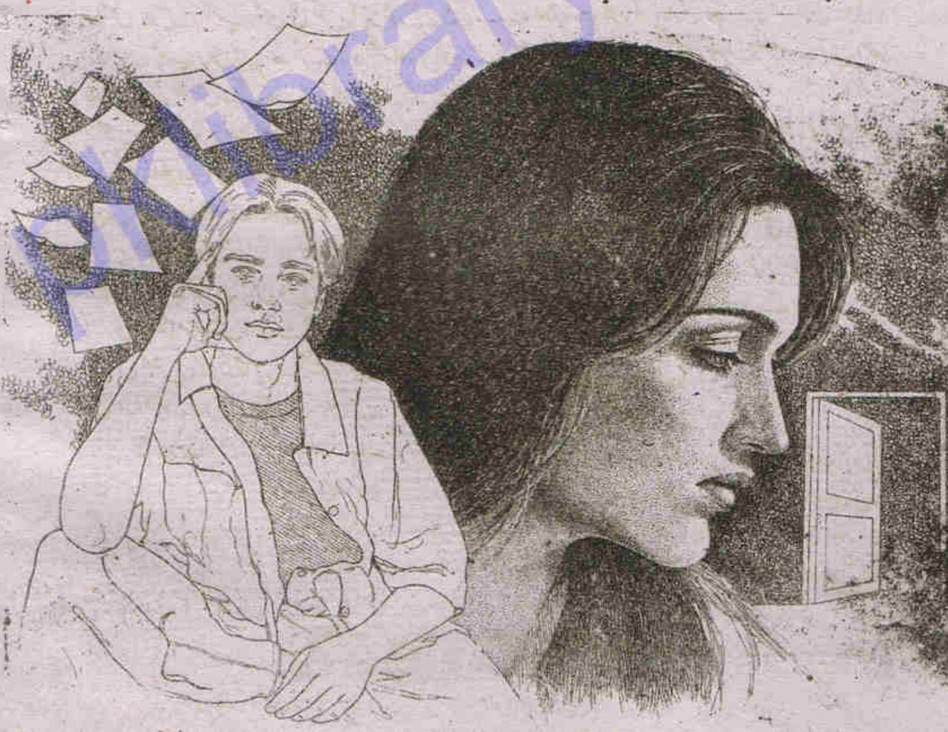
"کیا ہوا تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑنے لگیں۔" دروازہ چھوڑا دو قدم آگے ہوا۔

ثانیہ نے بے اختیار قدم پیچھے ہٹانا چاہے۔ مگر انا نے ایسا کرنے نہیں دیا۔ اسے فرخ کے سامنے خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا تھا۔

"تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے میں یہاں تمہاری منحوس شکل تو دیکھنے نہیں آئی تھی۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"اچھا میں سمجھا میرے آنے کی اطلاع سن کر بھاگی آئی ہو۔" وہ ہنسا۔

"پرانی محبتیں اتنی آسانی سے تو پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"



www.pklibrary.com

"مجھے تم سے کبھی بھی محبت نہیں تھی۔" ثانیہ نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا۔ اگر فرخ نے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو ضرور وہ اس کے سر میں کچھ مار دے گی۔

"تب تک نہیں تھی جب تک عبید تمہاری زندگی میں نہیں آیا تھا۔" وہ کچھ اور پاس آیا۔

"فرخ!" ثانیہ نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔ فرخ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر نیچے کر دیا۔

"بس کرو دھوکا بھی دیتی ہو۔ بے عزتی بھی کرتی ہو۔ مگر میں اتنا بے غیرت نہیں کہ اپنی ماموں زاد کے ساتھ کچھ بدتمیزی کروں۔" اس کے لہجے میں تلخی اور آنکھوں میں اداسی تھی۔

"دھوکا تم نے دیا تھا۔" "میں نے تو محبت ہی کی تھی۔ مٹھائی رکھ کر چلی جاؤ۔ گھر میں واقعی کوئی نہیں ہے۔" وہ کہہ کر رکا نہیں اندر چلا گیا تھا۔

ثانیہ کی سانس بحال ہوئی۔ اس نے وہاں سے نکلنے میں ایک لحہ نہیں لگایا تھا۔

"وہ واپس کب آیا؟ تمہیں بتانا تو چاہیے تھا۔" وہ واپس آ کر رابعہ پر برسی، وہ اور پھوپھو پڑوس میں گئی تھیں۔

"رات ہی کو آیا تھا۔" رابعہ کی آواز مدھم تھی۔ شاید وہ کچھ لوگوں میں بیٹھی تھی۔ دادی کا دل باغ باغ ہونے لگا۔ ان کا لاڈلا نواسا واپس آیا تھا۔ سامنے آتا تو گالیاں دیتیں۔ پیٹ ڈالتیں اچھی خاصی بے عزتی کر کے روتے ہوئے گلے لگا لیتیں۔ مگر دل مار گئیں۔ فرخ کے معاملے میں چپ سادھ کر ثانیہ کو تاڑنے لگیں۔

"لور......لور پھرنے کے بجائے گھر جاؤ سسرال کو دیکھو۔ میاں کی خبر لو۔ آج کل کی لڑکیاں بھی عجیب ہی ہیں۔ نہ کوئی ذمہ داری کا احساس نہ۔"

"اف......اف ثانیہ کا دل چاہا کانوں میں انگلیاں ٹھونس لے۔"

☆☆☆

ہاجرہ مسرور سی اپنے بیڈ پر نیم دراز تھیں۔ ان کا ایک پاؤں کشن پر رکھا تھا۔ دوسری ٹانگ مسرت دبا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ خوامخواہ مسکرا رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ اب مسئلہ آسانی سے حل ہو گیا۔" ہاجرہ نے سکون کا سانس لیا۔

"آپ نے تو گرنے کی ایکٹنگ ہی ایسی خوب کی ...... کہ عفان بھیا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔" مسرت ہنسی "ایسی افراتفری پھیلی کہ عفان اپنی ناراضی بھول گیا۔ مہمانوں کو تیور دکھانا بھی۔"

"مجھے پتا ہے اس جن کو کیسے قابو کرنا ہے۔ شور نہ مچاتی تو یہ اڑیل گھوڑا مہمانوں سے ملنے آتا۔ اب دیکھو کیسے سب ٹھیک ہو گیا۔"

ان کے لہجے میں سکون ہی سکون تھا۔ مہمان بھی مطمئن ہو کر گئے تھے۔

"آپ سے پیار کرتے ہیں۔ تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔"

"تکلیف تو بہت دیتا ہے۔ کوئی بات نہیں مانتا۔ پہلے کتنا ہنس مکھ ہوا کرتا تھا۔ اب تو انگارے چباتا ہے۔" ان کا لہجہ افسردہ ہوا۔

"جلدی سے منگنی کر دیں۔ اور شادی کی تاریخ رکھ دیں۔ منہ سے پھول ہی پھول جھڑیں گے۔" وہ چہکی۔

"تمہارا نکاح نہ پڑھوا دوں۔ گل و گلزار ہو جاؤ گی۔" عفان نے غلط وقت پر انٹری دی تھی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔

"ملازموں کو اتنا سر پر کیوں چڑھاتی ہیں؟" وہ ناراض سا کہتا پاؤں پر جھکا۔

"خوامخواہ ہمارے فیملی میٹرز ڈسکس کرتے ہیں۔"

www.pklibrary.com

"تم پاس بیٹھ جایا کرو۔ تم سے کرلیا کروں گی۔"

"لا تو رہی ہیں اپنی پسند کی بہو۔ یہ گلہ بھی دور ہو جائے گا۔" وہ مطمئن ہو کر پیچھے ہوا۔ پاؤں پر زیادہ سوجن نہیں تھی۔ پھر ماں کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"منگنی کا کھڑاک رہنے دیں۔ شادی کی تاریخ طے کردیں۔"

"اتنی جلدی۔" انہوں نے بے اختیار کہا حالانکہ جلدی انہیں خود بھی تھی۔

"اب دیر کس لیے روز روز کا قصہ ایک بار ختم ہو۔" اس نے بھنوئیں اچکائیں۔

"تمہارے بہن بھائیوں کا دیکھنا ہوگا کب آسکتے ہیں۔"

"ان میں سے کوئی بھی اگلے سال تک فارغ نہیں۔" اس نے اطمینان سے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے۔

"آپ یہ کام چند دنوں میں نمٹالیں۔ میں مانی کو زیادہ دن اس گھر سے دور نہیں رکھ سکتا۔ اور ظاہر ہے آپ بھی بار بار ٹرنے کا ڈرامہ نہیں کرسکیں گی۔"

بیٹا تو انہی کا تھا کہہ کر چلا گیا۔ انہیں غصہ کے بجائے ہنسی آگئی۔ کچھ بھی تھا، وہ ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار تھا۔

"ٹھیک ہی تو کہتا ہے مجھے جلدی کرنی چاہیے۔ پھر کسی بات پر بگڑ گیا تو؟"

☆☆☆

سب ہی خوش باش واپس آئے تھے۔ خاص طور پر اس نے عبید کو غور سے دیکھا۔ وہ بالکل مطمئن اور مسرور تھا۔ ورنہ جب سے ثانیہ کی حرکت سامنے آئی تھی۔ وہ ایک لمحے کو بھی مسکرا نہ سکا تھا۔ وہ پانی رکھ کر مڑنے لگی۔

"تم کہاں جا رہی ہو۔" عبید نے روکا۔

"یہیں بیٹھ کر ساری تفصیل سن لو۔ دروازے سے کان لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں کب......" ارم نے بوکھلا کر ماں کو دیکھا۔

"خوامخواہ چھیڑ رہا ہے۔ میری بیٹی کی ایسی عادتیں نہیں ہیں۔" آسیہ نے پیار سے کہتے ارم کو پاس بٹھالیا۔

"میں ہمیشہ سے ارم کے لیے ایسے ہی گھر کی چاہ رکھتا تھا۔" توفیق صاحب نے پیار سے ارم کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "مجھے یقین ہے ارم وہاں خوش رہے گی۔"

"مجھے بھی عفان بہت اچھا لگا۔ ماں کے لیے کتنا پریشان ہو رہا تھا۔" عبید نے کہا۔ ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ارم کو ساری تفصیل ملتی رہی۔ گھر کیسا ہے؟ معاملات کیا ہیں۔ عفان نے کیا کیا باتیں کیں۔ (کیئرنگ تو ہے)

ارم کو چڑیا والا واقعہ یاد آگیا۔

"ارے بھئی مٹھائی کھولو۔ منہ تو میٹھا کرواؤ۔"

جب ثانیہ نے گھر میں قدم رکھا تو وہاں محفل جمی تھی۔ چائے کے ساتھ مٹھائی کا دور چل رہا تھا۔ عبید ارم کو چھیڑ رہا تھا۔ وہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دے رہی تھی۔

"السلام علیکم......"

وہ جو زندگی میں مٹھاس بن کر آئی تھی۔ اس کی آواز پر عبید کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ مٹھائی زہر بن گئی۔ آسیہ نے منہ پھیرلیا۔ جواب صرف توفیق صاحب نے سنجیدگی اور دھیمے لہجے میں دیا۔

"کیا ہو گیا۔ سب لوگ چپ کیوں ہو گئے۔ پہلے تو خوب محفل جمی تھی۔" جواب اب بھی کہیں سے نہ آیا۔

www.pklibrary.com

"میرا آنا اتنا برا لگا ہے تو واپس چلی جاتی ہوں۔" ان کا یوں چپ سادھ لینا اسے از حد برا لگا۔
"نہیں آؤ اس خوشی میں تمہیں بھی شامل ہونا چاہیے۔" عبید نے کہا۔
"کس خوشی میں؟"
"ارم کی بات؟" ثانیہ ہکا بکا رہ گئی۔ "دونوں میں رشتہ بھی مل گیا۔ بات بھی طے ہو گئی۔ کمال ہے کیا آسمان سے رشتہ ٹپکا تھا۔ اور دیکھیں یہاں اکلوتی بہو کو خبر بھی نہیں۔ یہ اوقات ہے میری عبید تم بھی۔"
اس نے شاکی نظروں سے عبید کو دیکھا۔
"اور تم کیوں خالی ہاتھ چلی آگئی۔ ہمیں لگا مٹھائی لے کر آؤ گی۔" آسیہ نے ٹھنڈے لہجے میں طنز کیا۔
"کس بات کی مٹھائی؟" ثانیہ ہڑبڑائی۔
"وسیم کی منگنی کی۔" جواب عبید نے دیا تھا۔ ثانیہ نے بوکھلا کر ارم کو دیکھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں۔"
"نتاشا بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔" ارم نے اپنا موبائل اس کے سامنے کیا۔
ثانیہ کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

☆☆☆

"عبید...... عبید میری بات سنو۔" وہ بھاگتی ہوئی عبید کے پیچھے آئی۔ اس وقت اگر اسے فکر تھی تو عبید کی۔
"میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا ثانیہ! میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" وہ حلق کے بل چلایا۔ ثانیہ ڈر کر دروازے میں ہی رک گئی۔
"اتنی گھٹیا اور نیچ حرکت۔ میری بہن چلاتی رہی کہ یہ تمہاری سازش ہے۔ تم نے نتاشا کو یہاں بلایا۔ تم نے ایسی سچوئشن کری ایٹ کی۔" وہ پاگل ہو رہا تھا۔
"عبید میری بات سنو۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔"
"میں تمہارے مزید جھوٹ نہیں سنوں گا ثانیہ!"
"عبید میں جانا نہیں چاہتی تھی مگر......" وہ تیزی سے قریب آئی۔ وہ سرعت سے پیچھے ہٹا۔
"تمہیں جہاں جانا ہے جاؤ۔ جو کرنا ہے کرو۔ خدا کے لیے میری نظروں سے دور ہو جاؤ ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"
"مجھے وضاحت کا موقعہ تو دو۔ میں......"
عبید نے اس کا بازو پکڑا اور باہر کی طرف دھکیل دیا۔ وہ تیزی سے پلٹی مگر وہ دروازہ بند کر چکا تھا۔

☆☆☆

حواس باختہ سی ثانیہ کی سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔ آن واحد میں سب کچھ بدل گیا۔
اس نے سر اٹھا کر اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ عبید کے الفاظ یاد آئے تو تکلیف و اذیت سے نچلا لب چبا ڈالا۔ پورے گھر پر خاموشی کا راج تھا۔
سب اپنے اپنے کمروں میں بند اور وہ یہاں لاؤنج میں بیٹھی بے وقوفوں کی طرح بند دروازے تک رہی تھی۔
ایک لمحے کو دل چاہا۔ یہاں لاؤنج میں رات گزارنے کے بجائے میکے چلی جائے۔ مگر غیر محسوس سا احساس تھا، جو روک رہا تھا۔ ابھی تو صرف کمرہ بدر کیا ہے۔ کہیں زندگی سے بے دخل کر دیا تو۔ دل ڈوب سا گیا۔

www.pklibrary.com

اس نے بے چینی سے نتاشا کا نمبر ملایا۔
"مگر انہیں اتنی جلدی خبر کیسے مل گئی۔ تمہارے پیچھے جاسوس چھوڑ رکھے تھے کیا؟" اس کے لہجے میں بے زاری اور ناگواری تھی۔
"تم سوچ بھی نہیں سکیں میری کیا پچویشن ہو گئی ہے۔ عبید نے مجھے کمرے سے نکال دیا۔"
"یہ تو بہت برا ہوا۔" نتاشا کے الفاظ و لہجے کا آپس میں کوئی تال میل نہ تھا۔
"لیکن یہ ممکن کیسے ہے موبائل تو سارا وقت تمہارے پاس تھا۔"
یہی سوچ سوچ کر ثانیہ کا دماغ پھٹ رہا تھا۔
"کہیں وسیم نے تو ارم کو جیلس کرنے کے لیے۔" نتاشا نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو ثانیہ بری طرح چونکی۔ یہ ممکن تھا بلکہ یہی ممکن تھا۔ اپنے انتقام میں وسیم نے یہ بھی پرواہ نہ کی کہ اس کی بہن کا گھر خراب ہوگا۔
"مجھے وسیم سے یہ امید نہیں تھی۔" ثانیہ نے غم و غصے سے مٹھی بھینچ لی۔ نتاشا نے اسے تسلی دلاسا دے کر کال کاٹ دی۔ پھر اسے ہنسی آ گئی۔
"اچھا ہے اب دونوں بہن بھائی آپس میں ہی لڑتے رہیں گے۔" بھلا چند منٹ کے لیے ثانیہ کا موبائل غائب کرنا کیا مشکل تھا۔
"مجھے یہی سب کرنا ہوتا تو اس طرح چھپ چھپا کر منگنی کرتا۔" وسیم تو سنتے ہی بگڑ گیا۔ پورا ایک گھنٹہ نتاشا کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کر کے وہ سہانے خواب لیے سونے کی تیاری میں تھا جب ثانیہ کی کال آ گئی۔ اس کا الزام......"
وسیم کا تو دماغ ہی الٹ گیا۔
"جذبات میں انسان کچھ بھی کر لیتا ہے۔ ارم کو جیلس کرنے کے لیے بدلہ لینے کے لیے......"
"اور اس سب کے لیے میں تمہارا گھر خراب کروں گا۔ تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔"
"آپ کو اندازہ بھی ہے مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔" ثانیہ کوئی بات سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔ سارا غصہ وسیم پر نکل گیا۔
"اب تمہارے پاگل دماغ کے ساتھ کون متھا لگائے۔"
"ہاں، اب ہم پاگل ہو گئے ہیں۔ وہ جو مل گئی ہے نتاشا۔"
"تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ پہلے جذباتی ہو کر خود تصویریں ارم کو بھجوا دیں اب الزام ہم پر لگا رہی ہو۔ بے وقوف لڑکی!" وسیم نے غصے سے کال ہی کاٹ دی۔
"ابھی تو منگنی ہی ہوئی ہے کہ آنکھیں ماتھے پر رکھ لی ہیں۔ سارا قصور ہی میرا ہے۔ ایک چڑیل سے جان چھڑا کر دوسری کو گلے لگا لیا۔ پھرتے رہتے اسی طرح چار پانچ سال تو اچھا تھا۔"
اس نے غصے سے موبائل بند کیا اور صوفے پر لیٹ گئی۔ اس نے سوچنا تھا۔
کچھ ایسا کرنا تھا کہ پچویشن پلٹ جائے۔ اسے جلد از جلد سب ٹھیک کرنا تھا۔

☆☆☆

رات اپنے جوبن پر تھی۔ ہوا رات کی رانی کی خوشبو چرائے بوجھل سی تھی۔ ایک وہ تھا۔ منڈیر پر سر جھکائے بیٹھا۔
اس کے کندھے سے ذرا دہنی طرف ادھورا چاند۔ دونوں میں بلا کی مماثلت تھی۔
ارم نے مگ اس کے پاس رکھا اور اپنا مگ ہاتھ میں لے کر منڈیر سے ٹیک لگا لی۔ دونوں ایک دوسرے کی

www.pklibrary.com

طرف دیکھ نہیں پا رہے تھے۔

وہ شرمندہ تھا اور ارم کو بھائی کی شرمندگی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"جانتی تھی۔ میرے بھائی کو نیند نہیں آ رہی ہوگی۔" ارم نے مگ اٹھا کر عبید کے نتھنوں سے ٹکرایا۔

"جانتی ہو محبت میں ہار کیا ہوتی ہے۔"

ارم خاموش رہی۔ محبت کی ہوتی تب ہی کچھ بتا پاتی۔ فیصل جاں پر محبت کے موسم اترے ہی کہاں تھے۔ وسیم کا آنا اور جانا بس ہوا کا جھونکا تھا۔ آیا اور ذرا سا چھو کر گزر بھی گیا۔

"جب ہمیں لگتا ہے، جس کے لیے ہم ساری دنیا چھوڑنے کو تیار ہو گئے تھے۔ وہ تو اس قابل ہی نہیں تھا۔" عبید نے خود ہی جواب دیا۔

"لیکن اس میں قصور ہمارا ہی تو ہے۔ ہم اسے اپنی ذات کے آئینے میں ویسا ہی دیکھتے ہیں۔ جیسا ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔" ارم نے نرمی سے جواب دیا۔ یہی تو بتاتی رہی تھی کہ ثانیہ ویسی نہیں ہے، جیسی وہ سمجھتا ہے۔

"سراب کے پیچھے بھاگنے والوں کے ہاتھ ایسی ہی مایوسی آتی ہے۔"

"تو برا کیا ہو؟" عبید کے لہجے میں تلخی در آئی۔ بہت گہری چوٹ تھی۔ اسے تو رونا چاہیے تھا۔

"چھوڑو...... دونوں انسان ہی تو ہیں۔ غلطیاں تو کریں گے۔" ارم نے کافی کے تلخ گھونٹ کے ساتھ بہت سی تلخ باتیں اپنے اندر انڈیل لیں۔

"تمہیں دکھ نہیں ہوا۔" عبید محو حیرت تھا۔ بہن کا دل بڑا تھا تو ظرف سمندر نکلا۔

"نہیں میں تو پہلے سے جانتی تھی۔" ارم نے سادگی سے کہا۔ عبید نے ندامت سے چاندنی سے اجلے من والی بہن کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری......"

"کوئی بات نہیں تمہیں حقیقت پتا چل گئی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اب مزید دھوکا مت کھانا۔" وہ ہنسی۔

اس رات دونوں بہن بھائی نے مل کر ڈھیروں باتیں کیں۔ نجانے کتنے، دنوں کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کے سامنے اندر کا حال رکھا تھا۔

"وہ مجھے بہت اچھا لگا ہے۔" عبید نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

"کون؟" ارم نے بے خیالی سے پوچھا۔

"عفان مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔"

"مجھے تمہارے یقین پر یقین رکھنا چاہیے۔" ارم نے سنجیدگی سے پوچھا مگر عبید کو ہنسی آ گئی۔

"ماضی کے تجربے کو دیکھ کر تو نہیں۔"

"لیکن مجھے تمہارے یقین پر یقین ہے عبید!" ارم نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"کیونکہ تم نے اسے ایک بھائی کی نظر سے دیکھا ہے۔" عبید نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔

☆☆☆

انتظار کرتے کرتے رات بوڑھی ہونے لگی اور کروٹ کروٹ تھکن زدہ وجود بے زار ہو گیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

دروازے کے دوسری طرف کوئی آہٹ کوئی آواز نہ تھی۔ عبید آج کمرے میں نہ تھا۔

www.pklibrary.com

ثانیہ بے چین ہو کر باہر نکل آئی پھر ٹھٹھک کر رکی۔
وہ لاؤنج میں صوفے پر سو رہا تھا۔
یعنی وہ اتنا ناراض تھا کہ کمرے میں آنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ صدمے سے ثانیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ زندگی میں ہر بات برداشت ہو سکتی ہے مگر عبید سے دوری نہیں اس کے ہاتھ نے عبید کے بالوں کو چھونا چاہا۔
اسے لمحے داہنی طرف کا دروازہ کھول کر ارم باہر آئی۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی خالی بوتل تھی۔ ثانیہ کا ہاتھ رکا اور ارم کے قدم......
دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ارم تیزی سے کچن میں چلی گئی۔ ثانیہ شرمندگی سے وہیں کھڑی لب کچلتی رہی۔ یہاں تک کہ ارم پانی کی بھری بوتل لے کر بغیر اس کی طرف دیکھے اپنے کمرے میں چلی گئی۔
اسے ان میاں بیوی کے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتا تھا۔
جیسے ہی دروازہ بند ہوا، ثانیہ نے عبید کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ ہڑبڑا کر جاگا۔ ثانیہ کو دیکھ کر اس کا مزاج برہم ہوا۔

"کیا تکلیف ہے۔"
"تم یہاں سو رہے تھے۔" اس نے اپنی تکلیف بتائی۔
"اس کا یہی مطلب تھا کہ میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔" عبید کا لہجہ سفاک اور جتاتا ہوا تھا۔
"پلیز میری بات سن لو۔ وضاحت کا کوئی موقع۔"
"مجھے کوئی وضاحت" عبید کی آواز بلند ہوئی۔ ثانیہ نے گھبرا کر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ سب کے سامنے بے عزتی سہی نہ جاتی۔ آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہنے کو تیار تھے۔
"پلیز۔" اس کے لب کانپے۔
عبید نے شرربار نگاہوں سے اسے دیکھا ہاتھ جھٹکا اور کمرے سے چلا گیا۔
ثانیہ نے گہری سانس کھینچی۔ یہی بہت تھا کہ وہ اس کی بات سننے پر آمادہ تھا۔ وہ دل کڑا کر کے لفظوں کو ترتیب دیتی اس کے پیچھے چلی آئی۔ وہ کمرے کے درمیان کھڑا تھا۔
"ہم بیٹھ کر بات......" ثانیہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہ تیورا کر پلٹا۔
"کیا بات کرو گی۔ جو کچھ تم نے کیا ہے۔ گھر والوں کے سامنے نظریں اٹھا کر بات کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ تم نہیں جانتی تھیں جس لڑکی کے ساتھ تم گیم کھیل رہی تھی وہ میری بہن ہے۔"
"اور وسیم میرا بھائی ہے۔ میں مجبور ہو گئی تھی۔" وہ رو پڑی۔
"مجبور ہوتی تو یوں چھپ چھپا کر منگنی میں نہ جاتیں۔ مجھ سے شیئر کرتیں۔" عبید نے دانت پیسے۔
"کیا سوچتے ہوں گے سب لوگ یہ......" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔
"یہ ہے وہ لڑکی جس کی خاطر میں نے ان کی نافرمانی کی۔"
"خدا کی قسم میں یہ سب نہیں چاہتی تھی۔" ثانیہ نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔
"لیکن میں مجبور ہو گئی تھی۔ وسیم میرا اکلوتا بھائی ہے عبید! یاد کرو...... ارم...... ارم بھی تو تمہاری دفعہ ایسے ہی مجبور ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہمارا رشتہ ہو۔ میں بھی نہیں چاہتی تھی۔ لیکن کب وسیم اور نتاشا کا آپس میں رابطہ ہوا۔ کب دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے۔ پتا ہی نہیں چلا۔"
"مان لیا تم مجبور ہو گئی تھیں۔" عبید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"لیکن ارم کو تصویریں بھیجنے کی کیا مجبوری تھی۔ صرف اسے تکلیف پہنچانے کے لیے۔"

www.pklibrary.com

"خدا کی قسم وہ میں نے نہیں کیا۔"

"اوہ پلیز۔" وہ اپنے ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہوا۔

"اور کتنے جھوٹ بولو گی ثانیہ! ہمیں وسیم کی منگنی پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ کسی سے بھی کرے۔ میری بہن اسے اپنی زندگی سے نکال چکی ہے۔ دکھ اور تکلیف، شرمندگی اور اذیت تمہاری حرکتوں نے پہنچائی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ میرے سامنے نہ آؤ ورنہ مجھ سے کوئی غلط حرکت ہو جائے گی۔"

عبید نے اسے بے دردی سے سامنے سے ہٹایا۔ وہ جانا چاہتا تھا۔ ثانیہ پھر سامنے آ گئی۔

"نہیں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔"

وہ باہر جا کر لاؤنج میں سوئے۔ سب گھر والے تماشہ دیکھیں۔ اتنی بے عزتی سے پہلے وہ مر نہ جائے۔ مگر مرنا اختیار میں کہاں ہے۔ اسے اندازہ عبید کے الفاظ سن کر ہوا۔ وہ برف سی ہو گئی۔ سارے احساسات کرب و اذیت میں ڈھل گئے۔

"تمہاری موجودگی مجھے تکلیف دیتی ہے ثانیہ! کیونکہ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ میں نے جس لڑکی سے محبت کی ہے وہ تم ہو۔"

اس نے سامنے کھڑے ہو کر ثانیہ کو سر تا پا دیکھا اور تاسف سے سر ہلایا۔

"یہ جو میرے سامنے کھڑی ہے۔ یہ تو کوئی مکار اور سازشی عورت ہے۔ میری ثانیہ نہیں۔" وہ گویا اسے سنگسار کر کے جا چکا تھا۔

مرد جتنا بھی محبت کرنے والا ہو۔ جب دھوکا کھاتا ہے تو اتنا ہی سفاک ہو جاتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ عورت کو کہاں اور کس مقام پر مارنا ہے۔

وہ اسے دو تھپڑ لگا دیتا تب بھی اتنی اذیت نہ ہوتی۔ جتنی اس کے الفاظ نے پہنچائی تھی۔

برف کا مجسمہ کرب و اذیت کی آنچ پر قطرہ قطرہ پگھلنے لگا۔

اسے اپنے کیے کا بھگتان بھگتنا ہی تھا۔ آگ لگائی تھی تو پگھلنا بھی خود ہی تھا۔

☆☆☆

"ماڑی قسمت، ساری مصیبتیں ہم پر ہی نازل ہوتی ہیں۔" نادرہ نے سر لپیٹ لیا۔ ثانیہ آئی تھی اور جس حال میں آئی تھی ویسا نادرہ نے اسے کبھی دیکھا نہ تھا مضطرب حد درجہ پریشان۔

"کرتوت ہی ایسے ہیں۔" دادی بڑبڑائیں گھونٹ بھرنے کو پانی کا گلاس اٹھایا تو خالی پڑا تھا۔ ثانیہ سے کہا تو ان سنی کر گئی۔ اسے اپنا ہوش نہ تھا۔ دادی کی کیا سنتی۔ عبید کے رویے نے پریشان کر دیا تھا۔ ثانیہ کی کوئی بھی وضاحت اس کے لیے قابل قبول نہ تھی۔

"ماں بیٹی خود کو بڑا ہی عقل مند سمجھتی ہیں۔ بھلا ایسی باتیں چھپائے چھپتی ہیں، اوپر سے ایسی بے وقوف غلطی کر کے معافی مانگنے کے بجائے یہاں ماں کے پاس بھاگ آئی جیسے ماں بڑے عقل والے مشورے دیتی ہے۔"

نادرہ نے کھا جانے والی نظروں سے ان کو دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں معافیاں مانگنے کی۔ ان کی بیٹی نے خود انکار کیا۔ ہماری مرضی جہاں اس کی شادی کریں۔"

"مسئلہ عبید کا ہے امی!" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ رابعہ کی کہی بہت سی باتیں دل و دماغ پر دستک دے رہی تھیں۔ جنہیں وہ اب بھی جھٹک رہی تھی۔

"مرد تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔" دادی نے بے نیازی سے گلاس اپنے گھٹنے پر بجایا۔

www.pklibrary.com

"ایک منٹ میں آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتے ہیں۔"
"یہ بات مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے۔" نادرہ نے ساری عمر ماتھے پر آنکھوں والا شوہر ہی بھگتا تھا۔
"اب میں کیا کروں امی!"
"اپنی دادی سے پوچھ لے۔ آج کل ان کی بیٹری چارج ہے۔" نادرہ غصے سے کہہ کر اٹھ گئیں۔ دادی کی موجودگی میں کوئی بات کرنا ہی فضول تھا۔ اور دادی نے اس کی اچھی طرح برین واشنگ کر دی تھی۔ فرخ واپس آ گیا تھا۔ وہ یہاں رکتی تو عبید کی ماں، بہن کو موقع مل جاتا مزید اس کے خلاف کرنے کا۔
"ظاہر ہے وہ بھی تو غصے سے بھری ہوں گی۔ جب غلطی اپنی ہو تو مصلحت سے کام لینا چاہیے۔ تم یہاں روٹھ کر بیٹھو گی۔ وہ مہینوں منانے نہ آیا تو لوگ تم پر ہنسیں گے۔"
"یہ سب وسیم کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ پھٹ پڑی۔
"مان ہی نہیں سکتی۔" دادی نے ہاتھ ہلایا۔
"اور کون میرے ساتھ دشمنی کر سکتا ہے۔"
"اب مجھے کیا پتا کہ تم ماں بیٹی نے کس کس کو چونا لگا رکھا ہے۔ اب زیادہ باتیں نہ بنا یہ پانی کا گلاس بھر کے واپس چلی جا۔ کچھ دن گزریں گے سب ٹھیک ہو جائے گا، اللہ کرے ارم کی کسی اچھی جگہ بات طے ہو جائے تو ان کا دھیان بھی ہٹ جائے گا۔"
"اس کی بات طے ہو گئی ہے۔" ثانیہ نے افسوس سے بتایا۔
"ہیں کس کے ساتھ؟ کون ہے وہ نصیب والا؟" دادی ایک دم پرجوش ہوئیں۔
"مجھے کیا پتا مجھے کون سا ساتھ لے کر گئے تھے۔ سب کچھ چھپ چھپا کر بالا بالا ہی کر لیا۔ جیسے میں نے کوئی اڑنگا ڈال دوں گی۔" اس کے زخم پھر سے تازہ ہو گئے۔
"تمہارا کیا پتا؟" دادی نے ترنت جواب دیا۔
ثانیہ غصے سے اٹھ کر چلی گئی۔
"پانی تو دے جاتی۔" دادی نے بے بسی سے خالی گلاس کو دیکھا۔

☆☆☆

وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اپنی چیزیں اٹھاتے رکھتے اس نے ایک بار بھی ثانیہ کو آواز نہیں دی تھی۔ وہ بے وقوفوں کی طرح منہ اٹھائے اسے ادھر سے ادھر آتا جاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ برش اٹھا کر بال بنانے لگا۔ ثانیہ کا عکس آئینے میں منعکس ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے اسی کو دیکھ رہی تھی۔
"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" عبید نے ناگواری سے دریافت کیا۔
"میں تو ہمیشہ اس وقت یہیں ہوتی ہوں۔"
"ہنی مون پیریڈ ختم ہو گیا ہے ثانیہ بیگم! مہمان نہیں اس گھر کا حصہ ہو۔ کچن میں جا کر امی کا ہاتھ بٹاؤ...... یہاں رہنا ہے تو ذمہ داریاں بھی اٹھانا ہوں گی۔ ویسے بھی......" عبید نے برش رکھ کر اپنا جائزہ لیا اور اس کی طرف پلٹا۔
"خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔"
ہائے...... یہ لہجہ، یہ انداز اجنبی تھا...... بہت اجنبی۔ ثانیہ کی سماعتیں اس اجنبی انسان کے اجنبی لہجے سے آشنا نہ تھیں۔

www.pklibrary.com

''اب میکے مت بھاگ جانا گھر میں رہ کر سب کا ہاتھ بٹاؤ۔'' وہ جانے لگا تو ثانیہ نے بدقت کہا۔
''آئی ایم سوری......''

عبید نے تعجب سے بھنویں اچکائیں۔ ثانیہ کا سر جھکا تھا اور وہ معافی مانگ رہی تھی۔ عبید چند قدم اٹھا کر قریب آیا۔ اس کی مخصوص کلون کی مہک نے ثانیہ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ ثانیہ اس کی پیش قدمی کی منتظر تھی۔
''دل سے معافی چاہتی ہو تو خود کو ثابت کرنا ہوگا۔'' تلخ سی سرگوشی۔
''عبید تم سے محبت کرتا ہے مگر عبید کی محبت اندھی نہیں ہے۔'' وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔
کمرے میں محض عبید کے کلون کی مہک تھی اور اس کی تلخ سرگوشی، منزل دور تھی۔ معافی کے لیے شرائط رکھ دی گئی تھیں۔

☆☆☆

''ثانیہ'' وہ اپنا ناشتہ لے کر کمرے میں جانے والی تھی۔ جب آسیہ نے اسے پکارا۔ وہ لاؤنج میں اپنا موبائل لے کر بیٹھی تھیں۔ آج کتنے دنوں کے بعد آسیہ نے اسے آواز دی تھی۔ ورنہ وہ اسے دیکھ کر ہی منہ پھیر لیتی تھیں۔
''جی......''
''ناشتے کے بعد کمرے میں بند نہ ہو جانا۔ آج کام والی چھٹی پر ہے۔ کپڑے بھی دھلنے ہیں۔ دوپہر کے کھانے پر عبید کی پھوپھو بھی آرہی ہیں۔'' وہ بات مکمل کرتے ہوئے کھڑی ہوئیں۔ ثانیہ ہونقوں کی طرح ان کا منہ دیکھ رہی تھی۔ انہیں اپنی بات کی وضاحت کرنا پڑی۔
''کہنے کا مطلب ہے کہ ناشتے کے بعد گھر کے کاموں میں ارم کی مدد کروا دینا۔'' وہ کہہ کر چلی گئیں۔ ثانیہ جھنجھلا کر مڑی تو ارم لاؤنج کے پردے ٹھیک کر رہی تھی۔
''یہ سارے کام میں کروں گی؟''
''نہیں مل جل کر کریں گے۔ امی نے ہیلپ کروانے کا کہا ہے۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا۔
''ویسے بھی سب جانتے ہیں یہ سارے کام تمہارے بس کا روگ نہیں۔'' ارم ہنسی تو ثانیہ کو تاؤ آ گیا۔
''بہت خوش ہو۔ مجھے اور عبید کو اس طرح دیکھ کر لیکن یہ زیادہ دن نہیں چلے گا۔ وقتی غصہ ہے مجھ سے زیادہ دن دور نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے اس کے کان بھرنا بند کر دو۔ تم نے اس سچویشن سے بہت فائدہ اٹھالیا۔'' ارم پردے ٹھیک کر کے اس کی طرف مڑی۔
''تمہیں اندازہ ہی نہیں میں اس سچویشن میں کیا کیا کر سکتی تھی۔'' اس نے ایک ایک لفظ الگ الگ ادا کیا۔
''لیکن میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں ارم ہوں ثانیہ نہیں۔''
''اگر وسیم اور نتاشا کی آپس میں انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی تھی تو میں کیا کر سکتی تھی ارم۔''
''بس وہ نہ کرتیں جو تم نے کیا۔'' ارم نے تاسف سے سر ہلایا۔
''خیر اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ ناشتہ کر کے آجاؤ تا کہ کام سمیٹ سکیں۔'' اب بحث در بحث کا فائدہ کیا تھا اس لیے بات سمیٹ دی۔
''ایک بات تو بتاؤ۔'' ثانیہ نے بے اختیار کہا تو وہ رک گئی۔
''اگر تمہیں یقین تھا کہ نتاشا کو میں نے یہاں بلایا ہے۔ ساتھ ہی فوراً وضاحت بھی کی۔'' جو کہ میں نے نہیں بلایا تھا۔''
ارم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ وہ اب بھی انکاری تھی۔ جبکہ اس کا جھوٹ ثابت ہو چکا تھا۔
''پھر تم نے معافی کیوں مانگی؟''

www.pklibrary.com

''امی کہتی ہیں۔'' جب بھی کوئی بات سمجھانا ہوتی وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر مدھم و نرم لہجے میں بولتی تھی۔ ثانیہ کو یاد آیا یہی انداز عبید کا بھی کبھی کبھار ہو جاتا تھا۔

''رشتے بچانے کے لیے اگر اپنا حق چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔''

''یہ تو کمزوری ہوئی۔ لوگ تو اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔'' ثانیہ نے بے اختیار کہا۔

''کبھی کبھار لوگوں کو فائدہ دے دینا چاہیے سویٹی۔ لیکن تم نے دیکھا اللہ نے میری سچائی کو ثابت کر دیا۔ کیونکہ نیت نیک ہو تو اللہ ساتھ دیتا ہے۔ انسان کی بری نیت اس کے اپنے ہی گلے پڑ جاتی ہے۔''

''انہیں میٹھی میٹھی باتوں سے عبید کو قابو کیا ہوا ہے۔'' ثانیہ نے تلخی سے پوچھا تو ارم مسکرا دی۔

''اسے زندگی گزارنے کا سلیقہ کہتے ہیں۔ کہو تو تمہیں بھی سکھا دوں۔'' ثانیہ چڑ کر مڑ گئی۔

''برتن کمرے میں مت چھوڑ آنا۔'' عقب سے ارم نے آواز لگائی۔ ثانیہ تاؤ کھاتی کمرے میں آئی اور ٹرے بیڈ پر پٹخی ناشتہ ٹھنڈا ہو گیا تھا اور بدمزہ بھی لگ رہا تھا۔

''بہت ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔ رشتہ جو ہو گیا ہے۔ ہونہہ بیٹھے بٹھائے کون سا شہزادہ مل گیا ہوگا۔ پکڑ دھکڑ جو بھی ہاتھ لگا رشتہ کر دیا۔ صرف ہمیں نیچا دکھانے۔ ہونہہ عجیب شب و روز کا سلسلہ تھا۔''

ثانیہ کو لگتا گھر میں اس کی حیثیت زیرو ہو گئی ہے۔ وہ شہزادی سے نوکرانی بن کے رہ گئی ہے۔ حالانکہ سب مل جل کر ہی کام کرتے۔ مگر وہ عیش و آرام خواب ہو گیا۔ وہ سارا غصہ ملازمہ پر ہی نکالتی۔ ملازمہ آسیہ سے شکایتیں لگاتے لگاتے ایک دن کام ہی چھوڑ گئی۔ اب نئی ملازمہ کے آنے تک صفائی کا کام بھی سر پر آ پڑا۔

عبید کا انداز لیے دیے تھا۔ آفس سے آ کر ماں باپ کے پاس بیٹھا رہتا۔ پھر کھانا کھا کر تسلی سے سو جاتا۔

''بس کرو گھر کا ماحول خراب ہو رہا ہے۔ اب اسے معاف کر دو۔'' توفیق صاحب نے عبید کو سمجھایا۔

''آپ نے معاف کر دیا؟'' عبید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں کیونکہ کوئی کچھ بھی کر لے۔ ہماری ارم کے نصیب پر تالا نہیں لگا سکتا۔ اس کا نصیب بہت روشن ہے۔'' ان کا لہجہ اطمینان و سکون کا غماز تھا۔

''ان شاء اللہ لیکن اسے تھوڑا احساس تو ہونے دیں کیا اس نے غلط کیا ہے؟'' عبید کو بھی اندازہ تھا کہ وہ کس قدر بے چین ہے۔ بستر پر کروٹیں بدلتی ثانیہ اسے بھی نظر آتی تھی۔

''احساس دلاتے دلاتے زیادتی نہ کر جانا۔'' انہوں نے تاکید کی۔ تو وہ سر ہلا کر اٹھ گیا۔

بیرونی برآمدے میں بید کی کرسی پر وہ بیٹھی تھی۔ نہ بال بنائے تھے نہ لباس بدلا تھا۔ ہوا کی شرارت سے برآمدے میں سرخ و گلابی پھول بکھرے مرجھا رہے تھے۔ وہ بھی انہی کا حصہ لگ رہی تھی۔ پژمردہ، مرجھائی ہوئی۔ محبت اعزاز بن سکتی تھی تو ناقدری کی مستحق ٹھہری۔

محبت نے خود کو روک لیا۔ دو قدم پیچھے ہٹی تو اپنی قدر پتا چلی۔ وہ جیسے اعزاز بن کر گلے لگتی تھی۔ اسے منور کر دیتی تھی۔ رخ پھیر لیتی تو سامنے والا اماوس ہو کر جاتا تھا۔ عبید اس کے قریب رکا۔

ثانیہ نے چونک کر گردن اٹھائی۔

''اس طرح کیوں بیٹھی ہو جس طرح تم پر بہت ظلم ہو رہا ہے۔'' اس کا لہجہ زہر میں بجھا نہیں تو اتنا سادہ بھی نہ تھا۔

''جو کہتا تھا ثانیہ تمہیں دیکھے بغیر میری صبح نہیں ہوتی۔ وہ اب مجھے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا۔'' وہ کرلائی۔

''یہ ظلم تم نے خود اپنی ذات پر کیا ہے ثانیہ! ہم میں سے کسی کا کوئی قصور نہیں دعا کرو دعا کرو کہ میرا دل

www.pklibrary.com

تمہاری طرف سے صاف ہو جائے۔"
وہ خاموشی سے اس کی پشت دیکھتی رہی۔ یہاں تک وہ بیرونی دروازہ عبور کر گیا۔
"دعا کروں۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ پھر کھڑی ہو کر پلٹی۔ عقب میں ایک آرائشی آئینہ تھا۔ اور آئینے میں ایک مرجھائی ہوئی بے کشش سی لڑکی تھی۔
"وہ مجھے دیکھے گا بھی کیوں......؟" ثانیہ کو خود اپنے ہی اوپر غصہ آیا۔
"نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ دونوں ہاتھوں سے بالوں کو اٹھا کر اپنی صراحی دار گردن کو دیکھا۔
"ابھی مجھ میں اتنی کشش ہے کہ تمہیں پاگل بنا سکوں عبید۔"
اس نے ایک بار پھر دعا سے زیادہ کوشش پر اعتبار کر لیا تھا۔

☆☆☆

پور پور خود کو سجائے سرتاپا شعلہ جوالہ بنی وہ اسے جھلسانے، زیر کرنے کو تیار تھی۔
روشنی اور تاریکی کا حسین امتزاج
نیم خوابیدہ ماحول
محبت نثار ہونے کو تیار تھی
عبید ٹھٹھک کر رکا...... تو ثانیہ مسکرائی۔ سرخ یاقوت میں سفید موتی جھلک دکھانے لگے۔
"آج دیکھتی ہوں مجھ سے کیسے نظریں چراتے ہو۔" وہ گویا پانی پر چلتی اس کے قریب آئی۔
"کہیں جانا ہے؟"
"صرف تم تک آنا ہے۔" اس نے پاس آ کر دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھے اور خود سپردگی کے عالم میں ان پر سر ٹکا دیا۔ اس کے بالوں سے خوشبو آ رہی تھی۔ اس کی حالت پر حدت تھی۔ مگر عبید کے دل کی دھڑکن معمول پر تھی۔
"اگر دل خوب صورت اور سوچیں پاکیزہ نہ ہوں تو حسن بے معنی ہے۔"
عبید نے دل میں اعتراف کیا۔
وجود کا جادو بار بار نہیں چلتا۔
اس سے آگے میاں بیوی کا رشتہ اعتبار، ایثار اور وفا پر استوار ہوتا ہے۔
"قربت کے ان لمحوں میں سب منوالوں گی۔"
ثانیہ کا ذہن ایک ہی نقطہ پر اٹکا تھا۔
قربت کے لمحے وجود کی کشش، لمس کا جادو۔
"پلیز......" عبید نے آہستہ سے اس کی کلائیاں تھام کر نرمی سے خود سے دور کیا۔ ثانیہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔
اندر کچھ کرچی کرچی ہو گیا۔
وہ کیسے اسے نظر انداز کر سکتا تھا۔
اس نے بے حد حیرت سے تکیہ درست کرتے عبید کو دیکھا۔
وہ نثار ہونے کو تیار تھی۔ اب کیا قدموں میں بیٹھ جائے۔ اس نے بے حد بھر کر اس کا بازو کھینچا۔
"نہیں برداشت تو ایک ہی بار گولی مار دو...... یا زندگی سے بے دخل کر دو۔" عبید بے تاثر سا اسے دیکھے گیا۔
"مجھے اتنا بے وقعت مت کرو عبید۔" اس نے دانت پیسے۔

www.pklibrary.com

''تمہیں مجھ سے وابستہ رشتوں کا احترام کرنا چاہیے تھا ثانیہ۔ تمہیں اتنی سنگدلی نہیں دکھانی چاہیے تھی۔''
''وہ تصویریں میں نے نہیں بھیجیں۔'' وہ دبی دبی آواز میں چلائی۔
''اگر تم اپنی شادی رکوانے کے لیے اپنی اور میری تصویریں بھیج سکتی ہو۔ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ سارا خاندان جمع ہے۔ تو تم یہ بھی کر سکتی ہو۔''
وہ گنگ سی اسے دیکھے گئی۔ پھر بمشکل بول پائی۔
''میں نے وہ سب تمہاری محبت میں کیا تھا۔''
''اور یہ سب تم نے ارم کی نفرت میں کیا ہے۔'' وہ آہستہ سے کہہ کر نیم دراز ہو گیا۔
حسن کا مجسمہ پتھرا کر رہ گیا۔
عبید نے جیسے اسے دو کوڑی کا کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ بے چین تھی۔ اس کے سارے دعوے ہر ہتھیار دھرا کا دھرا رہ گیا۔
محبت تو اندھی ہوتی ہے پھر عبید کو اتنا صاف دکھائی کیوں دینے لگا؟
''اب اس کا اتنا غصہ تو بنتا ہی ہے۔'' رابعہ غالباً اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے ہی آئی تھی۔
''کوئی وسیم سے کیوں نہیں پوچھتا۔'' ثانیہ نے بے چینی سے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مارا۔
''دماغ چل گیا ہے اس لڑکی کا، سارا وقت یہ موا موبائل جونک بنا تم سے چمٹا رہا۔ تم نے کس لمحے وسیم کو دیا تھا۔'' دادی چمک کر بولیں۔
''کسی نے تو یہ حرکت کی ہے۔ تم نے کسی کو اپنا موبائل دیا تھا۔'' رابعہ کے کہنے پر اس نے پہلی بار اپنے دماغ کو ریوائنڈ کیا۔ فنکشن میں کیا کیا ہوا؟ وہ کہاں کہاں بیٹھی؟
کس سے بات کی؟
''ثانیہ اپنا موبائل دینا۔ میرا کریڈٹ ختم ہے۔ مجھے ایک فرینڈ کا پتا کرنا ہے جو......''
''نتاشا......'' وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔
''نتاشا نے لیا تھا میرا موبائل۔''
''اس کا تو دماغ چل گیا ہے۔ اب اس کے پیچھے نہ پڑ جانا۔'' نادرہ نے فوراً ٹوکا۔
''وہی ہے۔'' ثانیہ نے تیزی سے موبائل اٹھا کر نمبر ملایا۔ سب کے روکنے۔ ہاہاناں ہاں کرنے کے باوجود جو منہ میں آیا نتاشا کو سنا دیا۔
نتاشا نے بے حد سکون سے ساری بات سنی۔
ذرا سی انگلی حرکت میں آئی اور کال ریکارڈنگ پر چلی گئی۔
''تم پاگل ہو گئی ہو۔'' رابعہ نے موبائل اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔
''ہاں ہو گئی ہوں۔ اور گھر بھی چھوڑ آئی ہوں۔ کوئی مجھے واپس جانے کا نہ کہے۔'' وہ غصے میں کلستی کمرے میں جا گھسی۔
''اسے ہوا کیا ہے؟'' دادی انگشت بدنداں تھی۔
''میں تو پہلے ہی کہتی تھی۔ اس طرح مت کریں۔ تصویروں کا تو بہانہ بن گیا ہے عبید کو جب بھی پتا چلتا یہی سب ہونا تھا۔ ہماری رشتے داری ہے۔ نتاشا کے ساتھ منگنی کرنی بھی تھی تو پہلے عبید کے گھر والوں کو اعتماد میں لے لیا جاتا مگر یہاں میری سنتا کون ہے؟''

www.pklibrary.com

رابعہ کو غصہ آ گیا۔
"اب گھر چھوڑ آئی ہے۔" دادی نے تاسف سے سر ہلایا۔
"اچھا کیا اب کیا وہاں بیٹھی بے عزتی کرواتی رہتی۔" نادرہ نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔
"بس آپ شہہ دیتی رہیں امی...... ابھی جتنا کچھ نتاشا کو سنا دیا ہے۔ اس نے سب وسیم کو بتا دینا ہے۔"
نتاشا کو بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے بس ریکارڈنگ وسیم کو بھیجی تھی۔

☆☆☆

رات کانٹوں کا بستر تھی
کروٹ کروٹ لیر و لیر کر دیتی
سوچوں کا اژدھام تھا۔ جو اسے رگید رہا تھا۔
اس کے سارے فلسفے، سارے یقین، دعوے، گمان سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔
وہ عام سا مرد نکلا۔
عام سا شوہر۔
"محبوب تو وہ ہوتا ہے جس کا غلط بھی ٹھیک لگے۔"
کبھی پڑھا تھا اور یقین بھی کر لیا تھا۔ تو کیا اب وہ محبوب نہ رہی تھی۔ بس بیوی ہو کر رہ گئی۔
کچی عمر میں دیکھے اور ڈائریوں میں لکھے خوابوں کی تعبیر یہ تھی۔
لوگ سچے تھے۔
کتابیں جھوٹی تھیں۔
محبت رات کے پہلے پہر دیکھا کچی نیند کا خواب تھی۔
آنکھ کھل گئی تعبیر سامنے آ گئی۔
"پاگل رشتے میں محبت پہلی سیڑھی ہے اور وہ بے وقوفوں کی طرح اس پر اٹک گئی تھی۔"
دل و دماغ میں بھونچال برپا تھا۔
"رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے باقی کی سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔ تب رشتہ محبت اپنی معراج کو پہنچتا ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے محو مناجات تھی۔
چاندنی اس کے وجود پگھلانے لگی۔
اس سے پہلے کہ وہ موم بن کر پگھل جاتی۔ کسی نے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔
"کیا ہوا؟" وہ ہڑبڑا کر جاگی۔
"باہر آ کر دیکھو۔" نادرہ نے دانت کچکچائے۔ "وہ آیا بیٹھا ہے۔"
"عبید......" وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔
"وسیم آیا ہے۔" نادرہ نے اس کے ماتھے کو ٹہوکا دیا تا کہ وہ ہوش میں آ جائے۔ "جلدی آؤ۔"
نادرہ تیر کی طرح باہر نکل گئیں۔ ثانیہ نے بس بال سمیٹے، چپل پہنی اور باہر آ گئی۔
دادی کے پاس بیٹھا وسیم آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ شبیر احمد اپنی بڑھی ہوئی شیو میں انگلیاں چلا رہے تھے۔
"ابا! اس کو سمجھا دیں۔ اس نے آج کے بعد نتاشا سے الٹی سیدھی باتیں کیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ اس کو دیکھتے ہی بپھر کر بولا۔

www.pklibrary.com

''اس نے کان بھر بھی دیے۔'' دوپٹے کو اپنے گرد لپیٹتے ثانیہ نے طنزیہ کہا۔
''تبھی تو صبح صبح بھاگا آیا ہے۔'' نادرہ نے لقمہ دیا۔
''کیوں نہ بھاگوں وہ بچاری...... '' لفظ بچاری پر ثانیہ نے بھنوئیں اچکا کر ماں کو دیکھا۔ ''ابھی تک ہماری خاطر پوری فیملی کی باتیں سن رہی ہے۔ کہ لڑکے والوں نے منگنی اپنے گھر کیوں نہ کی۔ اس بہانے اس کے رشتے دار ہمارا گھر بار دیکھنا چاہتے تھے۔ کیا کیا بہانے کر کے اس نے روکا......اور اب یہ اس پر الزام لگا رہی ہے۔''
کس قدر بے گانہ لہجہ تھا۔ جیسے وہ وسیم کی کچھ لگتی ہی نہ ہو۔ سب کچھ ثناشاہی ثناشا تھی۔
''کوئی بے چاری نہیں ہے۔'' ثانیہ غم و غصے سے چلائی۔ ''بہت چالاک ہے۔ اس سب میں وہ بھی شامل تھی۔ میں بتارہی ہوں ابھی اس منگنی کو ختم کر دیں۔ بہت پچھتائیں گے۔ وہ لڑکی۔''
''شٹ اپ......'' وہ تو اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''اپنا گھر تو بستا نہیں ہے۔ ہر دوسرے دن ناراض ہو کر یہاں بیٹھی ہوتی ہو اور چاہتی ہو کہ میرا بسنے سے پہلے ہی اجڑ جائے۔''
ہائے ساری دنیا اکٹھی دشمنی پر اتر آئی تھی۔ وہ بہن تھی بتارہی تھی کہ ثناشا نے یہ سب کیا ہے۔ وہ بھائی تھا اسے یقین کرنا چاہیے تھا۔ وہ نہیں کر رہا تھا۔ الٹا اسے الزام دے رہا تھا۔
''ابا! دیکھ رہے ہیں۔'' اس نے مدد کے لیے باپ کو پکارا۔ دادی کو دیکھا۔ وہ سچ بول رہی تھی۔ مگر کوئی اس کا یقین نہیں کر رہا تھا۔
''خوب سن رہا ہوں۔ تم عورتوں کا تو دماغ ہی الٹا ہے۔ جو منہ میں آتا ہے بولے جاتی ہو۔'' شبیر نے تیوری چڑھائی۔
''اور تمہاری کسی بات پر مجھے کبھی اعتبار ہوا ہی نہیں۔''
لو جی قصہ ختم۔ باپ نے بھی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔
دادی انجان بنی اپنے دوپٹے کے دھاگے نوچتی رہی اور ماں۔
ثانیہ نے امید سے دیکھا۔
نادرہ بیٹے کے مقابلے میں اس کا ساتھ کیوں دیتیں۔ ایک دو جملے کے بعد ہی چپ سادھ لی۔
وقت کا دھارا الٹا چل رہا تھا۔
اس مشکل وقت بھی اسے نجانے کیوں ارم یاد آ گئی۔
(کمبخت کی بددعا لگ گئی ہے۔)
کردار بدلے تھے سچویشن تو وہی تھی۔
''میں کوئی کانوں کا کچا یا بے وقوف نہیں ہوں جو تمہاری باتوں میں آ جاؤں گا۔ یہ ڈرامے اپنی سسرال میں جا کر کرنا۔'' وسیم کھڑا ہوا۔
''جو ابھی اس گھر میں آئی نہیں۔ اس کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے۔ تمہیں اس کو گالیاں دینے کا کیا حق تھا۔''
''میں نے اسے کوئی گالی نہیں دی۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' ثانیہ نے دہائی دی۔ تو وسیم نے موبائل نکال کر ریکارڈنگ چلا دی۔ غصے میں کیا پتا چلتا ہے کہ کیا کچھ بول گئے۔
اب سوچ رہی تھی یہ کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔
ثبوت خود بول رہا تھا۔ اب وہ کیا بولتی؟
شبیر غصے سے کھڑے ہوئے۔

www.pklibrary.com

"ابھی اور اسی وقت نکلو۔"

"کیا کر رہے ہیں۔ بیٹی کو گھر سے کون نکالتا ہے۔" نادرہ ہڑبڑا کر بولیں۔

"میں، میں نکال رہا ہوں۔ اس فسادن لڑکی کا میرے گھر میں کوئی ٹھکانہ نہیں۔"

"اور اس سے کہیں اپنے گھر رہا کرے ہمارے گھر آ کر فساد کرنے کی ضرورت نہیں، ہمت ہے عبید کی جو اس کو برداشت کر رہا ہے۔"

باپ بیٹے گھر سے نکل گئے۔

"میری بیٹیوں کے نصیب ہی ایسے ہیں۔ سسرال سے ناراض ہو کر آئی تو باپ بھائی گھر میں برداشت کرنے کو تیار نہیں۔" نادرہ رونے بیٹھ گئیں۔

ثانیہ کے سائیں سائیں کرتے دماغ پر ان کی آواز ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ یہ اس کے لیے دوسرا جھٹکا تھا۔

"ہاں تو جائے وہاں۔ جہاں سب برداشت کر رہے ہیں۔ کسی نے گھر سے تو نہیں نکالا۔ خود ہی آئی ہے۔" دادی نے گردن گھما کر ثانیہ کو دیکھا۔

"میری بچی گرے ہیروں کا کیا جاتا ہے۔ پھر سے چن لو جھولی بھر لو...... جا جا کر میاں کو منالے۔ اب یہاں کوئی تمہیں گوارہ نہیں کرے گا۔ معافی مانگ لو۔"

معافی اس کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔

اس نے سوچا تھا اسے روایتی زندگی نہیں جینی زندگی اسے ساری روایتیں سکھانے پر تل گئی تھی۔

☆☆☆

ثانیہ خاموشی سے گھر واپس آ گئی۔ اور گھر کے معمول میں یوں شامل ہوئی گویا ہمیشہ سے اس کا حصہ ہو۔ آسیہ اس سے بہت کم باتیں کرتیں۔ ارم بھی لیے دیے رہتی۔ توفیق صاحب آتے جاتے حال احوال دریافت کر لیتے۔ عبید کا وہی معمول تھا۔ صبح آفس شام میں ماں باپ کے ساتھ اور رات کو کمرے میں آ کر سو جاتا۔ بس اتنا ہوا کہ اب وہ ثانیہ کو آواز دے کر کام کہہ دیتا تھا۔

"چائے بنا دو۔"

"کھانا لگا دو۔"

"میری شرٹ کہاں ہے؟"

ثانیہ نے بھی عبید کا ہر کام اپنے ذمے لے لیا تھا۔ آفس کی تیاری، ناشتہ، کھانا، پھر ملازمہ کے ساتھ مل کر صفائی ستھرائی۔ ارم اسے مصروف دیکھتی تو دخل دینے کے بجائے کسی اور کام میں لگ جاتی۔ بننا سنورنا نئے نئے کپڑے پہننا۔ وہ سب بھول گئی تھی۔ الماری میں اس کے سارے کپڑے استری شدہ موجود تھے۔

عبید نے مڑ کر دیکھا۔ ثانیہ بیڈ شیٹ بدل رہی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر عبید کی ساری چیزیں موجود تھیں۔

ثانیہ دوسری بیڈ شیٹ نکالنے کے لیے الماری کی طرف آئی۔ عبید نے اپنے کپڑے نکال لیے۔ مگر جگہ نہیں چھوڑی۔

"مجھے بیڈ شیٹ نکالنی ہے۔" ثانیہ کو ٹوکنا پڑا۔

"خیریت تو ہے کچھ دنوں سے تمہارے معمولات بدلے بدلے سے ہیں۔" عبید نے اسے غور سے دیکھا۔ دھلا دھلایا چہرہ۔ بالوں کی سادہ سی چوٹی۔ ہلکی پھلکی جیولری تک غائب تھی۔

ثانیہ نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

www.pklibrary.com

''میرے شوہر پر نہ روپ اثر کرتا ہے۔ نہ معافی، نہ آنسو۔ سوچا خدمت کر کے دیکھ لوں۔''
''اچھی بات ہے۔ حلیہ بھی درست کرلو۔''
وہ کہہ کر جگہ چھوڑ گیا۔
''کس لیے۔'' ثانیہ پلٹی۔ ''میرا شوہر مجھے اس گھر میں مہارانی نہیں۔ نوکرانی کی طرح دیکھنا چاہتا ہے تو ایسے ہی سہی۔''
''میں نے تو مہارانی ہی بنا کر رکھا تھا ثانیہ۔'' عبید کا لہجہ اداس تھا۔
''اب کیا ساری زندگی مجھے میری غلطیوں کی سزا ہی دیتے رہو گے۔'' وہ رو پڑی عبید کو تکلیف ہوئی۔
اس نے کپڑے بیڈ پر ڈال دیے۔ پاس آ کر ثانیہ کے ہاتھ ہٹائے۔ نرمی سے آنسو صاف کیے۔ پھر بازو سے تھام کر بیڈ کے کنارے بیٹھا دیا۔
''وقت آ گیا ہے۔ ہم بیٹھ کر اپنی ترجیحات تیار کر لیں۔''
''ضرورت نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ تمہاری پہلی ترجیح تمہارے گھر والے ہیں۔'' ثانیہ نے ہاتھ کی پشت سے گال صاف کیا۔
وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا اسی کو دیکھ رہا تھا۔
''کوئی پہلی اور دوسری ترجیح نہیں ہوتا۔ میرے لیے تم بھی اہم ہو اور وہ بھی...... لیکن تمہیں سمجھنا ہوگا۔ میں صرف تمہارا شوہر نہیں ہوں بھائی ہوں اور بیٹا بھی۔ یہ لوگ مجھے اتنے ہی پیارے ہیں جتنے تمہارے گھر والے تمہیں ہیں۔''
''میں نے وہ تصویریں نہیں بھیجی تھیں۔ نتاشا نے بھیجی تھیں۔''
عبید ایک لمحے کو خاموش ہوا۔
''تمہیں مجھے اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔''
''یہی غلطی ہوئی۔'' ثانیہ کے لہجے میں ندامت تھی۔ ''مجھے لگا ارم کو دکھ ہوگا بس اسی لیے۔''
''ایک بات کلیئر کرلو۔ ارم وسیم سے محبت نہیں کرتی تھی۔ اور ویسے بھی اس کا رشتہ اتنے اچھے گھر اور اتنے اچھے انسان کے ساتھ ہوا ہے کہ اسے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔''
''مجھے کیا پتا مجھے تو کسی نے اس قابل سمجھا ہی نہیں۔''
وہ سوں سوں کر رہی تھی۔ عبید نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اسے دیا۔
''اس قابل بننا پڑتا ہے ثانیہ۔ کچھ بھی پلیٹ میں رکھ کر نہیں ملتا۔''
''میں کوشش کروں گی۔''
''پہلے رونا تو بند کرو۔ بہت بری شکل ہو رہی ہے۔''
''وہ تو تمہیں میں ویسے ہی بری لگتی ہوں۔ جبھی تو دور دور رہتے ہو۔''
''بس، دور نہ ہوتا تو تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس کیسے ہوا؟'' عبید نے بازو پھیلا کر اسے قریب کیا۔
''مار ڈالتی ہو، میری کمزوری ہاتھ لگ گئی ہے نا......'' ثانیہ نے شاکی نظروں سے عبید کو دیکھا۔ یہ شکایت تو اسے اپنے آپ سے بھی تھی۔
ثانیہ کو عبید کی کمزوری بننا تھا۔ عبید نجانے کب حاوی ہوتا چلا گیا۔
''میں کچھ بھی کرلوں۔ اس گھر میں کبھی میری اہمیت نہیں ہو سکتی۔'' ثانیہ کی شکایتوں کا دفتر کھل گیا۔
''تم کچھ کرو تو سہی۔'' عبید کا لہجہ بدلا۔

www.pklibrary.com

"کیا کروں......؟" وہ کچھ خوب صورت بات سننا چاہتی تھی۔

"ابھی تو ناشتہ بنادو۔ آفس سے لیٹ ہو گیا ہوں......اور جلدی آنا ہے۔"

"بنادیتی ہوں۔" وہ اٹھنا نہیں چاہتی تھی مگر اٹھنا پڑا۔ کتنے دنوں کے بعد تو عبید نے اس سے بات کی تھی۔ عبید بھی کپڑے اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اسے شاور لینا تھا۔

"شام کو ارم کے سسرال والے شادی کی تاریخ لینے آ رہے ہیں۔ امی سے پوچھ لینا کیا انتظام کرنا ہے۔"

عبید کا لہجہ سرسری تھا۔ مگر اگلا مرحلہ یہی تھا کہ ساس بہو کے تعلقات نارمل ہو جائیں۔ ابھی بھی نہیں بتانا تھا۔

وہ دل میں کلستی کچن میں آ گئی۔ جہاں آسیہ توفیق صاحب کا ناشتہ بنا رہی تھیں۔ ثانیہ کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ان سے بات کرے۔ مگر پوچھنا پڑا۔

"مہمانوں نے کتنے بجے آنا ہے آنٹی۔"

آسیہ کا دل چاہا صاف صاف کہہ دیں۔ میری بیٹی کے سسرال والوں اور اس کی خوشیوں سے دور رہو۔ مگر وضع داری آڑے آ گئی۔ تبھی تفصیل بتانے لگیں۔ لیکن اس کے بعد ثانیہ نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ مسلسل ان کے ساتھ کچن میں لگی رہی تھی۔ ارم نے ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر سیٹ کر لیا۔

"کیا پہن رہی ہو۔" ارم وارڈروب کھولے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ مہمانوں کے آنے میں کچھ ہی دیر تھی۔ آسیہ نے کہا وہ تیار ہو جائے کہ ثانیہ چلی آئی۔

"کچھ بھی پہن لوں گی۔ انہوں نے کون سا؟"

"لاؤ میں مدد کرواؤں۔" وہ پاس آ کر بولی تو ارم ایک طرف ہو گئی۔

"تم نے اسے دیکھا ہے۔"

"تصویر دیکھی ہے۔"

"بات نہیں ہوئی۔" ثانیہ مسکرائی۔

"نہیں۔" ارم ایک سوٹ نکال کر دیکھنے لگی۔ اس کا انداز محتاط سا تھا۔ "دل تو چاہتا ہو گا۔"

"ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔" ارم نے خود ہی ایک سوٹ نکال لیا۔

"ویسے یہ سب کچھ جلدی نہیں ہو رہا۔ آناً فاناً رشتہ آنا بات طے ہونا اور اب تاریخ۔ کچھ دیکھ بھال تو کرنی چاہیے تھی اجنبی لوگ ہیں۔"

"ابو نے بات طے کی ہے تو کچھ سوچ کر ہی کی ہو گی۔ میں تیار ہو جاؤں۔"

"ہاں میں انتظام دیکھ لوں۔" ثانیہ چلی گئی۔ تو ارم نے گہری سانس لی۔ وہ اب ثانیہ کی موجودگی میں کمفرٹیبل محسوس نہیں کرتی تھی۔

مہمانوں کو دیکھ کر ایک لمحے کو تو ثانیہ کی آنکھیں ہی کھل گئیں۔

ہاجرہ بیگم پورے طمطراق اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ آئی تھیں ساتھ میں چند قریبی عزیز تھے۔ پھل، مٹھائی، میوہ جات کے ساتھ ارم کے لیے خوب صورت اور قیمتی تحائف بھی تھے۔

ثانیہ کو مایوسی ہوئی۔ اسے تو لگا تھا بس جلد بازی میں کوئی مناسب سا رشتہ دیکھ لیا ہو گا۔ مگر یہاں ہر چیز منہ سے بول رہی تھی۔

"کیا پتا لڑکا کیسا ہو؟" اسے پورا یقین تھا یقیناً لڑکے میں کوئی کمی ہو گی۔ اس کے خیالوں کے درمیان

www.pklibrary.com

ہی دو ماہ بعد کی تاریخ دے دی گئی۔

☆☆☆

فرخ تو وہاں آ نہ سکتا تھا۔ دادی خود ہی ملنے چلی آئیں۔ کمزور ہاتھوں سے پیٹ ڈالا۔ وہ بھی ہنستے ہنستے مار کھاتا رہا۔ پھر کان پکڑ کر معافی مانگنے لگا۔ رابعہ نے دادی کو واپس نہ جانے دیا۔ اصرار کر کے روک لیا۔

سر میں تیل کی مالش کی نہلایا دھلایا۔ گڑیا سی بنا کر پلنگ پر بٹھا لیا۔ فرخ کو نوکری مل گئی تھی۔ واپس آ کر دادی کے پاس لیٹا چہلیں کرتا رہتا۔ گھر سے دور رہ کر گھر والوں کی قدر ہو گئی تھی۔ آصفہ پوتوں میں مگن کبھی کبھار دورہ پڑتا تو رابعہ کے لتے لے لیتیں۔ رابعہ کو ہنس کر ٹالنا آتا تھا۔ سہیل اب بھی فرخ سے کھنچا رہتا تھا۔ فرخ نے نانی سے شکایت کی۔

''بھائی نے ابھی تک مجھے معاف نہیں کیا۔''

''تو کیا تمہارا منہ ماتھا چومے۔'' دادی نے تنک کر کہا۔ ''گھر آنے کی اجازت دے دی اور کیا چاہیے۔ وہ تم نے جو کیا تھا کوئی اور بھائی ہوتا تو۔''

''میں کیا کرتا۔ ثامیہ نے دماغ خراب کر دیا تھا۔'' فرخ شرمندہ ہو کر کان کھجانے لگا۔

''دماغ تو اس کا اب بھی خراب ہے۔ ڈرامے ہی ختم نہیں ہوتے۔ جب دیکھو ناراض ہو کر آئی ہوتی ہے۔'' دادی نے بیزاری سے بتایا۔

''اچھا۔'' فرخ کے کان کھڑے ہوئے۔ اور دادی کی چھٹی حس نے الارم بجایا تو خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگیں۔

''تمہیں کیا؟ اپنی نوکری پر توجہ دے پھر تیرے لیے بھی کوئی دلہن ڈھونڈیں۔''

''مجھے شادی نہیں کرنی۔ لڑکیوں پر اعتبار نہیں رہا۔'' شادی کے نام پر زخم ہرے ہونے لگتے تھے۔

''ساری ایک جیسی تھوڑی ہوتی ہیں۔'' انہوں نے پچکارا۔ ''اپنی رابعہ جیسی ہیرا لڑکی ڈھونڈوں گی۔''

تبھی رابعہ سبزیوں کا سوپ بنا کر لے آئی۔ عقب میں آصفہ دونوں بچوں کو دائیں بائیں لٹکائے آ گئیں۔ فرخ نے لپک کر دونوں کو ان سے لے لیا۔ اس کی جان تھی بھتیجوں میں۔

''اماں ذرا دیکھنا ان کے ماتھے کیسے گول سے ہو رہے ہیں اور سر کتنا لمبا ہے۔'' آصفہ کے اپنے بکھیڑے تھے۔ ان کا بس نہ چلتا دونوں بچوں کو پھر سے گھڑ لیں وہ ''اس کی تو ناک بھی پھینی ہے۔'' دادی نے بغور جائزہ لے کر نیا انکشاف کیا۔ ''لگتا ہے کروٹ کے بل سلاتی ہو۔'' رابعہ کا منہ بے چارہ سا ہو گیا۔ آج اسے سارا دن یہی لیکچر سننا تھا۔ فرخ قہقہہ دباتا پھینی ناک والے کو چومنے لگا۔

''اماں، میں نے سنا ہے۔ وسیم کی تنخواہ بڑھ گئی ہے۔'' رابعہ کے کمرے سے نکلتے ہی آصفہ نے پوچھا۔

''ہاں تو تمہیں کیا، اللہ اس کے نصیب میں کرے۔ تمہارے تو اپنے دونوں کما رہے ہیں۔'' دادی نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ یہاں تو دو دن رہنا تھا۔ واپس تو وہیں جانا تھا۔

''میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا۔'' آصفہ کھسیانی سی ہو گئی۔

☆☆☆

شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئی تھیں۔ ہر روز بازار کے چکر لگتے۔ جہیز کے لیے تو ہاجرہ نے صاف منع کر دیا تھا۔

''جو کچھ گھر میں ہے سب ارم نے ہی برتنا ہے۔ اور گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہی ہے۔'' ''پھر بھی کپڑا،

www.pklibrary.com

بہنوں کا اپنا ماہنامہ
شعاع

اپریل 2024
کے شمارے کی ایک جھلک



اپریل 2024
کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

- "ماہ الملوک" نگہت سیما کا مکمل ناول،
- "والعصر" امتہ العزیز شہزاد کا ناول،
- "دستور وفا" مریم عزیز کا مکمل ناول،
- "محبت میراث میری" سدرہ عبیر کا مکمل ناول،
- قرۃ العین سکندر اور عنبرین ابدال کے ناولٹ،
- ہاجرہ ریحان، نظیر فاطمہ، ملیا سمیون، حنا شاہد اور قرۃ العین سکندر کے افسانے،
- "عید کل اور آج" قارئین سے سروے،
- ڈرامہ رائٹر "ایڈیسن ادریس مسیح" سے ملاقات،
- "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" قارئین کے تجربات،
- "دستک" معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- "پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں" احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع اپریل 2024 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

www.pklibrary.com

لتا، زیور...... دونوں ارم اور آسیہ بازار نکل جاتیں اور پیچھے وہ رہ جاتی۔ جلتی کلستی ہٹ کی ایسی پکی تھی کہ اس دن کے بعد میکے میں جھانکا تک نہیں، نادرہ ہی ایک دوبار چکر لگا گئی تھیں۔ عبید اچانک ہی چلا آیا۔

وہ برآمدے میں بیٹھی پھولوں پر منڈلاتی شہد کی مکھیوں کو دیکھ رہی تھی۔ بے زاری چہرے سے نمایاں تھی۔

''تم اس وقت خیریت طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' وہ اسے اچانک اور بے وقت گھر میں دیکھ کر حیران ہوئی۔

''بس یونہی مجھے لگا کہ جیسے کوئی بہت فارغ بیٹھا مجھے یاد کررہا ہے۔''

''میں اب تمہیں یاد نہیں کرتی۔'' ثانیہ نے ناک چڑھائی۔

''ہاں تم مجھے حفظ کرچکی ہو۔'' عبید نے چند پھول توڑ کر اس کی طرف اچھالے ایک پھول بالوں میں اٹک گیا۔ دوسرے گود میں آگرے۔

''رہنے دو۔ اب ایسی حرکتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' ثانیہ نے ہاتھ مار کر پھول نیچے گرادیے۔

''مانا کہ گرمی شروع ہوگئی ہے۔ اتنے انگارے کیوں چبا رہی ہو۔'' عبید نے اس کے بالوں میں اٹکا پھول نکالا۔

''چھوڑو کھانا کھاؤ گے؟''

''ہوں لیکن باہر۔''

ثانیہ نے کچھ حیران ہوکر عبید کو دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر بولی۔

''گھر میں بنا ہے۔''

''وہ رات کو کھالیں گے۔ اب جلدی سے ریڈی ہوجاؤ۔ تمہیں شاپنگ بھی کروانی ہے۔'' عبید نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کردیا۔

''رہنے دو عبید۔ پتا نہیں گھر والوں نے مجھے شادی میں شامل بھی کرنا ہے یا نہیں...... میں تو ویسے بھی کسی بات میں نہیں ہوں۔ نہ بات طے ہونے میں نہ شاپنگ مجھ سے تو ہر چیز یوں چھپائی جاتی ہے۔ جیسے نظر لگادوں گی۔'' وہ یاسیت سے گویا ہوئی۔

''مسز! میں اس وقت کوئی فالتو بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ بس ریڈی ہوجاؤ۔ تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں۔''

ثانیہ نے بھی عقل کو ہاتھ مارا اور تیزی سے اندر بھاگی۔ عبید بھی مسکرا کر فریش ہونے چلا گیا۔

☆☆☆

''امی! اب بس کریں۔ میرے پیر سوج گئے ہیں۔'' ارم کا بس چلتا تو بیچ مارکیٹ میں بیٹھ جاتی۔ پتا نہیں مائیں اس موقعہ پر تھکتی کیوں نہیں ہے۔ ایک سے ایک بہترین چیز کی تلاش میں انہوں نے پوری مارکیٹ اور مال کھنگال لیا تھا۔ بہت سا سامان انہوں نے توفیق صاحب کے ساتھ گاڑی میں گھر بھجوادیا تھا۔

''ہاں تھک تو میں بھی گئی ہوں۔ چلو باقی کل پر رکھتے ہیں۔'' صد شکر کہ آسیہ مان گئیں۔

''لیکن گھر جانے سے پہلے مجھے کسی اچھی جگہ سے کھانا کھلائیں۔'' ارم نے جھٹ سے فرمائش جڑ دی۔ تبھی آسیہ کا موبائل بجنے لگا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

www.pklibrary.com

زارا ہنجرا

وریشہ کی عیدی

"مجال ہے یہ لڑکی ایک لمحے کو بھی موبائل چھوڑ دے۔ آج آئے اس کا باپ اس کے سامنے ہی توڑوں گی۔" زیب النسا کچن میں سنک کے آگے کھڑی برتنوں کا ڈھیر دھو رہی تھیں۔ ابھی کئی کام ان کے منتظر تھے۔ روزے کی حالت میں اکیلے کام کرنا خاصا دشوار تھا۔ وریشہ کام چور تھی یا خود غرض، جبھی ماں کی حالت پر ترس نہ



www.pklibrary.com

آیا بلکہ جب بھی وہ کام کرنے کو کہتیں وہ پڑھائی کا بہانا کر دیتی۔ اب زیب النسا کو لگتا تھا کہ بچوں کو بچپن سے ہی ایک دائرے میں رکھنا چاہیے۔ ورنہ بڑے ہو کر وہ ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں۔

چند ثانیے کے بعد وریشہ کمرے میں سے نکل کر ماں کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ زیب النسا نے نظر انداز کرتے ہوئے سر جھٹکا۔ جانتی تھیں کوئی غرض ہی لائی ہو گی، ماں کے پاس۔

''پتا ہے آپ کو، ابرش کے سسرال سے کتنی اچھی عیدی آئی ہے اس کی۔''

انہیں اس کا للچاتا انداز، ندیدہ پن سخت برا لگتا تھا۔

''یہ دیکھیں، اس نے اسٹیٹس لگایا ہے۔ کیا بتاؤں امی، برانڈڈ کپڑے جوتے، جیولری، چوڑیاں، مہندی، مٹھائیاں، پھل، میک اپ کا سامان اور نہ جانے کیا کیا۔''

وہ ایسے خوش ہو رہی تھی جیسے عیدی ابرش کی نہیں اس کی آئی ہو۔

''جاؤ جاؤ بی بی میرا سر نہ کھاؤ۔'' وہ تلملا گئیں۔

''ایسی بے شرم اولاد ہے اتنا نہیں کہ ماں کا ہاتھ بٹا دے، لگی مجھے قصے کہانیاں سنانے۔''

مگر وریشہ انتہائی ڈھیٹ بنی اپنے سلکی بالوں سے کھیلتی، وہیں کھڑی مسلسل دانت نکال رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا اس کے ذہن میں کوئی بات چل رہی تھی۔

''میں بھی عمر سے پوچھتی ہوں، وہ لوگ کب میری عیدی لا رہے ہیں۔''

''اوہ، تو ابرش کی عیدی کا قصہ بلاوجہ نہیں سنایا جا رہا تھا۔'' وہ گلاس پٹخ کر مڑیں۔

''خبردار تم نے عمر سے ایسی کوئی فضول بات کی۔''

انہوں نے سختی سے تنبیہ کی۔

''ارے امی! آج انیسواں روزہ ہو گیا ہے، ان لوگوں کی طرف سے کوئی خیر خبر نہیں۔'' اس نے منہ بنایا۔

''ان کے ہاں عیدی کا رواج نہیں۔'' زیب النسا نے نہایت سکون سے کہہ کر وریشہ کا سارا سکون غارت کر دیا۔

''کک کیا؟ یہ کس نے کہا آپ سے؟'' وہ گرتے گرتے بچی۔

''کس نے کہنا ہے مجھے اللہ نے عقل دی ہے، اسی کو استعمال کر کے نتیجہ اخذ کیا ہے میں نے۔'' وہ دھلے برتن اب ٹوکری میں رکھ رہی تھیں۔

''ایسے کیسے نتیجہ اخذ کر لیا آپ نے۔'' وہ ماں کے مقابل کھڑی ہو گئی۔

''دیکھو وریشہ! عمر کے ابا کی چھوٹی سی دکان ہے اور عمر کو کام پر جاتے دس دن نہیں ہوئے، گھر کا دال دلیہ پورا ہونا دشوار ہو گیا ہے آج کل، اوپر کے خرچوں کی گنجائش نہیں ان کے پاس۔''

''تو کیوں اتنے غریب گھر میں رشتہ کیا تھا میرا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''غریب گھر کا رشتہ ہونہہ، اس کے لیے کسی سیشن جج کے گھر سے رشتہ آنا چاہیے تھا۔'' وہ سر جھٹکتی باہر نکل گئیں۔

''لیکن میں عمر سے بات کروں گی۔'' وہ پیر پٹختی پیچھے آئی۔

زیب النسا نے اسے سخت گھوری سے نوازا۔

''میری دوستوں میں میری کیا عزت رہے گی امی!'' وہ منمنائی۔

''تمہیں بات سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی۔ اگر انہوں نے عیدی لانی ہو گی تو لے آئیں گے ورنہ ہم انہیں خود سے کیوں کہیں گے۔ اس لیے اب اپنی زبان کو لگام دو اور چلو میرے ساتھ یہ کپڑے دھلواؤ۔''

☆☆☆

وریشہ نے ماں کی نہ مانی، اپنی من مانی کی اور عمر کو مجبور کیا کہ وہ اپنے گھر والوں کے ہمراہ عیدی لے کر آئے۔ اس نے دو گھروں کو مصیبت میں ڈال دیا

www.pklibrary.com

تھا، عمر کو چیزوں کی ایک طویل فہرست بھیجی تھی۔ اسے اس کی عیدی مانگنے والی بات سخت بری لگی تھی لیکن یہ تو اس کی ماں کا سجھاؤ تھا کہ انہوں نے اسے، وریشہ کی بچکانہ حرکت سمجھ کر کوئی اعتراض نہ اٹھایا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ وریشہ کی امی کی دور پرے کی رشتہ دار تھیں ورنہ وریشہ کو اس کا منہ کھولنا مہنگا بھی پڑ سکتا تھا۔ لیکن اب مہنگا تو زیب النسا کو پڑ گیا تھا محدود آمدنی، جہاں کئی ضرورتوں کو بھی نظر انداز کیا جاتا تھا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اچھا خاصا خرچا کروا دیا تھا۔ ان کی نالائق اولاد نے۔

انہوں نے کتنا سمجھایا تھا کہ ”چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں۔“ مگر وریشہ نے اپنی من مانی کرتے ہوئے طویل فہرست باپ کو تھما دی تھی اور اب دونوں ماں بیٹی کچن میں جتی ہوئی تھیں۔

افطاری سے کچھ پہلے ہی وہ لوگ پہنچے تھے۔ وریشہ کے تو مانو سر پر لگی تلووں پر بجھی۔ چند عام سے تھیلے جن کے اندر کچھ سامان تھا وہ یقیناً عام سے سستے بازار سے خریدا گیا تھا۔ زیب النسا نے اسے جلدی جلدی دسترخوان لگانے کا کہا۔

”زیب بہن، اتنا تکلف کیوں کیا آپ نے۔“

عمر کی امی دسترخوان پر نت نئی چیزیں دیکھ کر پریشان سی ہو گئیں۔ انہیں خوب اندازہ تھا کہ اس سب کے پیچھے —— کتنا خرچا آیا ہوگا۔

”آنٹی، میں نے وریشہ کو صاف منع کیا تھا کہ ہم افطاری کے وقت نہیں آئیں گے۔ مگر اس نے بہت مجبور کیا مجھے اور پھر میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ یہ کوئی تکلف نہیں کرے گی۔“ زیب النسا نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو شاید اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

”کوئی بات نہیں۔ یہ سب تو کرنا پڑتا ہے۔“

انہوں نے محبت سے کہا۔

”نہیں زیب بہن، یہ سب کیوں کرنا پڑتا ہے۔ اگر اپنوں نے ایک دوسرے کو نہیں سمجھنا تو پھر اپنوں کے اپنے پن کا کیا فائدہ آئندہ، میں یہ بھی برداشت نہیں کروں گی۔“ عمر کی امی واقعی افسردہ تھیں وہ جانتی تھیں کہ وریشہ نے ماں کو مجبور کیا ہوگا۔

”دیکھو وریشہ! جو رشتے دکھاوے کی بھینٹ چڑھ جائیں وہ کمزور ہو جاتے ہیں۔“

انہوں نے محبت سے اسے سمجھایا۔ وریشہ کی عیدی میں سستا سالان کا سوٹ، چوڑیاں، مہندی، جیولری اور مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ وہ اسٹیٹس لگانے کی خواہش، سہیلیوں میں گردن اکڑا کر چلنے کا خواب، ابرش کو نیچا دکھانے کی آرزو سب خاک میں مل گئی۔

ابرش اس کی کلاس فیلو تھی، جو پوری کلاس میں اپنی امارات کا رعب جھاڑتی تھی۔ ”کہاں وہ اور کہاں میں۔“ اس کی عیدی اس کے بیڈ پر پڑی اس کا منہ چڑا رہی تھی اور وہ دکھ واذیت کی کیفیت میں تھی۔ تب ہی موبائل پر میسج کی بیپ بجی اس نے مرے دل سے اپنا فون اٹھایا۔

اس کی سہیلی عریشہ کا واٹس ایپ پیغام تھا۔ عریشہ بڑے جذباتی انداز میں بتا رہی تھی۔

”کچھ سنا! ابرش کی منگنی ٹوٹ گئی۔ بقرعید پر اس کی شادی ہونی تھی یار! بڑے ہی کوئی گھٹیا قسم کے لوگ تھے پہلے تو جہیز کی لمبی لسٹ پکڑا دی اور پھر گاڑی کی فرمائش۔ میں تو کہتی ہوں کہ۔“

عریشہ بولے جا رہی تھی اور وریشہ کی آنکھیں جھلمل کر رہی تھیں۔

”جو رشتے دکھاوے کی بھینٹ چڑھ جائیں وہ کمزور ہو جاتے ہیں۔“ عمر کی امی کی بات بازگشت بن کر گونج رہی تھی۔ اس نے لپک کر اپنی عیدی کا جوڑا اٹھایا اور اسے اپنی آنکھوں سے لگایا۔ ”میری عیدی تو سب سے بیسٹ ہے۔“ وہ مسکرا دی تھی۔

☆☆

www.pklibrary.com

ملیا سمیون

کاکی

''خالہ ساجدہ کے شوہر نے دوسری شادی کرلی۔''

جس نے بھی سنا انگلیاں دانتوں تلے داب لیں۔ خالہ ساجدہ جیسی خوب صورت اور وفا شعار بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری عورت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی بھلا۔

خالہ ساجدہ خوب گوری چٹی تھیں۔ ان کی تینوں بیٹیوں نے ان کا ہی رنگ روپ چرایا تھا۔ خالہ ساجدہ بے حد نفیس اور دھیمے مزاج کی خاتون تھیں۔ صفائی پسند اتنی کہ سارا گھر شیشے کی طرح چمکا رکھا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ہنر تھا، سارے محلے کی عورتیں ان سے ہی کپڑے سلائی کرواتیں۔ انہوں نے منظور صاحب کو ہر سکھ دیا تھا، نہ دے سکیں تو اولاد نرینہ بس اسی کمی کو جواز بنا کر وہ رانی کو بیاہ لائے۔

رانی، پکے رنگ کی بھاری بھرکم عورت آتشی گلابی موتیوں ستاروں والے سوٹ میں عجیب مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔

شریکوں کے دلوں میں ٹھنڈ پڑ گئی۔ سارا محلہ پرسہ دینے آیا۔ ہمدردی کی آڑ میں خوب نمک پاشی کی گئی۔ ساجدہ خالہ کا دل خوب برا ہوا۔ وہ اپنا سامان لے کر اوپر والے پورشن میں منتقل ہو گئیں، منظور صاحب نے معافی تلافی کی کوشش کی مگر ساجدہ خالہ کا قلق ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ منظور صاحب ماہانہ راشن دروازے پہ رکھ کر لوٹ آتے۔

وقت کا پہیہ چلتا رہا۔

☆☆☆

ان کو اپنے اکلوتے بھانجے ہاشم سے قلبی لگاؤ تھا۔ بڑی بیٹی نازش کے لیے انہوں نے ہاشم کو سوچ رکھا تھا پھر ہاشم ان کی عزت بھی بہت کرتا تھا۔ ان کی زندگی میں بیٹے کی کمی پوری ہو جاتی مگر نازش نے اپنی پسند بتا کر، انہیں صدمے سے دوچار کر دیا بہرکیف انہوں نے عزت سے نازش کو اس کی پسند کے لڑکے سے بیاہ دیا۔

ان ہی دنوں میں رانی نے ایک بچی کو جنم دیا اور خود زچگی میں کسی پیچیدگی کے باعث خالق حقیقی سے جا ملی۔ ساجدہ نے دنیا دکھاوے کے لیے چند آنسو بہا کر رسم نبھائی اور اپنی راہ لی۔ اس روتی بلکتی ننھی جان سے ان کو خواہ مخواہ کی بیزاری اور نفرت محسوس ہوئی۔ منظور صاحب نے ''کاکی'' کو سنبھالنے کے لیے جز وقتی آیا رکھ لی۔

ان کی زندگیوں میں اصل بھونچال تب آیا جب منظور صاحب روڈ کراس کرتے ہوئے ایک ٹرک سے ٹکرا کر موقع پر ہی دم توڑ گئے، دل میں بھاری بوجھ لیے اس دنیا سے چلے گئے۔

ساجدہ کو پچھتاوں کے ناگ اندر ہی اندر ڈسنے لگے گزشتہ چند برسوں میں کئی بار منظور صاحب ان کے دروازے سے ناامید لوٹے تھے۔ انہوں نے اپنی خطا سے بڑھ کر سزا پائی تھی، کاکی کا واحد رشتہ ساجدہ ہی تھیں۔ ساجدہ کو طوعاً کرہاً کاکی کو اپنے ساتھ رکھنا پڑا۔ کاکی ہو بہو اپنی ماں کی کاپی تھی۔ اس کی طرح سیاہ رنگت اور بھدے نقوش مگر اس کا دل اتنا ہی اجلا اور شفاف تھا۔

اس کے والد نے اسے یہی بتایا تھا کہ اس کی ماں اور بڑی بہنیں کسی وجہ سے ناراض ہو کر اوپر شفٹ

www.pklibrary.com



pklibrary.com

www.pklibrary.com

ہوگئی ہیں اور اس نے یقین کرلیا تھا۔ بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی باتیں وہ خود سمجھ گئی تھی۔

اب اس کا مقصد اپنی خدمت سے ان کے دل جیتنا تھا مگر ساجدہ نے سالوں پہلے اپنی نرم دلی کو سنگ دلی میں بدل لیا تھا۔

کاکی اگر پانی پینے کے لیے گلاس کو بھی ہاتھ لگاتی تو ساجدہ اس گلاس کو دس بار دھوتیں کاکی بے چاری اپنے ہی گھر میں ڈری سہی رہتی۔ اس کا بہت دل چاہتا کہ ساجدہ اسے بھی ہادیہ اور فاریہ کی طرح غلطی کرنے پر ڈانٹیں کھانا بنانا سکھائیں اور دوسری نصیحتیں جو وہ وقتاً فوقتاً ہادیہ اور فاریہ کو کرتی رہتیں۔

وہ اگر ہادیہ اور فاریہ کے کمرے میں جا کر ان سے گھلنے ملنے کی کوشش کرتی وہ دونوں اسے بری طرح جھڑک دیتیں۔

"اٹھو ادھر سے بیڈ شیٹ خراب ہو جائے گی۔"

سفید بیڈ شیٹ پر بیٹھے بیٹھے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرہ مزید تاریک پڑ گیا۔

کیا دنیا کے سارے خوب صورت لوگ اتنے ہی مغرور ہوتے ہیں؟ کیا دنیا کے سارے بد صورت انسانوں کے ساتھ اسی طرح امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ وہ بیٹھ کر سوچتی رہتی۔

ہادیہ اور فاریہ دونوں جاب کرتی تھیں۔ کچن کے کام ساجدہ خود ہی کرتی تھیں۔ اس دن ساجدہ کے سر میں شدید درد شروع ہو گیا۔ وہ پین کلر کھا کر سو گئیں۔ سہ پہر اٹھ کر کچن میں آئیں تو کاکی کھانا بنا رہی تھی۔ اشتعال کی شدید لہر نے ساجدہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، فشار خون بلند ہوتا گیا وہ بولتی رہیں

اور کاکی آنسو بہاتی رہی۔

یہ کس کتاب میں درج ہے کہ مجرموں کی اولاد سے نفرت کرو اس کے والدین نے تو کوئی جرم بھی نہ کیا تھا۔ مگر نفرت ہو یا محبت ان کے پیچھے کوئی وجہ یا

لا جک نہیں ہوتی۔

ہادیہ اور فاریہ کے بالوں میں چاندی اتر رہی تھی مگر وہ شادی کے معاملے کو بلاوجہ طول دے رہی تھیں۔ ادھر نازش کے بچے جوان ہو رہے تھے مگر ہاشم نے ابھی تک شادی نہ کی تھی۔ ہاشم کی آمد ایک خوش گوار جھونکے کی طرح تھی۔ ساجدہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ نازش کی شادی کے بعد وہ بیرون ملک ایسا گیا کہ پلٹ کر خبر ہی نہ لی، اب پندرہ برس بعد لوٹا تو بہت کچھ بدل چکا تھا۔

ساجدہ کو ہاشم سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کو ہادیہ کے متعلق سوچے بیٹھی تھیں مگر ہادیہ جلد ہی ان کے ارادے بھانپ گئی، ان کے کچھ کہنے سے قبل ہی اس نے اپنے کولیگ سے کورٹ میرج کرلی۔

"تم مجھے بتاتیں تو سہی...... نازش نے بھی اپنی پسند سے کی تھی...... تمہاری بھی کر دیتی۔" وہ رو پڑیں۔

"گستاخی معاف امی جان! مگر آپ کو اپنے بھانجے سے اس قدر محبت ہے کہ اس کا "عیب" نظر ہی نہیں آتا جبکہ میں اپنی طرح خوب صورت ہم سفر چاہتی تھی۔ میں نے جس آئیڈیل کے چکر میں اتنے سال ضائع کیے وہ آئیڈیل ہاشم بھائی ہرگز نہیں ہو سکتے۔"

ان کی بیٹی کتنی خود غرض اور سفاک تھی؟ انہیں آج اندازہ ہوا۔

ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ اپنا ہنر اپنی بیٹیوں میں منتقل کریں مگر ان کی تینوں بیٹیوں کو سلائی کڑھائی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس دن وہ کوئی پرانے ڈیزائن نکال کر دیکھ رہی تھیں۔ جب کاکی ان کے پاس آ بیٹھی۔

"آپ مجھے بھی یہ سب سکھا دیں پلیز!"

ساجدہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ جب بھی ان سے مخاطب ہوتی ایسے ہر بار منہ کی کھانی پڑتی تھی مگر پھر بھی وہ باز نہیں آتی تھی۔ ساجدہ اپنی چیزیں

www.pklibrary.com

سمیٹ کر اٹھیں اور تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگیں۔ اسی سے ان کا پیر ایسا پھسلا کہ وہ خود بھی پھسلتی چلی گئیں۔ دایاں پیر فریکچر ہوا تھا۔ ڈاکٹرز نے مکمل بیڈ ریسٹ کا کہہ دیا۔

نازش اور ہادیہ مہمانوں کی طرح آتیں اور تھوڑی دیر میں چلی جاتیں۔ فاریہ نے آفس سے چند دن کی چھٹیاں لیں مگر چھٹیاں ختم ہوتے ہی، اس نے ساجدہ کی طرف سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اب ساجدہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی کاکی کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ وہ سارا دن ان کی خدمت میں جتی رہتی۔ نت نئے سوپ بنا کر پلاتی۔ روز ایکسرسائز کرواتی۔ ہاشم بھی روز چکر لگاتا۔

"خالہ جان! آج میں آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔" ہاشم کا سنجیدہ انداز دیکھ کر ساجدہ پریشان ہوگئیں۔

"میں آپ سے آپ کی سب سے پیاری بیٹی کا ہاتھ مانگنے آیا ہوں پلیز مجھے مایوس مت لوٹائیے گا۔"

"ہاشم! تم مجھے بہت عزیز ہو مگر فاریہ سے پوچھے بغیر میں کوئی حتمی جواب دینے سے قاصر ہوں۔" وہ سنبھل کر گویا ہوئیں۔

"جی...... آپ فاریہ سے بھی پوچھ لیں۔ بہن ہونے کے ناتے اس کا بھی حق بنتا ہے مگر جس کی زندگی کا فیصلہ ہونے جارہا ہے اس کی مرضی بھی ضروری جان لیجیے گا۔"

ساجدہ نے ناسمجھی سے دیکھا۔

"کاکی...... آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی......"

ہاشم نے ان کی غلط فہمی دور کی ساجدہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ نگاہیں بے اختیار کچن کی کھڑکی کی سمت اٹھیں جہاں کاکی ساری بات سے بے خبر کھانا بنارہی تھی۔

"جتنا میں نے دنیا کو دیکھا پرکھا...... میرا نظریہ ہے کہ حسن پرستی گناہ ہے اور حسن کے خطرات سے آگہی عقل کا پہلا زینہ ہے۔ میں ہر انسان کا ظاہر نہیں باطن دیکھتا ہوں۔ میں نے کاکی جیسی پیاری اور نیک لڑکی کہیں نہیں دیکھی۔ وہ مجھے میرا عیب نہیں جتلائے گی۔ گستاخی معاف مگر فاریہ سے شادی کے بعد میرا حال بھی منظور خالو جیسا ہوگا۔ اسی لیے میں نے یہ فیصلہ کیا۔"

اس نے انگشت شہادت اپنی دائیں آنکھ پر پھیری جو ایک حادثے میں چلی گئی تھی۔ اس حادثے نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ وہ بھی لڑکیوں کا ہاٹ ٹاپک ہوا کرتا تھا مگر اب......

منظور صاحب کے نام پر ساجدہ کو بہت کچھ یاد آگیا تھا۔

وہ اپنی خوب صورتی کے زعم میں جتلایا بات بے منظور صاحب کو ان کی کم روئی کا طعنہ دیتی تھیں۔ ان کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر وہ دوسری بیوی لے آئے تھے۔

ٹپ ٹپ گرتے آنسو ان کے گال بھگونے لگے۔ اسی لمحے ایک سیاہ ہاتھ آگے بڑھا اور ساجدہ کے آنسو پونچھ ڈالے۔

"مت روئیں پلیز!" وہ مضطرب تھی۔

ساجدہ کو زندگی میں پہلی بار کاکی سے نفرت اور اپنی حسن پرستی گناہ لگی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر کاکی کو گلے لگالیا۔ اب دونوں رو رہی تھیں۔

☆☆



www.pklibrary.com

نعیمہ ناز

ایک خواب سہانا

ایک خواب تھا سنہرا جو ٹوٹ گیا
جب سے اس کا بھائی مجھے کوٹ گیا

ویورز ، یہ ہے کہانی میری حسرتوں کی ، آرزوؤں کی ، خواہشوں کی ٹوٹے ہوئے خوابوں اور بوسیدہ اوراق سے کبابوں......

''کبابوں کی؟'' چاکلیٹی ہیرو نے اپنی چنی منی آنکھیں پھاڑ کے اسکرین پہ لکھے لفظ کو غور سے دیکھا۔

''کتابوں، لکھا ہے، بے وقوف! بالکل ہی ڈفر ہو۔ اپنی عقل استعمال نہیں کر سکتے؟''

''کتابوں نہیں، کبابوں'' لکھا ہے یہ دیکھو، اپنی آنکھیں استعمال کر کے۔'' چاکلیٹی ہیرو نے موبائل اسکرین، بین کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔

''ہاں ہاں، لکھ دیا ہوگا غلطی سے، یہ لکھنے کے بعد مجھے ''چائینیز گولا کباب'' بنانے تھے نا تو وہی چل رہا تھا ذہن میں، بائی مسٹیک وہی لکھ دیا۔'' پریا رانی نے اپنی غلطی تسلیم کی۔

''اچھا ہوا میں لائیو نہیں جا رہا تھا۔ سب نے میمز بنا دینی تھی میری۔'' چاکلیٹی نے اپنے گھونسلا ہیئر اسٹائل پہ ایک اسٹائل سے ہاتھ پھیرا۔

''ہاں بڑا آیا تو وحید مراد، منہ نہ متھا، ایویں جی گھتم گھتا۔'' میتھی کے پتے چنتے ہوئے دادی نے اسے لتاڑا۔

''یہ کون سا ہیرو ہے؟'' چاکلیٹی نے بھنویں اچکا کے بین کو دیکھا۔

''کیسا سوال کر دیا ہے چاکلیٹی؟ دادا جی کا ہارٹ فیل کروائے گا تو وحید مراد کو نہیں جانتا؟ یوں سمجھ اپنے دور کا فواد خان۔'' بجلی باجی نے متانت سے سمجھایا۔

''بڑے میاں کا ہارٹ فیل اس لیے نہیں ہوگا کہ تو وحید مراد کو نہیں جانتا۔ بلکہ اس لیے کہ تو اسے فواد خان سے ملا رہی ہے۔ ارے اپنے وحید مراد کے آگے تو فلمی دنیا کا ہر ''خان'' پانی بھرتا ہے۔ کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی۔''

دادی نے چمک کر جواب دیا۔ میتھی سے فارغ ہو کر وہ اب آلو کاٹ رہی تھیں۔

''دادی کب تک پچاس ساٹھ سال پہلے کی دنیا میں رہو گی؟ تب کے ہیرو، ہیروئن آج پر دادا، پردادی بن گئے ہیں۔'' چاکلیٹی نے برا سا منہ بنا کر بوڑھی دادی کو دیکھا جو آج اس عمر میں بھی نا صرف پھرتیلی تھیں بلکہ بڑی شوقین مزاج بھی تھیں۔ اپنے بڑے میاں یعنی دادا کی طرح۔

''نہ تو کیا ہوا، تمہارے آج کل کے ہیرو سے تو اچھے ہیں جو دادا، نانا بننے کی عمر میں بھی ہیرو آ رہے ہیں۔''

''اسے فٹ نیس کہتے ہیں اور گڈ لک بھی۔''

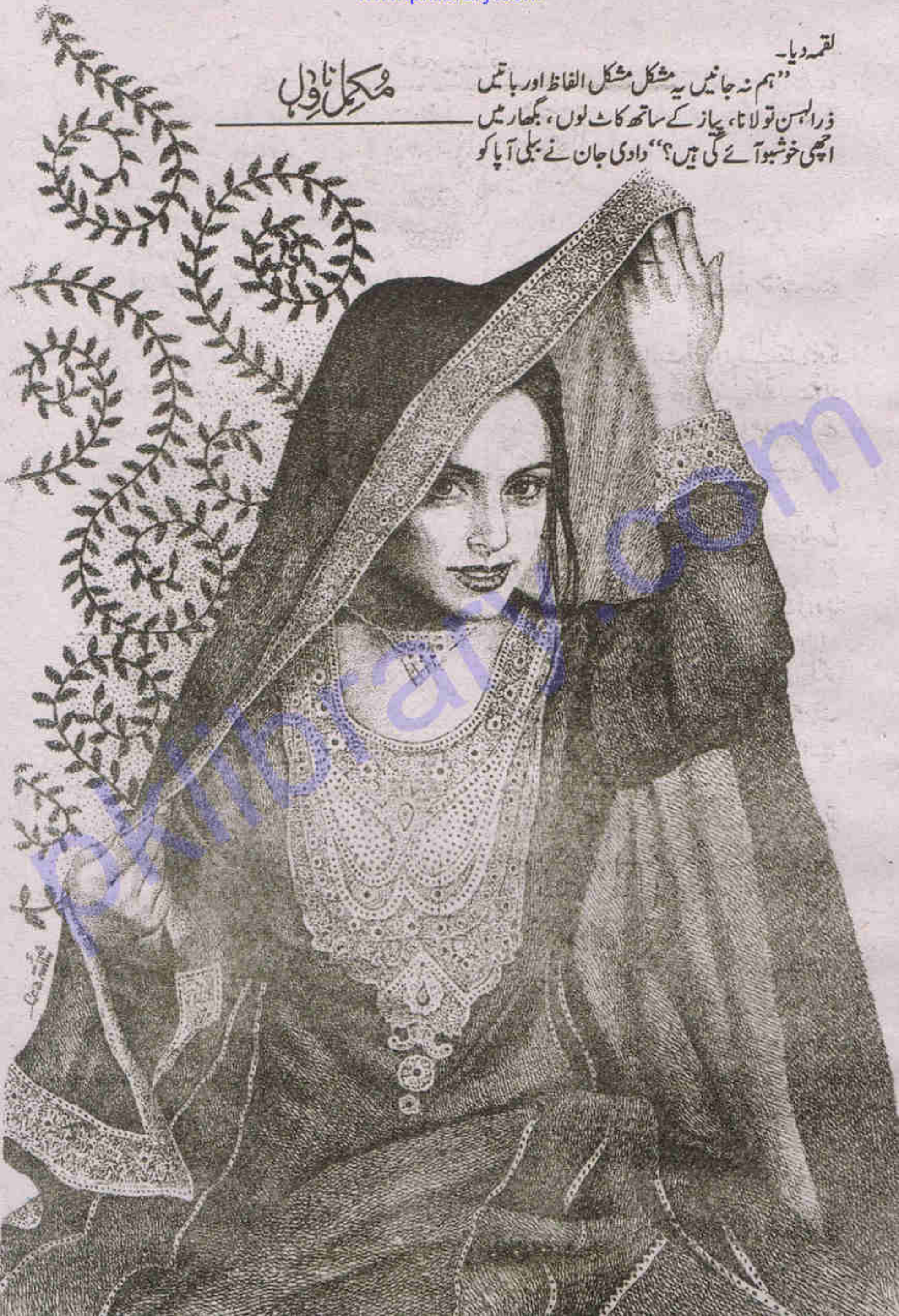
''اسے تم جیسے اتاولوں کی بے وقوفی کہتے ہیں بھلا بتاؤ، تمہارا کوئی بھی ہیرو چالیس پچاس سے کم کا ہے ہی نہیں بلکہ اوپر ہی ہے۔ بیس سال پہلے کی ہیروئن تو ماں کا کردار ادا کر رہی ہے اور تب کا جوان ہیرو، بڑھاپے میں بھی ہیرو ہی ہے۔ سچ کہتی تھیں اللہ بخشے ہماری مرحومہ اماں یہ دنیا مردوں کی ہے۔''

''ارے دادی، یہ کیا کہہ دیا جتنی بھی فیمینسٹ ہیں۔ آپ کو سر آنکھوں پہ بٹھائیں گی۔'' بجلی آپا نے

www.pklibrary.com

مکمل ناول

لقمہ دیا۔
"ہم نہ جانیں یہ مشکل الفاظ اور باتیں ذرا لہسن تو لانا، پیاز کے ساتھ کاٹ لوں، بگھار میں اچھی خوشبو آئے گی ہیں؟" دادی جان نے بلی آپا کو



pklibrary.com

www.pklibrary.com

فیمینٹ کے ساتھ لہسن پیاز میں لپیٹ دیا۔

دستر خوان پہ آلو میتھی کی سبزی اور لہسن مرچ کی چٹنی تھی۔ گھر میں ایک وقت میں ایک پکوان کا رواج تھا۔ کھانا ہے تو یہی ہے۔ نہیں کھانا تو بھی یہی ہے۔ مگر ایسی صورت حال میں اب ہر کوئی اپنا اپنا بندوبست کر لیتا تھا۔

"میں برگر لینے جا رہا ہوں۔ کسی کو منگوانا ہے تو اپنے پیسے دے دے۔"

چاکلیٹی کے اعلان سے دادی کی تیوریاں چڑھ جاتیں اور دادا کے منہ میں پانی آ جاتا۔

"ایک آدھ میرے لیے بھی پکڑ لیو، ہری چٹنی ڈلوانا اور ذرا زیادہ۔" کن انکھیوں سے بیگم صاحبہ کو دیکھتے ہوئے بولے جاتے۔

"سبزی تو تم سب کے منہ میں کاٹتے ہے۔"

دادی کو پتنگے لگ جاتے جب بڑے میاں بھی آلو میتھی چھوڑ کر، برگر کی تمنا کریں تو وہ کس منہ سے بچوں کو سبزی کھانے کی نصیحت کریں؟

"بڑھاپے میں دماغ چل گیا تمہارا، چٹنیاں ڈال ڈال کے برگر کھاؤ گے اور رات بھر ہائے ہائے کرنا اور میری نیند خراب کرنا۔"

دادی کتنا ہی کیوں جھکتی رہتیں، دادا سمیت ہر کوئی کان لپیٹ لیتا۔

"نہ کھاؤ کل انہیں آٹے میں گوندھ کر پراٹھے کھلاؤں گی۔" ان کی دھمکی کسی کو برگر کھانے سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ البتہ پریارانی کی دلچسپی عود آتی۔

"دادی، پراٹھے بنانے سے پہلے مجھے بتایئے گا۔ میں شوٹ کروں گی بچے ہوئے کھانوں سے دوسرے مزے دار پکوان بنائیں۔"

"بڑی بی کی لیپا پوتی کر دینا پوتی صاحبہ، ورنہ کون دیکھے گا؟"

دادا کی پھلجڑی پر دادی کا جلال پھر دیکھنے لائق تھا۔

"اور تم جو اپنے پوتے کے ساتھ ویڈیوز بناتے ہو، پوتا چاکلیٹی ہیرو دادا بھرو جوان، شرم تو نہ آئے تمہیں، سینگ کٹا کے بچھڑوں میں شامل ہونا، بڈھے لبوسہ، دماغ بھوسہ۔"

دادی کے غیض وغضب سے بچنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ خود کو ان کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا جائے۔ اور سب یہی کرتے تھے۔ ادھر ادھر ہو جاتے فقط ایک دادا رہ جاتے جو بڑے شوق اور دل سے دادی کا سامنا کرتے۔ بلکہ وقفے وقفے سے کوئی نہ کوئی پھلجھڑی چھوڑ کر، دھیمی ہوتی آگ کو پھر ہوا دے دیتے۔ دادی جب بولتے بولتے اور انہیں سناتے سناتے تھک جاتیں تو دادا بڑی ملائمت سے گویا ہوتے۔

"ناحق اتنا غصہ کرتی ہو، بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا۔ بیمار پڑ جاؤ گی۔ میں مسکین بڈھا ہی کام کرتا ہوں پھر اور تو کوئی تیمارداری کرتا نہیں تمہاری۔"

اور دادی کی نگاہیں ایسی ہوتیں کہ بس کچا ہی چبا جائیں تب دادا بھی خاموشی سے اپنا منہ موبائل میں گھسیڑ لیتے۔

☆☆☆

دسمبر کی فسوں خیز راتیں اور جنوری کے سرد، برفیلے دن بیت گئے۔ خزاں آلود پیڑ پودے استقبال بہار کے تصور سے بڑی دل فریب انگڑائیاں لینے لگے۔ درختوں کی خاکی ٹہنیوں میں کونپلیں پھوٹنے کے آثار نمودار ہونے کو تھے۔ جب فیضی بھائی کی آمد ہوئی۔

گھنگھریالے بالوں والے فیضی بھائی، جن کی آنکھیں ذہانت اور شرارت کا امتزاج تھیں۔ اگرچہ ان کا رنگ قدرے سانولا بلکہ سیاہی مائل ہی تھا پھر بھی وہ بڑے پرکشش لگتے تھے دیکھنے میں ہنستے مسکراتے تو اچھے لگتے تھے اور جب اپنے خوب صورت لب ولہجے میں کوئی بات کرتے تو بہت ہی

www.pklibrary.com

اچھے لگتے تھے۔ انہوں نے آنے سے پہلے فون کیا تھا۔ دادا، دادی سے لمبی چوڑی گفت و شنید کر کے پھر اس گھر میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔

وہ پہلے بھی آئے تھے یہاں اور کئی ماہ قیام کر کے گئے تھے۔ جب وہ میٹرک کے طالب علم تھے اور آج وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے ایک فرم میں نوکری کر رہے تھے۔ اگرچہ اس درمیانی وقفے میں وہ کبھی کبھی ملنے آتے تھے مگر قیام کرنے اس بار آئے تھے۔ چاکلیٹی اور پریارانی کے پاس ساری معلومات تھیں جو وہ بلی آپا کے گوش گزار کر رہے تھے۔

''فیض بھائی اپنے امی، ابو سے جھگڑ کر آئے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ آئے۔'' چاکلیٹی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بجائے پھیلنے کے اور چیاں سی ہو گئیں۔

''اپنی فیملی کو کوئی نہیں چھوڑتا، بے وقوف یہ لڑائی جھگڑے وقتی ہوتے ہیں۔ صلح صفائی ہو جائے گی۔ پھر سب مل جائیں گے۔'' بلی آپا نے سمجھایا۔

''پتا نہیں، فیضی بھائی تو بہت غصہ میں تھے۔'' پریا نے کندھے اچکائے پھر معاً اسے کچھ یاد آیا۔

''آج تو کچھ ڈھنگ کا پکے گا گھر میں؟ مہمان آئے ہیں وہ بھی دادی جان کے فیورٹ، خدا کے واسطے گھاس پھونس اور دال کا لنگر نہیں پکا لینا۔''

''شرم کرو اور شکر کرو اپنے گھر میں محفوظ بیٹھے ہو اللہ کی نعمتیں کھا پی رہے ہو۔ غزہ کی ویڈیوز دیکھی ہیں؟ پانی سے روٹی کھا رہے ہیں اور کسی کسی کو وہ بھی میسر نہیں ہیں۔ اپنا چٹور پن اور ناشکرا پن کم کرو۔'' بلی آپا کے لتاڑنے پر دونوں کھسیانے ہو گئے۔

فیض بھائی کے ابو، دادی کے بھتیجے تھے اور امی دادا کی بھانجی تھیں اور دادا، دادی خود بھی آپس میں خالہ زاد تھے، سب کے رشتے آپس میں سویوں کی طرح ایک دوسرے میں الجھے ہوئے تھے۔

دستر خوان بچھا کر پریا کھانا چننے لگی۔ مٹر پلاؤ، شامی کباب، چکن اچاری، سلاد، رائتہ اور میٹھے میں گڑ کے چاول، جس میں مہمان خصوصی کے لیے بادام، کشمش اور کھوپرے کی کثیر مقدار ڈالی گئی تھی۔

بلی آپا کچن میں تھیں۔ کھانا ڈشوں میں نکال کر پریا کو دے رہی تھیں۔ ویسے مدد کے لیے تو چاکلیٹی بھی آیا تھا۔ مگر اس کی دلچسپی شامی کباب اچکنے اور میٹھے چاولوں میں سے میوہ چننے تک تھی۔

یہ دونوں تو ملے نہیں البتہ بلی آپا نے ہاتھوں پہ جو کفگیر مارے، انہیں ہی کھا کر کچن سے لوٹنا پڑا۔

دستر خوان پہ پلیٹوں اور چمچوں اور دیگر برتنوں کی کھنکھناہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی۔ فیضی بھائی غیر معمولی طور پہ خاموش تھے۔ دادا دادی بھی کسی تفکر میں ڈوبے کھانا کھا رہے تھے۔ بلی آپا تو یوں بھی بہت زیادہ بولنے کی شوقین نہیں تھیں۔ پریا اور چاکلیٹی کے منہ بھی فقط کھانے کے لیے ہی کھل رہے تھے۔

کھانے کے بعد بلی آپا نے فیضی بھائی کو چائے دی۔ جسے لے کر انہوں نے چھت کا رخ کیا۔ خدا جانے وہاں اپنے کمرے میں گئے تھے یا کھلی چھت پر سرد ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہونے کا ارادہ تھا؟ دادا، دادی کے لیے قہوہ بنا تھا۔ انہیں دینے گئیں تو دادی اپنے مخصوص کڑک لہجے اور تیز آواز میں دادا سے مخاطب تھیں۔

''بشریٰ اور ثمینہ کو کیا ہو گیا ہے؟ ہم پہ دباؤ ڈال رہے ہیں کہ فیضی کو واپس بھیج دیں۔ کوئی ہم نے بلایا ہے اسے کہ اپنے میاں باوا سے لڑ جھگڑ کے ہمارے گھر آ جاؤ۔ میں نے تو کہہ دیا ثمینہ سے تمہارا لونڈا جب تمہارے کہنے میں نہیں تو ہماری کیا سنے گا؟ ویسے اس کا مطلب میں خوب سمجھ رہی ہوں۔''

''کیا؟'' دادا چونکے۔

''خطرہ ہو رہا ہے ہم سے، کہیں اس کے لائق فائق پوت کو قابو نہ کر لیں۔ خدا کی مار، ہمیں کیا ضرورت ہے ایسی گھٹیا حرکتیں کرنے کی، میری بلی کوئی گری پڑی تھوڑی ہے۔ اسے ہی دوں گی جو خوشی خوشی اپنے گھر لے جائے، عزت قدر اور محبت کے ساتھ۔'' دادی نے بولتے بولتے اپنے سامنے رکھا قہوے کا مگ اٹھایا۔

www.pklibrary.com

"گڑ ڈالا ہے نا؟ چینی تو نہیں ڈال دی بھولے سے؟"

"گڑ کا بتایا ہے دادی، مجھے یاد رہتا ہے۔" بیلی آپا مسکرائیں۔

پرسوں غلطی سے انہوں نے قہوے میں چینی ڈال دی تھی۔ اب دادی کو پورا ہفتہ یہ بات یاد رہے گی۔

"فیضی اوپر گیا؟"

"جی......!"

"بس ٹھیک ہے۔ زیادہ منہ نہ لگانا اسے، اپنے کام سے کام رکھنا ویسے تو سارا دن اپنے آفس میں ہی ہوگا۔ ادھر کچھ کھانا پینا ہوا تو میں دیکھ لوں گی یا پریا سے کہہ دوں گی۔ تم بس دور دور ہی رہنا بڑا آیا قل جا سم سم کا خزانہ، جیسے ہم قبضہ کرلیں گے۔"

دادی کو بہت ہی تاؤ آرہا تھا۔ فیضی بھائی کی امی نے جانے کیا کہا تھا کہ ان کا طیش کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

☆☆☆

بدلتے موسم میں کاموں کا ایک ڈھیر تھا جو جمع ہو گیا تھا۔ مخمل کے بھاری پردے اتار کے ذرا ہلکے پردے لگائے۔ لحاف، کمبل دھوپ لگا کر تہہ کر کے صندوق میں رکھے۔ ان کے درمیان فینائل کی گولیاں ڈال دیں۔ گرم کپڑے اور پردے دھونے تھے۔ روزمرہ پہننے کا کاٹن، کھدر، مخمل کے ملبوسات، سوئٹر، جیکٹیں، ہائی نیک، بڑی زیادہ تر تام جھام چاکلیٹی کا تھا۔ بیلی نے تھیلے بنا کر چاکلیٹی اور پریا کے حوالے کیے۔

"اسٹور میں رکھ آؤ، صندوق میں ٹھیک سے رکھنا اور ڈھکن ٹھیک سے بند کرنا۔"

اتنے میں فیضی سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا۔ چھٹی کا دن تھا۔ اس کی صبح اس وقت دوپہر میں ہوئی تھی۔

"ایک کپ چائے مل جائے گی؟" جماہی لیتا ہوا وہ کرسی پر ٹک گیا۔

"مل جائے گی پانچ منٹ لگیں گے۔" بیلی نے دودھ پتی چینی ملا کر پکنے کو رکھا۔ چائے میں کھول آرہا تھا، جب شاہین بھابھی کی پاٹ دار آواز کچن تک چلی آئی۔ پہلے آواز پھر ان کا تھلتھلاتا وجود۔

"ارے بیلی، تھوڑا سا لہسن ادرک ہوگا پسا ہوا؟ ہنڈیا چڑھانے جا رہی تھی، لہسن ادرک ختم ہو گیا۔ ثابت تو ہے مگر گرائنڈر خراب ہے کب سے دکان پر دیا ہوا ہے ٹھیک ہونے کے لیے، یہ لڑکے بھلکو، روزانہ لانا ہی بھول جاتے ہیں۔ تمہارا گرائنڈر تو ٹھیک ہے نا، مجھے دے دینا، یا پھر یہیں لے آؤں؟ یہیں پیس لوں گی، لانا لے جانا نہیں کرنا پڑے گا۔"

حسب عادت ایک ہی سانس میں ساری باتیں کرتے کرتے ان کی نگاہ فیضی پہ پڑی۔ انہوں نے آنکھیں سکیڑ کر فیضی کو دیکھا۔ نظروں میں پہلے الجھن، پھر شناسائی کے رنگ ابھرے۔ پھر یکا یک ہی انہوں نے چہک کر سوال کیا۔

"تم فیضی ہو نا؟"

"داد دیتا ہوں آپ کی یادداشت کی۔" فیضی مسکرایا۔ جب وہ میٹرک کا طالب علم تھا اور یہاں قیام تھا۔ پڑوس والی شاہین بھابھی کے بیٹوں سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ اکثر ان کے گھر جاتا تھا۔

"اور سناؤ کیا کر رہے ہو آج کل؟ شادی وادی ہوئی یا نہیں؟ رکنے آئے ہو؟ آنا ہمارے گھر، حاشر بہت خوش ہوگا تم سے مل کے اس سے ہی زیادہ دوستی تھی نا تمہاری شہیر تو ملائشیا چلا گیا شادی کر دی ہے اس کی، اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ وہیں رہتا ہے۔" شاہین بھابھی بغیر رکے بول رہی تھیں اور شاید اسی طرح بولتی رہتیں اگر دادی کمرے سے باہر نہ آجاتیں۔

"بڑے دنوں میں چکر لگایا شاہین۔"

"کیا کروں خالہ گھر اور بچوں کے معاملات میں ہی گھن چکر بنی رہتی ہوں۔ اتنے بڑے ڈھینگرے ہو گئے ہیں ابھی تک چھٹلنے بنے رہتے ہیں۔"

شاہین بھابھی نے دادی کے منہ کی بات چھین

www.pklibrary.com

لی۔

فیضی اٹھ کر دادا کے پاس کمرے میں چلا گیا۔ دادی نے کرسی سنبھال لی۔ شاہین بھابھی کو بھی بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"گھر میں کام چھوڑ کر آئی ہوں۔" شاہین بھابھی دادی کی پیش کش قبول کرتے ہوئے منمنائیں۔

"ارے چھوڑو، ہوتے رہیں گے گھر کے کام بلی بٹیا، چائے تو بناؤ ذرا۔"

"بن رہی ہے۔" بلی کی سروس کو بیک تھی۔

"یہ دوپٹہ اس کے ساتھ کا ہے؟" دادی نے شاہین بھابھی کے دوپٹے اور جوڑے کا باری باری جائزہ لیا۔

"نہیں تو، اس کے ساتھ کا دوپٹہ کب سے نہیں مل رہا خدا جانے کپڑوں کے ڈھیر میں کہاں کھو گیا۔ یہ میچ ہو رہا تھا لگا لیا۔"

شاہین بھابھی لباس کے معاملے میں سست اور لاپرواہ کچھ تو پہلے ہی سے تھیں، کچھ سدھ بدھ، بچوں کی وجہ سے کھوئی کھوئی تھیں۔ چار بیٹوں اور ایک شوہر جو خود بھی کسی لاڈلے، بگڑے ہوئے بچے سے کم نہیں تھے۔ سب نے مل کر انہیں گھن چکر بنایا ہوا تھا۔

کئی بار ملازمہ رکھ چکی تھیں۔ کبھی وہ مطمئن نہیں ہوتی تھیں کبھی ملازمہ خود کو ملنے والی تنخواہ، مراعات اور سہولیات کو ناکافی سمجھتے ہوئے چھوڑ جاتی تھی۔ قصہ مختصر کہ آج کل وہ بغیر مددگار کے اکیلی ہی گھر کے افراد اور معاملات سے نمٹ رہی تھیں۔ پرخلوص اور ہنس مکھ خاتون تھیں۔ ان کی سستی، لاپروائی یا کسی حد تک پھوہڑ پن پہ دادی تنقید کر جاتی تھیں۔ وہ سن کر ہنستی رہتیں۔

"کیا کروں خالہ! ان باپ بیٹوں نے مل کر میری مت ہی ماردی ہے۔"

وہ برا نہیں مانتی تھیں مگر بلی دادی کو خاموش کرانے کی کوشش کرتی رہتی۔ اسے شرمندگی ہوتی تھی دادی کے یوں منہ پھٹ انداز میں بولنے پر، مگر ایک ڈانٹ اسے بھی پڑ جاتی تھی جب وہ دادی کو روکتی......

"تمہیں کاہے کی پریشانی ہے؟ جب وہ برا نہیں مانتی تمہیں کیوں برا لگتا ہے۔"

مگر خیر یہ نرم گرم دن ہوا کے جھونکوں کی طرح روز ہی آتے اور گزر جاتے۔

بلی نے چائے کے ساتھ بسکٹ اور نمکو ٹرے میں رکھ کر ان کے سامنے رکھے اور خود کام میں لگ گئی۔

"بیٹیوں سے کتنا آرام ہوتا ہے گھر میں اور رونق بھی۔" شاہین بھابھی نے حسرت سے کہا۔

"ذمے داری بھی تو ہے۔ فکر لگی رہتی ہے خیر سے اپنے اپنے گھروں کی ہو جائیں، اچھے لوگوں سے واسطہ پڑے۔"

دادی کے لہجے میں آزردگی کے ساتھ فکر بھی تھی۔ فیضی کی امی کی باتوں سے انہیں صدمہ ہوا تھا اپنی عزت نفس کے ساتھ ساتھ پوتیاں اور ان کی عزت، بھی جان سے عزیز تھی۔ مگر اپنوں سے کچھ توقعات بھی ہوتی ہیں۔ وہ ٹوٹیں تو بہت سارے بھرم بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔

شاہین بھابھی ادھر ادھر کی باتیں کر کے چائے پی کر رخصت ہو گئیں۔ بلی نے انہیں پسا ہوا لہسن اور ادرک بھی دے دیا تھا۔

دادی کمرے میں گئیں تو فیضی، دادا جان کے آگے اپنے دکھڑے رو رہا تھا۔

"ابو اپنی بھانجی لانا چاہتے ہیں۔ امی اپنی بہن بھانجی کو زبان دے چکی ہیں۔ لاکھ بار کہہ چکا ہوں مجھے خاندان میں شادی نہیں کرنی، سارے ایک سے بڑھ کر ایک گنوار ہیں۔ پھر ہمارے والدین کے اپنے ہی الگ سیاپے ہیں۔ ابو کی مرضی پہ چلوں تو امی دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دیتی ہیں امی کا، حکم مانو تو ابو کا غصہ اور جلال سوا نیزے پہ پہنچ جاتا ہے۔ جاؤں تو کہاں جاؤں؟ کروں تو کیا کروں؟ ہر وقت کی چخ چخ لگی رہتی تھی گھر میں، کبھی تو دل چاہتا تھا اپنے سر کے بال نوچ لوں یا دیواروں سے سر ٹکرا دوں۔" فیضی بہت جذباتی ہو کر بول رہا تھا۔

www.pklibrary.com

"باؤلے ہو گئے ہیں تیرے اماں ابا، بڑے چاؤ چڑھ رہے ہیں اپنی پسند کی بہولانے کے، سب کے ارمان ناک کے رستے نکل جائیں گے۔ بہولا کر دیکھیں بھو بن جائے گی۔"

دادی کو پہلے سے جوتپ چڑھی ہوئی تھی وہ کھولن بن کر باہر آرہی تھی۔ جو باتیں فیضی کے والدین کو سنائی تھیں وہ فیضی کو سنا دیں۔ دادا ہائیں ہائیں کرتے رہ گئے۔ دادی جو بولنا شروع ہوئیں پھر نہ رکیں، جو بولنا تھا، بول کر ہی دم لیا اور بولنے میں تو فیضی بھی کم نہ تھا۔

"میں تو کہہ آیا ہوں کہ اپنی مرضی اور پسند سے شادی کروں گا۔" اس کے اعلان پہ دادی نے گھور کے دیکھا۔

"یہی کام تمہارے باوا نے بھی کیا تھا۔ آج تک بھگت رہا ہے۔" دادا نے تاسف سے سر ہلایا۔

ان عورتوں کو خاموش کرانا یا رکھنا ناممکنات میں سے ہے۔ فیضی دادی کی کڑوی کسیلی سنتا اور کان لپیٹ لیتا، دادی کے مزاج، زبان اور رویے سے مستفید ہونے والا وہ اکیلا نہیں تھا۔

☆☆☆

ابر کے ٹکڑے جامنی ہوتے آسمان پہ تیرتے زمین والوں کو آس دلا رہے تھے بلکہ للچا رہے تھے۔

"اللہ کرے بارش ہو جائے۔" پریا رانی جھوم جھوم کے ایک ہی التجا دہرائے جا رہی تھی۔

"بارش نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔ باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کہیں جانا عذاب، ذرا سا چھینٹا پڑا اور سڑکیں تالاب میں بدل جاتی ہیں۔" فیضی بھائی نے نفی میں سر ہلایا۔

"بلی آپا کے ہاتھ کے پکوڑے کھائیں گے۔ رم جھم رم جھم ساون کے گیت گاتے بادلوں کے ساتھ ویڈیو بنا کر شیئر کروں گی۔ اور پالک کے پکوڑوں اور انار دانہ کی چٹنی کی ریسپی۔" پریا رانی کے منہ میں پانی آرہا تھا۔

"تمہارے نام کو کیا بنا دیا ہے ان دونوں نے۔ آدھا بچوں والا آدھا بڑوں والا۔" فیضی نے بلی کا مذاق اڑایا۔

"کتنا عجیب لگتا ہے، بلی بھی اور آپا بھی۔"

"ہمیں تو عجیب نہیں لگتا اور ویسے آپ کو ہماری بہت سی باتیں عجیب ہی لگتی ہیں۔ گھر میں ابھی تک چالیس برس پرانا سامان ہے۔ پچاس برس پرانے دادا دادی ہیں۔ آؤٹ آف فیشن بلی آپا ہیں۔ جتنے قدیم گھر کے مکین ہیں اتنا ہی پرانا لائف اسٹائل، آپ کو یہاں سب کچھ عجیب لگتا ہے اور ہمیں آپ کی باتیں۔"

پریا رانی دادی کی طرح صاف گو بلکہ منہ پھٹ تھی فیضی پلک جھپکائے بنا سب سنتا رہا پھر سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ بلی کا مذاق اڑانا اور بنانا آسان تھا مگر اس لڑکی کے منہ لگنا خطرناک۔ اس کی عقل نے فوراً فیصلہ سنا دیا ادھر بلی، پریا کی سرزنش کر رہی تھی۔

"کیا ضرورت تھی ایسے تڑتڑ جواب دینے کی؟ کیا سوچیں گے وہ ہمارے بارے میں کہ دادی نے یہ تربیت کی ہے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ انہیں کیا ضرورت تھی پٹر پٹر ہمارے گھر اور گھر والوں کا مذاق بنانے کی؟ یہاں پناہ بھی لے رکھی ہے اپنے جلادابو سے، پھر یہ گھر پرانا ہے، سامان پرانا ہے اور پتا نہیں کیا کیا، تمہارے ہاتھ کا پکا ٹھونستے ہیں تینوں ٹائم تین تین روٹیاں ڈکار کر تبصرہ ہوتا ہے۔ تم آج بھی دادی جان کے ساٹھ سال پرانے پکوان بناتی ہو۔ کچھ نیا بھی بنا لیا کرو۔" پریا نے اپنی پھینی سی ناک چڑھا کر فیضی کی نقل اتاری۔

"وہ تو ایک ہی بار کہا تھا جب کھنڈویاں بنائی تھیں۔" بلی نے فیضی کی طرف سے صفائی پیش کی۔

مگر پریا نے اس پہ کوئی توجہ نہ دیتے ہوئے اپنا سلسلہ گوشمالی جاری رکھا۔

"رہی بات دادی کی تربیت کی تو فیضی بھائی کی کون سا بہت اچھی تربیت ہوئی ہے، اپنا گھر چھوڑ کر یہاں آ گئے اور گھر والوں کی برائیاں کرتے رہتے ہیں۔ ہر ایک سے کوئی نہ کوئی شکایت ہے۔ چاہے

www.pklibrary.com

والدین ہو یا بہن بھائی، کل کو یہاں سے چلے جائیں گے تو ہم بھی برے بن جائیں گے ان کے لیے۔"

پریا کی صاف گوئی، بغیر کسی لاگ لپٹ کے تھی اور بڑی حد تک سفاک بھی۔

بیلی کے چہرے پہ آزردگی کے بادل چھا گئے۔

"یہ تو تم بہت زیادتی کر رہی فیضی بھائی کے ساتھ۔ ان کا دل دکھا ہوا ہے اسی لیے ورنہ اتنے برے نہیں ہیں۔ جتنا تم سمجھ رہی ہو۔"

"رہنے دو آپا، تمہیں تو ہر وقت ہر ایک کی ہمدردی کا بخار چڑھا رہتا ہے۔ سب کو اپنے جیسا سمجھتی ہو، نیک، شریف اور سیدھا سادا۔" پریا کی بہت چڑی ہوئی تھی۔ اب وہ جب تک دادی کی طرح بول بول کر بلکہ باتیں صلواتیں سنا کر جی ہلکا نہیں کر لیتی، کلیجے میں ٹھنڈک نہیں پڑتی تھی۔

"ہم اتنی اچھی با مقصد ویڈیوز بناتے ہیں۔ ان پر کتنی تنقید کر رہے تھے کہ ایسی ویڈیوز کون دیکھتا ہے؟ فالورز اور سبسکرائبرز بڑھانے ہیں تو اچھے اچھے کپڑے پہن کے، میک اپ کر کے، خوب تیار شیار ہو کر ویڈیو بناؤ، لوگ یہی دیکھتے ہیں۔"

پریا نے فیضی کے انداز کی پھر نقل اتاری اور ایک جھرجھری لی۔

"اگر ایسے گولا گنڈا اور پیسٹری بن کر ویڈیو بنائی تو دادی جان گھوٹ کر میرا حلیم بنا دیں گی۔"

پریا کی بے ساختگی پہ بیلی کے چہرے پہ مسکراہٹ چمکی، مگر اس بار وہ پریا سے متفق تھی۔ پریا اور چاکلیٹی کی بنائی ویڈیوز تھوڑی فنی ہوتی تھیں مگر ان میں کوئی نہ کوئی پیغام اور مقصد ضرور ہوتا تھا۔ ان کی تازہ ترین ویڈیو، اپنے محلے اور علاقے کے درختوں کے بارے میں تھی جو کسی نہ کسی وجہ سے کاٹے جا رہے تھے۔ گھروں کے اندر تو خیر درختوں کا بالکل ہی خاتمہ ہو گیا تھا اب وہ آنگن رہے نہیں جہاں نیم، امرود، پپیتا، جیبل، لیموں، فالسہ، املی، مولسری، اور چمپا سمیت کئی پھولوں یا پھلوں کا ایک آدھ درخت تو ہوتا ہی تھا۔

آنگن کے کنارے کنارے کیاریوں میں دھنیا، پودینہ، مرچیں لگے ہوتے تھے یا پھر سدا بہار، چنبیلی، رات کی رانی، موگرے کے جھاڑ اپنے اپنے پھولوں کی خوشبوؤں سے مہکتے تھے وہ بھی ماضی کا قصہ ہوئے۔

دیواروں کے سہارے چڑھی انگور، منی پلانٹ خوش رنگ پھولوں یا سیم، کریلے، لوکی، کدو، تری کی بیلیں سب کچھ خواب ہو گیا تھا۔

یہ تو متوسط طبقے کے گھروں کے اندر کا حال ہے۔ گھروں سے باہر سڑک کنارے یا ہر گلی کے کونوں پہ جو پیڑ تھے وہ بھی تعمیرات کی زد میں آ کر یوں غائب ہوئے کہ ڈھنٹھل اور ٹھوٹھ کی صورت میں بھی ان کا نشان نہ رہا۔ اب جو بچے کھچے درخت تھے پریا اور چاکلیٹی نے ان کے بارے میں اور جو پہلے گھر آنگن میں پھلواری کا رواج تھا سب کو ملا جلا کر بڑی محنت سے ویڈیوز بنائی تھیں۔ جن کا سادہ سا پیغام یہی تھا کہ جو پیڑ باقی رہ گئے ہیں۔ ان کی حفاظت کریں، بیش قیمت نعمت سمجھ کر ان کی قدر کریں اور نئے پودے لگانے کا رواج زندہ کریں۔

فیضی ان ہی ویڈیوز کا مذاق بنا رہا تھا کہ دیکھنے والوں کو تفریح چاہیے گیان نہیں۔

"ہاں یہ بات تو فیضی بھائی کی غلط ہے، گدھوں لائکس لینے کے لیے اچھا بھلا گھوڑا، گدھا بن جائے کوئی تک ہے بھلا؟"

بیلی آپا کو دادی کا ایک قول زریں یاد آیا اور پھر سے ہنسی چھوٹ گئی۔ کیونکہ اس کے بعد ہمیشہ کی طرح دادا نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے بحث کا آغاز کر دیا تھا۔

"گدھا بہت ہی شریف، محنتی اور تابع دار حیوان ہے بالکل ایک اچھے شوہر کی طرح، ایک گھوڑے کے مقابلے میں اسے ڈی گریڈ کرنا کوئی انصاف تو نہیں۔"

بیلی آپا کو جانے کیا کیا یاد آ رہا تھا جسے سوچ سوچ کر وہ مسکرا رہی تھیں۔ اتنے میں ہی فیضی بھائی آ گئے۔

www.pklibrary.com

چیک کی سفید اور نیلی شرٹ، گہری نیلی پینٹ، بے فکری اور خوش گوار موڈ میں سیٹی بجاتے ہوئے اندر آئے تھے، بیلی آپا کو دیکھ کر ان کی سیٹی بھی تھم گئی اور وہ خود بھی۔

"اکیلے اکیلے مسکرانا، خیریت تو ہے؟"

"بالکل خیریت ہے، دادا، دادی کی باتیں یاد آ رہی تھیں تو ہنسی آ گئی۔" بیلی نے سادگی سے وضاحت پیش کی۔

"چائے پئیں گے؟"

"اونہوں، باہر سے پی کر آیا ہوں۔" فیضی نے نفی میں سر ہلایا پھر بیلی کو غور سے دیکھا۔

"تم کچھ اور نہیں کرتی کراتیں۔ گھر داری کے علاوہ؟"

"کیا گھر داری، کچھ نہیں ہے؟" بیلی کو اچنبھا ہوا۔

"گنوار عورتوں کے کام ہیں۔ جن کے پاس باہر نکل کر کرنے کے لیے کچھ نہیں تو چولہا سنبھال لیتی ہیں۔ تم تو پڑھی لکھی ہو باصلاحیت ہو اپنی پہچان بناؤ، نام بناؤ، جھاڑو برتن میں خود کو ضائع کر رہی ہو جو جاہل عورتیں بھی کر لیتی ہیں۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" فیضی کی تقریر پہ بیلی کی آنکھوں میں الجھن کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تیرنے لگی۔

"گھر کے کام اتنے غیر اہم تو نہیں ہوتے، گھر کے افراد کو آرام اور سہولت مہیا کرنا، خصوصاً بچوں اور بوڑھے افراد کی دیکھ بھال، گھر کی خواتین نہیں کریں گی تو اور کون کرے گا؟"

"اُفوہ بھئی ملازمائیں کس مرض کی دوا ہیں؟" فیضی اک دم جھنجھلا گیا۔ مگر چند لمحوں بعد نرم بھی پڑ گیا۔

"دیکھو، میں تمہارے بھلے کی ہی بات کہہ رہا ہوں۔ کتنی اچھی آواز ہے تمہاری، چہرہ بھی فوٹو جینک ہے۔ اچھی اچھی ویڈیوز بنا کر اپ لوڈ کرو پیسہ بھی ملے گا اور فیم بھی۔"

"آپ بھی تو اپنی ویڈیوز بناتے ہیں۔ کتنا پیسہ ملا اور کتنا فیم؟"

"وقت کے ساتھ ساتھ دونوں ملیں گے۔ انتظار تو کرنا پڑے گا۔ مگر شروعات ضروری ہیں۔ بیج زمین میں ڈال کر ہی پودا نکلنے اور درخت بننے کا انتظار کیا جاتا ہے۔"

"بیج کی بھی تو اہمیت ہوتی ہے۔ ببول کا ہے یا آم کا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ محنت اور صلاحیت کا استعمال درست سمت میں ہو تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے۔ فقط اپنی شکل، میک اپ لباس کے بل بوتے پہ اور ناز و انداز کی بیساکھیوں کے سہارے شہرت اور دولت کمانا ...۔"

بیلی نے گھٹیا کا لفظ بولتے بولتے زبان دانتوں تلے دبا لی فیضی بھائی بھی تو ٹک ٹاک بناتے تھے۔

"یہ تو ٹیلنٹ ہے۔" فیضی بھائی نے کندھے اچکائے۔

"مجھے اس قسم کے ٹیلنٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" بیلی نے بات ہی ختم کر دی۔

"عجیب بونگی لڑکی ہو۔ سو سال پہلے کی دقیانوسی دنیا میں رہتی ہو۔" فیضی برا سا منہ بنا کر پیچھے ہٹ گیا۔

☆☆☆

پریا کو دادی نے اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ گوار کی پھلیاں بن رہی تھیں۔ ابلی ہوئی پھلیاں صاف کر کے اب بھگار لگ رہا تھا۔ پریا نے لہسن اور ہری مرچیں کاٹ دی تھیں۔ دادی نے تیل میں دونوں چیزیں فرائی کر کے پھلیاں ڈالیں۔ ذرا سا نمک برکا اور دم پہ رکھ دیا۔

"میں نہیں کھاؤں گی یہ پھلیاں، چاکلیٹی بھی نہیں کھائے گا اور دادا تو پہلے ہی......"

پریا کے اعلان پہ دادی سیخ پا ہو گئیں۔

"میرا کلیجہ کھا کر ہی سکون ملے گا تم سب کو،

سبزی حلق سے نیچے نہیں اترتی، دال منہ میں کاٹتی ہے۔ بڑے میاں کی شہہ پہ کودتے ہو، خود تو بگڑے نواب ہیں بچوں کو بھی بگاڑ ڈالا۔"

دادی بے نقط سنانے میں ماہر تھیں، خصوصاً اپنے پکوانوں کے خلاف تو ایک لفظ سننے کی روادار نہ تھیں۔ دادا کمرے میں خراٹے لے رہے تھے ورنہ ابھی عالمی جنگ کا آغاز اسی گھر سے ہوتا۔

عین اس وقت، جب دادی بول بال کر ذرا خاموش ہوئیں۔ مین گیٹ کھلا اور شاہین بھابھی اندر داخل ہوئیں۔ انداز میں پژمردگی اور چال سے نقاہت ظاہر تھی۔ حسب معمول دو رنگوں کا لباس، دوپٹا الگ، سلام کر کے کرسی پہ بیٹھ گئیں۔

"خیریت تو ہے، طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی؟" دادی نے ان کا چہرہ غور سے دیکھا۔

"جی خالہ! بخار ہے بدن میں درد بھی ہے۔ دوائی کھائی ہے۔ اب دیکھیں کتنا وقت لگے گا ٹھیک ہونے میں۔ مگر کام تو ابھی ہے۔" شاہین بھابھی نے آہستہ آہستہ بولتے ہوئے سلسلہ کلام جاری رکھا اور آنے کا مقصد بیان کیا۔

"حاشر کو دیکھنے آرہے ہیں لڑکی والے، پہلے سوچا منع کر دوں پھر خیال آیا کہ پتا نہیں وہ کیا سوچیں، دراصل پچھلے ہفتے آرہے تھے۔ تب حاشر کو ز کام ہو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ ابھی منع کر دیں اگلے ہفتے بلائیے گا۔ اب میں بیمار پڑ گئی کیا کروں؟ گھر کی حالت الٹ پلٹ ہے، سکینہ (ماسی) بھی نہیں آئی، اس کی ساس فوت ہو گئی ہے۔ سارے سیاپے آج ہی ہونے تھے۔" بولتے بولتے شاہین بھابھی نے ایک آہ بھری۔

"ہوں!" دادی نے ہنکارا بھرا۔

شاہین بھابھی اور ان کا کنبہ کئی بار ان کے مشکل وقت میں کام آیا تھا۔ خصوصاً جب رات گئے دادا کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی تو ایک فون کال پہ ان کے شوہر یا کوئی لڑکا اسپتال جانے کے لیے حاضر ہو جاتا تھا۔ دادی احسان فراموش تو بالکل نہیں تھیں۔

"بلی کو لے جاؤ۔ ہاتھ بٹا دے گی۔ کچن وچن دیکھ لے گی۔"

"میں جاؤں دادی؟" پریا نے اشتیاق کا مظاہرہ کیا۔ شاہین بھابھی کے گھر میں بہت مزا آتا تھا۔ خصوصاً ان کی چٹ پٹی باتوں میں اور چٹ پٹے کھانوں میں بڑا ذائقہ تھا۔ مگر اف یہ دادی......

"تم کیا کرو گی جا کر؟ کام ہی بڑھاؤ گے بے چاری کا، وہ خود حال سے بے حال ہو رہی ہے۔ بلی تو پھر بھی کچھ سنبھال لے گی۔"

دادی نے بلی کو آواز لگائی۔ اور شاہین بھابھی کے ساتھ بھیج دیا۔

ان کے گھر میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ سب باہر نکلے ہوئے تھے۔ شوہر جاب پر تھے۔ مہمانوں کی آمد تک پہنچ جانا تھا انہیں، بلی نے لپک جھپک گھر سمیٹا، ڈرائنگ روم صاف تھا۔ مزید صفائی ستھرائی کر کے وہ کچن میں آ گئی۔

"کچھ بنانا ہے بھابھی؟"

"حاشر لے آئے گا بازار سے، تم رہنے دو، خوامخواہ ہلکان ہو گی بس صفائی ہو گئی، کافی ہے۔" شاہین بھابھی لاپروائی سے کہتے ہوئے، لاؤنج کے صوفے پہ پسار گئیں۔ سامنے ہی اوپن کچن تھا۔ جہاں کھڑی بلی ان سے باتیں کر رہی تھی۔

"مجھے تو کوکنگ کرنا اچھا لگتا ہے مزا آتا ہے۔ پھر مہمان کے لیے کوئی چیز گھر کی بھی بنی ہو تو اچھا لگتا ہے۔" بلی مسکرائی سانولا سلونا چہرہ چمک اٹھا۔ سانولے رنگ کے پس منظر میں اس کے سفید، ہموار دانت اور بھی جھلملا اٹھے تھے۔

"فریج میں چکن رکھی ہے، میکرونی بنالو، سبزیاں بھی ہوں گی فریج میں۔"

شاہین بھابھی دھیرے دھیرے غنودگی کے عالم میں تھیں۔ ذرا دیر میں وہ نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔ بلی نے میکرونی بھی بنالی دہی پھلکیاں بنائیں اور فریج میں پھل رکھے تھے۔ فروٹ چاٹ بھی بنا کے رکھ دی۔

www.pklibrary.com

کچن سمیٹ رہی تھی جب شاہد بھائی اور حاشر آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔ دونوں نے گھر میں گھستے ہی زوردار آواز میں بالترتیب بیگم کہاں ہو؟ امی ، کہاں ہیں؟ کے نعرے لگائے اور شاہین بھابھی نیند سے جاگ اٹھیں۔

"کیسی ہو بیٹا، بڑے دنوں میں نظر آئیں، خالہ خالو کیسے ہیں؟" بلی کے سلام کے جواب میں شاہد بھائی حال احوال پوچھنے لگے۔

"امی، کیا کیالانا ہے فٹافٹ بتادیں۔"

"کچھ چیزیں میں نے بنادی ہیں۔ پہلے وہ دیکھ لیں پھر جو منگوانا ہو منگوالیں۔" بلی نے مداخلت کی۔

شاہین بھابھی اٹھ کر کچن کاؤنٹر تک آگئیں۔ میکرونی، دہی بھلے اور فروٹ چاٹ دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

"اتنی جلدی تم نے یہ سب بنالیا؟"

"ایک گھنٹے سے زیادہ وقت لگا ہے بھابھی، آپ سو رہی تھیں اس لیے آپ کو اندازہ نہیں ہوا۔" بلی مسکرائی۔

"تھوڑا سا نمک مرچ چکھ لوں؟" حاشر کے منہ میں پانی بھر آیا۔ شدید بھوک لگ رہی تھی۔

"خبردار، بچی نے اتنی محنت سے چیزیں بنا کے سجائی ہیں دومنٹ میں سب خراب کردوگے۔ سالن رکھا ہے۔ روٹی لے آؤ کھانا کھالو۔" شاہین بھابھی نے بیٹے کو گھر کا۔

"تھوڑی تھوڑی اتنی چیزیں ہیں کہ آپ تینوں چکھ سکتے ہیں۔" بلی نے باؤل تو ایک طرف ڈھک کے رکھے تھے۔ بچی ہوئی اشیاء پیالیوں میں نکال کر میز پر رکھ دیں۔

"جیتی رہو بچی، اللہ تمہیں بہت اچھا دولہا نصیب کرے۔" حاشر نے بزرگانہ انداز میں دعا دی۔ شاہد بھائی اور شاہین بھابھی نے مشترکہ زوردار آمین کہا تو بلی جھینپ کر مسکرادی۔

"دعا کرو اس بار حاشر کی بات بن جائے۔ ہر بار ہی کوئی نہ کوئی رکاوٹ آجاتی ہے۔" شاہین بھابھی کی بات پر بلی نے باآواز بلند آمین کہا اور حاشر نے خاصا لہک کر۔

مہمانوں کے آنے سے پہلے بلی کا گھر سے بلاوا آگیا۔ فیضی بھائی کے امی ابو آئے ہوئے تھے۔ دادی کے کمرے میں محفل جمی تھی مگر ماحول میں کچھ تناؤ تھا۔ بلی کو کمرے میں گھستے ہی حاضرین کے چہرے پہ نظر ڈال کر اندازہ ہوگیا۔ سب کے چہروں پہ سنجیدگی تھی، دادی کے چہرے پہ دبا دبا غصہ، جسے اپنی عادت اور مزاج کے برخلاف وہ برداشت کرنے کی کوشش کررہی تھیں۔

بلی نے سلام کیا۔

سلام کا جواب دے کر انہوں نے جہاندیدہ نگاہوں سے بلی کو دیکھا پھر دادی کو مخاطب کیا۔

"بلی سے پوچھ لیں، ہوسکتا ہے اسے معلوم ہو؟"

"لو اسے کیا معلوم؟ وہ اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔ کسی کے بکھیڑوں میں نہیں پڑتی۔"

دادی جز بز ہوئیں مگر ثمینہ بیگم نے بلی کو اپنے پاس بٹھالیا اور وہ دکھڑا رونے لگیں۔ جس کے لیے یہاں آئی تھیں۔

"فیضی کسی لڑکی کے چکر میں ہے۔ والدین کے آگے شوشا چھوڑا ہے کہ اسی سے شادی کروں گا مگر لڑکی کا نام مقام سب راز ہے۔"

"ہم نے سوچا شاید آپ لوگوں کے علم میں ہو اب رہتا تو یہیں ہے۔ کیا پتا بچیوں کو پتا ہو۔ ہنسی مذاق میں کبھی کچھ بتایا ہو؟ ہیں بلی، تم جانتی ہو کچھ؟"

"ہمیں تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم، فیضی بھائی نے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔ نہ مذاق میں، نہ سنجیدگی میں۔"

بلی نے لاعلمی کا اظہار کیا اور مہمانوں کی خاطر مدارات کے لیے اٹھ گئی۔ مگران کی تسلی ہو رہی تھی نہ تشفی، باری باری پریا اور چاکلیٹی سے بھی پوچھ گچھ ہوئی مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

www.pklibrary.com

تشویش اور فکر کے مارے امی جان کا برا حال تھا، ابو بھی کم و بیش ایسی ہی کیفیت کا شکار تھے مگر کیا کرتے، بتائی الحال مزید کچھ کہنے کے موڈ میں نہیں تھا اور یہاں کسی کو کوئی خبر تھی نہ معلومات۔

"آپ ان کے دوستوں سے پوچھیں نا۔" پریا نے مشورہ دیا۔ امی نے ایک بے زار نگاہ اس پر ڈالی۔

"ان سے بھی پوچھا تھا۔ سارے کے سارے کم بخت اسی جیسے ہیں۔ معلوم ہوگا بھی تو مکر گئے نہ ہمیں کیا پتا۔"

"ادھر ادھر تفتیش کرتی پھر رہی ہو۔ بیٹے کو بٹھا کر بات کرو۔" دادی کا لہجہ ان سے بھی زیادہ بے زار تھا۔

"وہ تو پٹھے پہ ہاتھ نہیں دھرنے دیتا، رسی تڑا تڑا کر بھاگتا ہے، ہم تو جیسے دشمن ہو گئے ہیں اس کے، کیا زمانہ آ گیا ہے۔ سگی اولاد بھی اپنی نہیں رہی، امی جان پہ رقت طاری ہو گئی۔ دادی نے ایک زیر لب اونہہ کہہ کر منہ پھیر لیا۔ مگر دادا نے مدبر بن کر صلح صفائی کا ڈول درمیان میں ڈالا۔

"جوان اولاد کے ساتھ زور زبردستی مت کرو۔ شادی بیاہ کے معاملات میں اس کی مرضی اور خوشی کو مقدم رکھو۔ زندگی اسے گزارنی ہے۔"

دادا سمجھاتے رہے۔ دونوں میاں بیوی خاموشی سے سنتے رہے۔ کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ دادا سے متفق ہیں یا نہیں۔

بیلی چائے لے آئی، ساتھ میں بسکٹ، چپس، نمکو وغیرہ، امی جان نے جانچتی ہوئی نگاہوں سے بیلی کا جائزہ لیا جسے وہ بچپن سے دیکھتی چلی آ رہی تھیں۔ مگر اس وقت یوں جائزہ لے رہی تھیں، جیسے اس کی آنکھوں میں اس کے خدوخال میں چھپا کوئی راز تلاش کر رہی ہو۔

"تو تمہیں بھی کچھ نہیں معلوم؟" ایک ٹھنڈی آہ بھر کے انہوں نے ایک بار پھر بیلی کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"نہیں آپ کو ابھی بتایا تو تھا۔" بیلی نے حیرانی سے پلکیں اٹھائیں اس کی آنکھیں بہت گہری اور سیاہ تھیں۔ بھید بھری آنکھیں، جیسے ان کی سیاہ گھٹاؤں میں کوئی راز پوشیدہ ہو یا کوئی طوفان چھپا ہو۔ ایسی سمندر آنکھیں کہ ڈوبنے کے بعد پھر کوئی ابھرنے کی تمنا نہ کرے۔

"کیسی جادوگر آنکھیں ہیں۔" امی نے ایک جھرجھری لی۔

"پتا نہیں یہ لڑکا کہیں ان آنکھوں میں الجھ کر تو نہیں رہ گیا؟" وہ سوچ رہی تھیں اور یہی خدشہ تھا جو انہیں یہاں اس گھر تک لے آیا تھا اور تفتیش پر مجبور کر رہا تھا۔

دادی کا چہرہ ضبط کی واضح تصویر بنا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ وہ پھٹ پڑتیں، دادا نے جلدی سے آگے بڑھ کر بات سنبھالی۔

"تم لوگ فکر نہ کرو میں آج ہی لونڈے کو بٹھا کر بات کرتا ہوں جو بات ہوگی تمہیں بتا دوں گا۔"

"یہ لڑکا مجھے ذلیل کروائے گا میرے میکے میں، میں اپنی بہن کو زبان دے چکی ہوں۔" امی نے تاسف سے ہاتھ ملے۔

"تم سے پہلے میں اپنی بہن سے بات کر چکا ہوں۔" ابو نے ٹیڑھی نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔

"کسی چوڑی چمارن، بھنگن کو لے آؤں گی مگر ثروت کی بیٹی کو بہو نہیں بناؤں گی۔" امی نے ببانگ دہل اعلان کیا۔

"تب ہی اپنی بھانجی لا رہی ہو، چوڑی چمارن لانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

اپنی بات کی نفی ہوتے دیکھ کر ابو کو تاؤ آ گیا۔ طنز کا بھالا ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ بیگم تلملا کر کھڑی ہو گئیں۔

"مجھے ذلیل کرنے کے لیے یہاں لائے تھے؟"

"تم نے تو مجھے عزت کے پہاڑ پہ کھڑا کیا ہوا ہے۔" وہ بھی کھڑے ہو گئے۔

عجلت میں دادا، دادی کو خدا حافظ کہا۔ جو ہکا بکا

دونوں کو دیکھ رہے تھے۔
"یہ عورت نہ گھر دیکھتی ہے نہ لوگ، بس شروع ہو جاتی ہے۔"
"زندگی عذاب کردی ہے اس شخص نے۔"
دونوں میاں بیوی بڑبڑاتے ہوئے یا ایک دوسرے کو سناتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔
دادا نے معنی خیز نظروں سے دادی کو دیکھا۔
"بیگم قدر کروا سے اس مسکین شوہر کی۔"
"اے لو، میں نے کیا ناقدری کی ہے تمہاری؟" دادی برامان گئیں۔
بیلی نے کچن میں جھانکا۔ پھیلاوا ہو رہا تھا۔ پریا کا کارنامہ تھا۔ بیلی عجیب کوفت بلکہ خفت کا شکار تھی۔ کچھ کرنے کو دل نہیں چاہا۔ کچن ایسے ہی چھوڑ کر کمرے میں آ گئی۔ فیضی کی امی کا رویہ، الفاظ نگاہیں سب بری طرح چبھ رہا تھا۔
کتنے آرام سے انہوں نے مجھے اتنا حقیر سمجھ لیا؟ بیلی کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔ عمر کی سلور جوبلی ہو رہی تھی۔ اور شادی کا دور دور تک کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ رشتہ بھی کبھی نہیں لگا تھا۔ پہلے بھی تو عمری اور طالب علمی کے زمانے میں دادا کی خواہش تھی کہ فیضی کے ساتھ معاملہ جم جائے مگر ان کی یہ آرزو، خام خیالی ہی رہی۔
رشتوں کے مسائل بیلی کے ساتھ بھی وہی تھے جو اس جیسی سینکڑوں، ہزاروں لڑکیوں کے ساتھ تھے۔ لوگ آتے دیکھنے کے لیے اور کھا پی کر چل دیتے۔
سانولی سلونی، عام سی شکل و صورت اور سراپے کی مالک بیلی کبھی وہ کسی کی آنکھوں میں نہ جچتی، اور کبھی اسے پسند کرنے والے، دادی کو پسند نہ آتے۔
تو پچھلے چند برسوں سے یہ کہانی یونہی چل رہی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ کوئی بہت قنوطی، افسردہ یا بقول چاکلیٹی "دکھی آتما" ہو گئی تھی۔ ایسی غمگین باتیں سوچنے اور پریشان ہونے کا وقت ہی نہیں تھا۔ گھر کی بہتیری مصروفیات تھیں۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی دل اداس ہو جاتا تھا جیسے اس وقت ہو رہا تھا۔ اپنے الجھے خیالات میں مگن جانے کب تک یونہی بیٹھی رہتی کہ دادی کی آواز پہ چونک اٹھی۔
"بچے آئس کریم کھانے جا رہے ہیں تم بھی چلی جاؤ۔" دادی نے چاہا کہ اس کے اداس چہرے پہ مسکراہٹ آ جائے۔
"جلدی سے تیار ہو جاؤ آپا! واپس آ کر مجھے دادی کی ویڈیو بنانی ہے کوکنگ کی۔" پریا نے سر پہ اسکارف لپیٹتے ہوئے جلدی جلدی کہا۔
"کیا بنائیں گی دادی؟" چاکلیٹی کے چہرے پہ اشتیاق ابھر آیا۔
"کورین کڑھی و دھ تھائی رائس۔"
"کورین بھی کڑھی کھاتے ہیں؟"
"کھائیں نہ کھائیں ہمارا کام ہے ڈش بنانا۔" پریا کے انداز میں حد درجہ لاپروائی تھی۔
"اور دیسی کڑھی چاول کو کورین اور تھائی کیسے کرو گی؟"
"بہت آسان ہے دونوں میں نوڈلز اور چیز ڈال دیں گے۔"
"اتنی جلدی کڑھی نہیں پکتی۔ صبح سے چڑھتی ہے شام تک تیار ہوتی ہے۔" دادی نے مداخلت کی۔
"چھوڑیں دادی، اب گئے وہ زمانے کہ ایک ہنڈیا پکانے میں صبح سے شام کر دیتے تھے اب تو کڑھی چاول، گھنٹے دو گھنٹے کی مار ہیں بس۔"
"ہیں...... ہیں۔" دادی کے لیے ایسی جدتیں ناقابل برداشت تھیں مگر اس سے پہلے کہ وہ پریا کی خبر لیتیں بیلی تیار ہو کر آ گئی۔
"چلو۔" اپنے اسکارف میں ایک پن اور گھسیڑتے ہوئے اس نے چلنے کا عندیہ دیا۔

☆☆☆

سورج کی کرنوں میں شدت اور تیزی آ رہی تھی۔ ہر روز گزرے دن سے زیادہ گرمی ہوتی تھی۔ لوڈ شیڈنگ اور بجلی کے بل ہمیشہ کی طرح آفت مچا رہے تھے۔ گھر میں سولر پینل تھا جس کی وجہ سے اس مصیبت میں ذرا امن و امان تھا۔

www.pklibrary.com

چاکلیٹی، دادا اور پریا، باہر سے ابھی ابھی واپس آئے تھے۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ اپنے علاقے کے سرکاری اسکولز کی ویڈیوز بنا رہے تھے ان کے وسائل، مسائل، حالت زار، اساتذہ طلباء، روزانہ ایک ویڈیو اپنے یوٹیوب چینل پہ ڈال رہے تھے۔ بعض اسکولز کا معیار بہت عمدہ و اعلیٰ تھا اور بعض کا بہت ہی پست، ویورز کا بہت اچھا رسپانس آ رہا تھا خصوصاً چاکلیٹی کا مزاح، دادا کا طنز اور پریا کا نسبتاً سنجیدہ انداز دیکھنے والوں کو بہت پسند آتا تھا۔ اسکولوں کے بعد اب علاقے کے ہسپتالوں کی باری تھی۔

بلی نے سکنجبین بنائی تھی۔ گلاسوں میں ڈال کر سب کو کمرے میں پہنچائی اور خود اپنا گلاس پی کر کیبنٹ سے چاول نکال کر پکانے کی تیاری کرنے لگی۔ تب ہی فیضی بھائی وارد ہو گئے۔ ہاتھ میں آئس کریم۔

آج کل وہ بڑا مہربان ہو رہا تھا۔ کبھی چاکلیٹ آئس کریم، سموسے، مٹھائی، آئے دن کچھ نہ کچھ لے آتا تھا۔

دادی نے سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ ان سب مہربانیوں کی ضرورت نہیں ہے مگر آج پھر۔

''فیضی بھائی، آپ یہ تکلفات نہ کیا کریں۔ دادی ڈانٹیں گی۔'' بلی نے تنبیہ کی۔

''ان کو بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم رکھ لو، بعد میں کھالینا۔''

''دادی سے چوری چھپے ہم کوئی کام نہیں کرتے۔'' بلی نے بے اعتنائی سے جواب دیا اور پیاز کاٹنے لگی۔

فیضی کے چہرے پہ کشمکش تھی جیسے کچھ کہنا چاہ رہا ہو مگر۔ وہ یونہی خاموش کھڑا تھا جب بلی نے سر اٹھایا۔

''سکنجبین پئیں گے؟ بناؤں؟''

''نہیں۔'' فیضی کے تاثرات اور بھی ناقابل فہم ہو گئے۔

بلی چونک پڑی۔

''خیریت تو ہے؟ آپ پریشان لگ رہے ہیں؟''

''ہاں وہ دراصل ایک بات کہنی تھی تم سے۔'' فیضی نے سر کھجایا اور رکتے رکتے کہا۔

''تو اتنے حواس باختہ کیوں ہو رہے ہیں؟ کہیے۔'' بلی دھیمے سے ہنسی، سانولے چہرے پہ سفید، ہموار دانت چمک اٹھے۔

''اپنی شادی کے بارے میں بات کرنی تھی۔'' فیضی نے بڑی کوشش سے ایک جملہ کہا۔

''جی ......ی......ی......'' بلی کے ہاتھ سے چھری چھوٹ پڑی۔

''کیا کہہ رہے ہو میاں صاحب زادے؟'' دادی کی پاٹ دار آواز پہ فیضی کا چہرہ فق ہو گیا۔

☆☆☆

کیاریوں میں لگے دھنیے کے پودے تھوڑے تھوڑے بڑے ہو گئے تھے۔ مرچوں کا پودا تو اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اس میں چھوٹی چھوٹی مرچیں لگ رہی تھیں۔

بلی نے پودوں کو پانی ڈالا، دادا کو دوائی پلائی، دادی کا جوڑا استری کیا، انہیں دوپہر میں نہانا تھا۔ پریا نے گھر کی صفائی کر لی تھی۔ اب وہ کمرے میں گھسی، اپنی اگلی ویڈیو کی پلاننگ کر رہی تھی۔

بلی کچن صاف کر کے نہانے گھس گئی۔ دوپہر میں پکانے کا کچھ خاص نہیں تھا۔ رات میں مرغ، چنے کا سالن بنایا تھا۔ وہ رکھا تھا۔ لوکی کی بھجیا بھی تھی۔ دو تین روٹیاں ڈالنی تھیں اور تھوڑے سے چاول بوائل کرنے تھے۔ سو وہ نہالی اور پھر اپنا جوڑا سینے بیٹھی، دو دن سے کاٹ کر رکھا تھا مگر سینے کی فرصت آج ملی تھی۔

اتنے میں گیٹ کھلا اور شاہین بھابھی لڑ پڑ اندر داخل ہوئیں۔ آج تو وہ پورا ایک سا جوڑا پہنے تھیں۔ مگر جب قریب آ کر بیٹھیں تو دوپٹے میں یہ بڑا کھونچا سا را لگا ہوا تھا جو انہوں نے خود ہی دکھایا۔

''یہ کیسے لگ گیا؟''

www.pklibrary.com

"ابھی ابھی ہمارے دروازے میں کیل میں پھنس گیا اس روز میری آستین بھی الجھ گئی تھی۔ کئی بار کہہ چکی ہوں کہ ذرا ہتھوڑی مار کر کیل کو اندر کر دیں مگر بس ہاں ہاں کر کے رہ جاتے ہیں۔ یاد ہی نہیں رہتا۔"

"اچھا، لائیں اس دوپٹے کو سی دیتی ہوں ورنہ یہ اور پھٹ جائے گا۔"

"رہنے دو تمہیں زحمت ہوگی۔" وہ جھجکیں۔

"کوئی زحمت نہیں ہوگی۔" بیلی نے مسکرا کر ان کا پلو پکڑا اور اسے سی دیا۔

"اور کوئی نئی تازی؟"

"کچھ بھی نہیں، وہی پرانے ہم، وہی پرانی خبریں، حاشر کی وجہ سے پریشان رہتی ہوں۔ وہ جو اس دن مہمان آئے تھے وہاں بھی انکار ہو گیا۔" شاہین بھابھی نے منہ لٹکایا۔

"کیوں؟"

"پانچ فٹ پانچ انچ کی ہائیٹ تھی، اپنا حاشر پانچ فٹا، کہنے لگا، یہ تو قد میں مجھ سے نکلتی ہوئی ہے۔ ساتھ کھڑے ہوں گے تو کیسا عجیب لگے گا، بیوی، میاں سے بھی لمبی۔ میں نے تو کہا کہ جب لڑکی کو اور اس کے گھر والوں کو اعتراض نہیں تو، تو کیوں اتنی باریکیاں چھانٹ رہا ہے۔ مگر توبہ کرو مانا ہی نہیں کم بخت، ایک تو اس لڑکے نے ناک میں دم کر رکھا ہے میرا۔ کتنی لڑکیاں دکھا چکی ہوں۔ کہیں بات ہی نہیں بنی اب تک، میں نے تو کہہ دیا، بیٹا، خود ہی کوئی لڑکی پسند کر لے اور مجھے بتا دے، میں شادی کر دوں گی۔"

"جو نصیب میں ہوگی مل جائے گی بھابھی! آپ پریشان مت ہوں۔" بیلی نے انہیں تسلی دی۔

"تم ہی کوئی لڑکی بتا دو؟"

"تین لڑکیاں دکھا چکی ہوں۔ حاشر کو کوئی سمجھ میں ہی نہیں آتی پتا نہیں کیا چاہتا ہے۔ کوئی بہت زیادہ خوب صورت ہوتی ہے۔ کوئی بہت زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ کوئی بہت زیادہ پڑھی لکھی ہوتی ہے۔ ہر ایک میں مین میکھ نکال دیتا ہے۔ کتنی اچھی اچھی لڑکیاں بتائی تھیں میں نے، کوئی سمجھ میں ہی نہیں آتی اسے پتا نہیں کیا چاہتا ہے۔"

بیلی مشین اور زبان تقریباً یکساں رفتار سے ہی چل رہی تھیں۔

"بس ایک ہی بات کہتا ہے۔ میرے جیسی ہو، میرے ساتھ میچ کرتی ہو۔ بھلا بتاؤ، ماں نے تو کپڑوں کی میچنگ میں بھی اتنا تردد نہیں کیا اور بیٹا، لائف پارٹنر میں میچنگ ڈھونڈ رہا ہے۔"

شاہین بھابھی بولتے بولتے خود ہی ہنس پڑیں، پھر اچانک انہیں کچھ یاد آیا۔

"ارے یہ فیضی نے کیا کیا؟ کس سے شادی کر لی ایسے اچانک؟"

بیلی کے ٹراؤزر سیتے ہاتھ ایک لمحے کو تھم گئے۔

"ایک لڑکی سے۔" بیلی کا جواب نہایت سنجیدہ تھا۔

☆☆☆

ایک ہفتہ قبل۔

دادی کی پاٹ دار آواز سن کر فیضی کا چہرہ فق ہو گیا تھا اور پانچ منٹ بعد وہ دادا، دادی کے سامنے بیٹھا اقبال جرم کر رہا تھا۔ انکشاف ایسا تھا کہ دونوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"اتنی بڑی جرات؟"

"اپنی کولیگ سے نکاح کر لیا تھا۔ دو ہفتے گزر گئے کسی کو بھنک بھی نہیں لگنے دی۔ اب یہاں لانا چاہتا تھا اپنی نئی نویلی دلہن کو۔" دادا، دادی سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تو بیلی کو ہم راز و ہمنوا بنانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ دادی سے بات کرے۔

"نکاح کرنے کی ہمت تھی۔ بڑوں کو بتانے کی جرات نہ ہوئی؟" دادی چنگھاڑیں۔

"اپنے میاں باوا کو بتایا کہ نہیں؟"

"انہیں خبر ہوتی تو اب تک یہاں چڑھائی ہو گئی ہوتی۔" فیضی کی بے ساختگی پہ دادا نے مصنوعی کھانسی میں اپنی مسکراہٹ چھپائی۔ ادھر دادی بے نقط فیضی کی

www.pklibrary.com

گوشمالی میں مصروف تھیں اور وہ سر جھکائے سن رہا تھا۔

"لڑکی کے ماں باپ کو خبر ہے؟" دادا نے مداخلت کی۔

"اس کے والدین نہیں ہیں۔ بڑی بہن کے گھر نکاح ہوا ہے۔"

"اب کیا کرنا ہے میاں؟"

"اسے گھر لانا ہے اور تو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"یہاں۔" دادی اچھل پڑیں۔

"اور کہاں جاؤں؟" فیضی کے چہرے پہ بے چارگی اور مسکینیت چھا گئی۔ دادا کو ہمیشہ کی طرح ترس آ گیا۔

"لے آؤ اوپر کمرے کے ساتھ غسل خانہ اور کچن تو ہے جو کام کر لیا اسے نبھاؤ۔"

"اپنے ماں باپ کو تو بتا دو پہلے، کبھی وہ ہم پر چڑھ دوڑیں کہ ہم نے یہ چاند چڑھوایا ہے۔"

دادی نے دانت کچکچائے، بڑے میاں پہ غصہ آ رہا تھا ویسے تو ہر معاملے میں سستی دکھاتے تھے مگر اس وقت ایسی پھرتی دکھائی کہ بس دادی پیچ وتاب کھا کر رہ گئیں۔

فیضی کی اس حرکت کے بعد ان کا دل تو یہ تھا کہ بوریا بستر سمیت گھر سے نکال باہر کریں۔ مگر مجازی خدا نے جلدی سے فیصلہ کر دیا، ویسے انہیں فیضی سے کوئی پرخاش نہیں تھی مگر مبشر اور ثمینہ سے کچھ بعید نہ تھا بیٹے کی حرکت پہ، ان دونوں کی حمایت کا الزام لگا دیتے اور فیضی کی بیوی کے یہاں آنے کے بعد تو وہ اور بھی جانب دار اور حمایتی بن جاتے۔ مگر یہ باریکیاں ان بڑے میاں کو کون سمجھائے؟

"ابھی فون کرو اپنی ماں کو۔" دادی نے فیضی کو حکم دیا۔

"ارے یہ باتیں فون پہ کرنے کی ہیں؟ گھر بلا کے بٹھا کے، تسلی سے بات کرو۔" دادا نے پھر مداخلت کی۔

"تمہیں بہت چاؤ آ رہا ہے بار بار بولنے کا؟" دادی غرائیں۔

"لو میں نے کیا کہہ دیا اب؟" دادا معصوم اور انجان بن گئے۔

"سب کچھ تو کہہ دیا اب اور کیا کہو گے؟" دادی بھنا کر اٹھ ہی گئیں۔

فیضی نے اگلے دن کا سورج طلوع ہونے کا انتظار نہیں کیا، اسی دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے ہی فیضی کا نیا نویلا کارنامہ گھر پہنچ گیا۔

سرخ عروسی جوڑے میں ملبوس، ڈھیروں ڈھیر زیورات اور میک اپ میں غرق چھما چھم چمکتی دمکتی دلہن، دادا، دادی کی خدمت میں سلام کے لیے لائی گئی۔

"جیتی رہو۔" دادا کے لہک کر دعا دینے کے انداز میں دادی کی رکھائی زیادہ محسوس نہیں ہوئی۔

دونوں چلے گئے تو دادی شروع ہو گئیں۔

"بتاؤ ذرا کیا دور آ گیا۔ شادیاں بھلا یوں ہوتی ہیں؟ گھر لا کر دکھا دو لڑکی کو یہ لو اماں میری بیوی سے ملو۔"

"یہ طریقہ بھی ٹھیک ہی ہے۔ ہزار جھنجھٹوں اور خرچوں سے انسان بچ جاتا ہے۔" دادا نے مزے سے تبصرہ کیا۔

"وہ تو شادی کے بعد اب پتا چلے گا۔ کتنے جھنجھٹوں اور کتنے خرچوں سے بچت ہوتی ہے۔ اور ہاں تم یہ بتاؤ بڑے دیالو بن کر اسے اجازت دے دی اب اس کے میا باوا سے تم ہی نمٹنا۔"

"افوہ ایسا کیا غضب ہو گیا اپنی مرضی سے بیاہ کیا ہے ماں، باپ کی فرماں برداری کرتا تو دو گرمی پڑتیں۔"

☆☆☆

دادا نے جو بات بیگم کے سامنے کی وہی مبشر اور ثمینہ کے منہ پہ بھی کہہ دی، جو فون سنتے ہی بھاگے بھاگے چلے آئے اور دادی کی پیشن گوئی کے عین مطابق وہ بیٹے پر تو چراغ پا تھے ہی مگر دادا، دادی سے بھی شکایت کر رہے تھے کہ آپ نے انہیں گھر میں

www.pklibrary.com

پناہ کیوں دی ہوئی ہے اب تک، نکال باہر کیوں نہیں کیا؟

"چار دن ٹھوکریں کھائے گا تو ساری عقل ٹھکانے آجائے گی۔" ثمینہ بیگم کا غم و غصے کے مارے برا حال تھا۔

"میں نے تو کہا تھا کہ یہ معاملہ جھگڑے کی جھونپڑی ہے، اس سے دور ہی رہو خواہ مخواہ بعد میں برائی پڑے گی۔ کہنے والے کی زبان کون روک سکتا ہے۔" دادی نے جتلانے والے انداز اختیار کیا۔

"ہاں ...... یہ تو ہے۔" امی گڑبڑا گئیں مگر پھر بیٹے پہ ان کا غصہ دوبارہ عود کر آیا۔

"ساری عزت خاک میں ملا دی اس لڑکے نے ناک کٹوا دی ہماری، بیڑا غرق ہو اس کم بخت کا، جانے کیا کیا تعویذ گنڈے کروائے جادو ٹونا کر کے میرے بچے کو قابو کر لیا۔" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"برا نہ ماننا ثمینہ، تمہارا لونڈا کوئی دودھ پیتا معصوم بچہ تو نہیں ہے، کسی نے بہکایا اور وہ بہکاوے میں آ گیا؟"

"آج کل کی لڑکیاں بڑی چلتر ہیں پھانس لیا میرے لڑکے کو۔"

"اُفوہ چپ ہو جاؤ، اپنا کھوٹا ہی کمزور ہو تو دوسرے کا کیا دوش؟"

بیگم کے مسلسل واویلے پر مبشر تڑخ اٹھے، مایوسی اور صدمہ تو انہیں بھی تھا مگر وہ کم از کم اتنے انصاف پسند تو تھے کہ بیٹے کا کیا دھرا، بہو کے کھاتے میں نہیں ڈال رہے تھے۔

"اس سے تو اچھا تھا بلی سے ہی کر لیتا، سانولی تو ہے پھر گھر داری والی لڑکی ہے طریقے، سلیقے کی، جا کے گرا بھی تو کیچڑ میں اللہ ماری ٹک ٹا کر ہی ملی شادی کے لیے۔"

ثمینہ بیگم نے اپنے خیالات اپنے پاس ہی رکھے۔ زبان پہ لانے سے اجتناب کیا۔ مگر رہ رہ کے پچھتاوا ہو رہا تھا۔ اگر معلوم ہوتا کہ بیٹا یہ حرکت کر گزرے گا تو بلی کو ہی مانگ لیتیں دادی سے، مگر اب

کیا ہو سکتا ہے؟ سوائے کف افسوس ملنے کے۔

"کیوں نہیں، ہونے کو تو اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے اس گھٹیا لڑکی کو تو مرتے دم تک قبول نہیں کروں گی۔" ان کے اندر کی ضدی، ہٹ دھرم اور انا پرست عورت نے بڑے یقین سے سر اٹھایا تھا۔

☆☆☆

کمرا بڑا، روشن اور ہوا دار بھی تھا۔ بڑی بڑی دونوں کھڑکیوں پہ پردے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف ڈبل بیڈ بچھا تھا۔ الماری اور سنگھار میز بھی موجود تھے۔ فرنیچر سیکنڈ ہینڈ تھا مگر اچھی حالت میں تھا پالش ہو کر بالکل نیا ہی لگ رہا تھا۔

سنگھار میز پر کاسمیٹکس کی درجنوں چیزیں ترتیب سے رکھی تھیں۔ بیڈ پر خوش رنگ بیڈ شیٹ تھی جس پر بیٹھی لڑکی کا رنگ گورا اور بال سنہری رنگ میں ڈائی کیے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں نیلے رنگ کے لینس، بنارسی ساری میں ملبوس، ہم رنگ بھاری مصنوعی زیورات، بالوں کا اونچا سا جوڑا، چند لٹیں چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھیں۔ چہرے پر گہرا میک اپ مگر اسی میک اپ زدہ چہرے پر شدید غصہ اور برہمی تھی۔

"اتنا ذلیل کر کے گئیں تمہاری امی اور تم نے ایک لفظ نہیں کہا۔" وہ فیضی پر آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

"تو تم نے کون سی کسر چھوڑ دی۔ ہر بات کا جواب دے تو دیا۔ میں کیا کہتا؟" فیضی نے کندھے اچکائے۔

"تو کیا چپ چاپ سنتی رہتی؟ نکاح کیا ہے کوئی ایسے ہی اٹھ کر تو نہیں آ گئی۔ بہن کے گھر سے رخصتی ہوئی ہوں۔ تم تو اپنی ماں کے آگے ایسے گونگے بن گئے جیسے منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔"

"اچھا بس ختم کرو، پہلے امی ابو کی سنی اب تمہاری سنوں، رحم کرو مجھ پر ویسے بھی میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا امی ابو کے ری ایکشن کے بارے میں، جو بھی ہوا، اچانک نہیں تھا اور ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے بے بی، بہت دنوں تک بہت کچھ سننا

www.pklibrary.com

پڑے گا۔"

فیضی ہنسا وہ اپنے والدین کے مزاج اور طبیعتوں سے خوب واقف تھا اور اس کا انکشاف سن کر لائبہ کا منہ اتر گیا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ تھوڑا بہت شور مچائیں گے پھر ایگری ہو جائیں گے۔" اس کے چہرے پہ غصے اور برہمی کی جگہ اب مایوسی و اداسی لے رہی تھی۔

"کاش کہ اتنا ہی آسان ہوتا یہ سب، جتنی آسانی سے تم کہہ رہی ہو مگر ایسے خیالات اپنے دماغ سے نکال دو۔" فیضی بولتے بولتے ایک لمحے کو رکا۔

"ٹک ٹاک بنانی ہے یا نہیں؟"

"اس طبیلے میں؟" لائبہ نے منہ بنایا۔

"باہر چلتے ہیں بے بی، ویسے برائے نام کرائے پر یہ کسی بنگلے سے کم نہیں قدر کرو۔" فیضی نے اپنے نئے ہیئر کٹ پہ ہاتھ پھیرا جس میں خاصا اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"قدر نہیں، محنت کرو نوٹ کماؤ اور یہاں سے نکلو۔ اپنے خواب پورے کرنے ہیں بڑا سا بنگلہ اچھی سی گاڑی، لگژری لائف اسٹائل، میرے خواب بہت سارے ہیں اور بہت بڑے بڑے، کم سے کم وقت میں انہیں پورا کرنا ہے۔"

لائبہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سنگھار میز کے آئینے میں اس نے اپنا جائزہ لیا۔ لپ گلوس اٹھا کر ہونٹوں پہ پھیرا ۔ پرفیوم اسپرے کیا۔ کچھ دیر پہلے کی تلخی کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔ پرفیوم کی خوش گوار مہک اپنے اندر اتارتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لی اور فیضی کی طرف دیکھا۔

"کسی اچھے سے پارک چلو پھر ریسٹورنٹ دونوں جگہوں کی ویڈیو بنائیں گے۔"

"چلو۔" فیضی فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اور کلمہ شکر ادا کیا کہ بیوی کا موڈ ٹھیک ہو گیا، وگرنہ ساس بہو کی پہلی جنگ کے بعد اسے لگ رہا تھا کہ دو چار روز تک لائبہ کا منہ پھولا ہی رہے گا۔

خلاف توقع اس نے بہت جلد خود پر قابو پا لیا تھا مگر فیضی کو علم نہیں تھا نہ ہی اندازہ کہ دونوں ساس بہو کے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟ دونوں میں ایک خصلت مشترک تھی۔ دونوں ہی اپنی بے عزتی فراموش نہیں کرتی تھیں اور انتقام لینے پر یقین رکھتی تھیں۔

☆☆☆

رات بڑی پیاری سی تھی، بالکل کسی محبوب دل نواز کی طرح اجلی، اتھری، سنہری چاندنی میں نہائی۔ محبت کی طرح بھید بھری، نہ بالکل عیاں، نہ مکمل نہاں اتنی جگنوسی رات کا ساتھ دینے اٹھلاتی ہوا بھی مہکی مہکی چلی آئی۔ اس شہر نا پرساں کی بانہوں میں ایسی راتیں کم کم ہی آتی ہیں۔

بیلی اور پریا چھت پر موجود تھیں۔ صاف شفاف فیروزی آسمان تلے، فیضی بھائی اپنی بیگم کے ساتھ باہر نکلے ہوئے تھے۔ پریا کے ہاتھ میں پاپ کارن کا پیالہ تھا۔ جنہیں کھاتے ہوئے وہ بیلی کا دماغ بھی کھا رہی تھی۔

"فیضی بھائی اور بھابھی کی ٹک ٹاک دیکھیں آپ نے؟ شادی پہلے کر لی اور سیریمنی اب ہو رہی ہے۔ مایوں، مہندی، ڈھولکیاں، برائیڈل شاور، نکاح، رخصتی، ولیمہ، ساری ویڈیوز بنا کے ڈال دیں۔ جیسے سچ مچ یہ سب ہوا ہے۔ سوائے نکاح کے باقی سب ٹوپی ڈرامہ ہے۔"

"منگنی بھول گئیں، اس کی تقریب بھی ہے۔" بیلی مسکرائی۔

"ہاں۔" پریا کو یاد آیا۔ "آپ نے دیکھیں سب؟"

"تم نے ہی تو دکھائی تھیں۔"

"ہاں۔ میں بھول گئی۔" پریا نے اپنے سر پہ ہاتھ مارا "میں آج کل بہت بھلکو ہوتی جا رہی ہوں۔"

"اچھی بات ہے، کبھی کبھی انسان کو بھلکو بھی ہو جانا چاہیے۔ سب کچھ یاد رکھنا ضروری نہیں۔" بیلی کی نگاہیں سامنے آسمان پر تھیں۔

رات ہوا، چاندنی سب کچھ سحر انگیز تھا۔ اور یہ

www.pklibrary.com

سارے استعارے دل کو کبھی خوشیوں سے، خوابوں سے بھر دیتے ہیں تو کبھی ریت بن کر مٹھی سے پھسلے کچھ لمحوں کی کسک پھر سے تازہ ہو جاتی ہے ایک ٹیس، ایک چبھن کا احساس پھر سے ابھرنے لگتا ہے۔

چلتی پروائی انجانے میں ہی سہی، بے خیالی میں، بے دھیانی میں دل کے گھاؤ پر سے کھرنڈ اتار جاتی ہے۔ اور زخم بے شک معمولی سا ہو، مگر ہوتا تو زخم ہی ہے، دکھ دینے والا، تکلیف دینے والا، بیلی اپنے خیالوں میں گم تھی۔ پریا کہاں کہاں کی ہانک رہی ہے اس کے کانوں میں فقط آواز آرہی تھی، مفہوم نہیں، پریا نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

''آپا، اور لاؤں؟''

''ہاں۔'' وہ چونک پڑی۔

''پریا پاپ کارن کا خالی پیالہ ہلا رہی تھی۔ ابھی لاتی ہوں۔'' وہ بھاگم بھاگ سیڑھیاں اترنے لگی۔

بادل کا ایک ٹکڑا بے سمت ادھر ادھر سفر کر رہا تھا۔ مہکی ہوا بیلی کے چہرے سے، آنچل سے ٹکرائی، وقت کے کئی پردے سرک سرک گئے۔

فیضی کا نام اس کے نام کے ساتھ پہلے پہل اکثر لیا جاتا تھا جب وہ دونوں اسکول میں تھے، دادا، دادی سے پہلے فیضی کے والدین بھی کئی بار آپس کی باتوں میں، کبھی ہنسی ہنسی میں اسے بہو رانی، بہو رانی پکارتے تھے، تب یہ دونوں بھی آج کے مقابلے میں بہت مختلف تھے۔ بیلی کی سانولی رنگت میں ملاحت، تازگی اور کشش بہت تھی۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں معصومیت اور حیرت کا سمندر موجزن رہتا تھا۔

تب فیضی یہیں رہتا تھا اور اسے بیلی کے آس پاس ہی رہنا اچھا لگتا تھا۔ ان دنوں شانو آپا کی شادی ہوئی تھی، دونوں نے ایک ساتھ کھڑے ہو کر تصویر کھنچوائی تھی جسے دیکھ کر فیضی نے کہا۔

''ہم دونوں کی جوڑی کتنی اچھی لگ رہی ہے۔''

اور واقعی وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت جچ رہے تھے فیضی پڑھائی میں بہت ہوشیار تھا۔ بیلی کی انگریزی اور حساب میں مدد کرتا تھا۔ تب وہ بڑا مہربان ہوا کرتا تھا۔ جو بھی چیز کھاتا اس میں سے بیلی کا حصہ ضرور نکالتا۔

ایک روز اسے پڑھاتے پڑھاتے فیضی نے سر اٹھا کر اچانک سے کہا۔

''ہم بعد میں بھی یہیں رہیں گے۔ دادا، دادی کے ساتھ۔''

''بعد میں؟'' بیلی کو کچھ دیر بعد اس ''بعد'' کا مطلب سمجھ آیا تو اس کا دل بے طرح دھڑک اٹھا اور آنکھیں اٹھا کر فیضی کی طرف دیکھا بھی نہیں گیا۔ ایسے واضح اقرار اور وعدے اس نے کم کم ہی کیے تھے۔ دونوں کے درمیان جو کچھ بھی تھا وہ ایک معنی خیز خاموشی کی دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ جس کے آر پار بھی نظر چلی جاتی کبھی نہیں۔

پھر دھیرے دھیرے جیسے وقت گزرتے گزرتے کبھی بدل جاتا ہے، ایسے ہی انسان بھی بدل جاتے ہیں اور وہ بدل ہی گئے۔ فیضی اپنے گھر چلا گیا۔ وہ نظریں جو پسندیدگی کی خاص جھلک لیے ہوئے تھیں۔ وہ باتیں جو اپنے اندر کچھ معنی کچھ خواب رکھتی تھیں۔ دھیرے دھیرے سب معدوم ہوتی چلی گئیں۔

مبشرا اور ثمینہ نے فراموش کر دیا کہ کبھی وہ بیلی کو بہو بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انہیں محسوس ہوا کہ ان کا بیٹا بہت قابل ہے۔ انٹر میں بہت اچھے نمبر آئے تھے۔ سب کو لگ رہا تھا کہ آگے چل کے ڈاکٹر انجینئر ہی بنے گا۔

دونوں میاں بیوی کو اپنی اپنی بڑی ہوتی بھانجیاں نظر آئیں۔ جن کے ساتھ خوب صورتی بھی تھی اور ڈھیروں جہیز کی امید بھی۔ بیلی کے پاس تو ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا حسن سانولا تھا جسے اکثریت حسن سمجھتی ہے نہ مانتی ہے اور جہیز اس کا وہ سگھڑاپا، گھرداری کا طریقہ سلیقہ، اچھے آداب اخلاق

www.pklibrary.com

جو سکھائے گئے تھے۔ یہ سب گن غیر اہم اور بے کار ہو گئے۔

اشاروں، کنائیوں میں بولتے بولتے ایک روز ثمینہ بیگم آئیں تو بلی کو ٹوک ہی دیا۔

"یہ کیا تم فیضی فیضی کرتی رہتی ہو۔ بڑا ہے تم سے، فیضی بھائی کہا کرو، کزن بھی سگے بھائی کی طرح ہی ہوتا ہے۔"

بلی خفیف ہو گئی۔ بڑوں کے آگے بولنے کی اجازت تھی نہ عادت سو اپنی گہری، سیاہ آنکھیں جھکا کر چپکی ہو رہی۔ دادا بے بسی سے دیکھتے اور سنتے رہ گئے اور دادی اپنی پیش گوئی اور خدشات درست ہوتا دیکھ کر غصے اور مایوسی کے گھونٹ بھر کے رہ گئیں۔ اگرچہ وہ بولنے میں بلکہ سنانے میں ماہر تھیں مگر سنانے کو کچھ تھا نہیں۔

کون سا باقاعدہ رشتہ ہوا تھا؟ جو بھی تھا، زبانی کلامی تھا اور یوں بھی ان کا زور نہیں تھا کسی پر، پھر رشتے ناتے زبردستی تو نہیں ہوتے۔ انہوں نے دادا، دادی کے سامنے جتا بھی دیا کہ فیضی راضی نہیں ہے۔ جب پڑھ لکھ کے کچھ بن جائے گا پھر سوچے گا۔

بہت آرام اور بہت آسانی سے وہ سب پیچھے ہٹ گئے تھے اور نوعمر بلی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اسے وقت لگا۔ سب کچھ پیچھے چھوڑ کر آگے آنے میں کئی برس گزر گئے تھے اس نے خود کو بہلا بھی لیا تھا۔ سمجھا بھی لیا تھا، سچ مچ اب وہ دکھ وہ افسوس نہیں تھا جو نو عمری میں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی، بس یونہی، ایک کسک سی ہوتی تھی جیسے آج کل ہو رہی تھی دل کے آئینے پہ ایک غبار سا جمع ہو رہا تھا۔ جسے وہ صاف کر دیتی اور وہ پھر جمع ہو جاتا۔

"اور ایک بار پھر سب کچھ ٹھیک ہو ہی جائے گا۔ بس کچھ وقت۔" بلی نے سوچا۔

بادل دھیرے دھیرے ہٹا اور چاند اپنی تمام تر آب و تاب کے ساتھ پھر نمایاں ہو گیا۔

سیڑھیوں کی طرف سے آواز آ رہی تھی۔ چند لمحوں بعد پریا اس کے سامنے تھی۔ ہاتھ میں پاپ کارن کا پیالہ۔

"کیا سوچ رہی ہو آپا؟"

"یہی کہ کل کیا پکاؤں؟" بلی ہلکے پھلکے انداز میں مسکرائی۔

"اف ف...... دنیا کا سب سے اہم سوال۔" پریا نے آنکھیں میچیں "بلکہ دو سوالات ہیں سب سے امپورٹنٹ ایک تو یہی آج کیا پکایا جائے؟"

"دوسرا شادی؟ کب اور کہاں ہوگی؟ کیسے اور کیونکر ہوگی؟ ویسے اگلی ویڈیو اسی پر بنانی چاہیے۔ ہم لوگوں نے ان دو معاملات اور سوالات کو دنیا کے سب سے بڑے مسائل بنایا ہوا ہے۔ ہے نا؟"

"اچھا آئیڈیا ہے؟" بلی نے چھت کی منڈیر سے ہاتھ ہٹائے اور نیچے جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟ یہ کون کھائے گا؟"

"نیچے لے آؤ۔" بلی سیڑھیاں اترتے ہوئے بولی۔

"نیچے ہی کھانے تھے تو پہلے ہی بول دیتیں، مجھے بار بار چکر تو نہیں لگانا پڑتا۔"

"کوئی بات نہیں، سیڑھیاں چڑھنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔"

"مگر موڈ تو خراب ہو جاتا ہے نا۔" پریا دھپ دھپ کرتی کمرے میں گھس گئی۔

☆☆☆

رات دن ویڈیوز بنا بنا کر فیضی بری طرح تھکن کا شکار تھا۔ دن میں نوکری بھی تھی۔ روزانہ شام میں، رات میں اور چھٹی والے روز، ٹک ٹاک بنا بنا کر دھڑا دھڑ لگا رہے تھے مگر ملنے والے "لائکس" اور "سبسکرائبرز" ان کی توقعات سے بہت کم تھے۔ کمنٹس اچھے برے ہر طرح آتے تھے لیکن کبھی کبھی تو ایسے بے ہودہ ہوتے کہ فیضی کا خون کھول جاتا مگر لائبہ اسے سمجھا بجھا کر دیتی۔ اس کے سمجھانے کا لب لباب یہی تھا کہ "اس طرح تو ہوتا ہے اس

www.pklibrary.com

طرح کے کاموں میں۔"

فیضی کے سر میں درد تھا۔ انتظار کر رہا تھا کہ لائبہ چینج کر کے آئے تو اس سے چائے کا کہے۔ لائبہ لباس تبدیل کر کے آئی اور فیضی کے کچھ کہنے سے قبل ہی شروع ہو گئی۔

"پہلے مجھے اتنے "لائکس" ملتے تھے۔ مگر جب سے شادی ہوئی ہے ایسا لگتا ہے، ویلیو ڈاؤن ہو گئی ہے۔" سنگھار میز کے آئینے میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے لائبہ نے گوہر افشانی کی۔

"کیا مطلب؟" فیضی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی، ایک تو پہلے ہی سر درد سے پھٹ رہا تھا اوپر سے یہ باتیں۔

"مطلب یہ کہ شادی اور لائف پارٹنر کسی کے حق میں لکی ہوتا ہے اور کسی کے لیے۔" لائبہ نے جملہ ادھورا چھوڑا اور چہرے پہ فاؤنڈیشن ملنے لگی۔

"اچھا یہ فضول باتیں چھوڑو اور مجھے چائے بنا دو۔ ساتھ میں ایک ٹیبلیٹ بھی، سر درد سے پھٹ رہا ہے۔" فیضی نے بات کو رفع دفع کیا۔ بحث کرنے کی نہ ہمت تھی۔

"میک اپ کر رہی ہوں، اب یہ سب لگا کر چولہے کے آگے جاؤں؟"

لائبہ نے لاپروائی سے بولتے ہوئے چہرے پہ بیس لگانے کا عمل جاری رکھا۔

"میرے سر میں درد ہے مجھے چائے چاہیے، کھانا تو تم نے آج تک بھی بنایا نہیں۔ باہر کا ہی کھایا ہے ہمیشہ۔ اب ضرورت پڑنے پر ایک کپ چائے نہیں بنا سکتی ہو۔" فیضی کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"کھانا اور چائے بنوانے کے لیے شادی کی تھی مجھ سے؟ جو طعنے دے رہے ہو۔" فیضی سے زیادہ لائبہ تلخ ہو گئی۔

"طعنہ نہیں دیا، حقیقت بیان کی ہے۔ اب جاؤ اور چائے بنا کر لاؤ؟" فیضی غرایا۔

"میں تیار ہو رہی ہوں۔ مجھے ویڈیو بنانی ہے۔ چائے ہوٹل سے لے آؤ یا نیچے سے بنوا لو۔" لائبہ نے ٹکا سا جواب دیا۔

"نیچے سے کیوں بنوالوں، شادی تم سے کی ہے یا۔" فیضی کچھ بولتے بولتے رک گیا۔ اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اگر کچن کے کاموں کے لیے مجھ سے شادی کی ہے تو غلط کیا۔" لائبہ کے ہاتھ اور زبان یکساں مہارت کے ساتھ چل رہے تھے۔

فیضی کے صبر اور برداشت کی حد یہیں تک تھی۔ مزاج میں تندی اور تیزی پہلے ہی سے تھی اس وقت درد سے پھٹتے سر کی وجہ سے وہ مزید آتش فشاں بن گیا۔ اس نے کبھی اپنے والدین کی نہیں سنی تو بیوی کی یہ زبان کیسے برداشت کرتا، وہ ایک زقند بھر کے لائبہ کے قریب جا پہنچا۔

"میں کرتا ہوں تیری تیاری۔" ایک جنون کے عالم میں اس نے وہ سب لائبہ کے چہرے پہ تھیڑنا شروع کر دیا جو ڈریسنگ ٹیبل پر کھلا پڑا تھا۔

اس کی مضبوط گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے لائبہ بری طرح چیخنے لگی۔ مگر فیضی کو نہ اس کے چیخنے کی پروا تھی نہ اس بات کی فکر کہ جو کچھ وہ اس کے چہرے پہ بے دردی سے تھیڑ رہا ہے وہ اس کی آنکھوں میں، منہ میں اور ناک میں گھس رہا ہے۔

یہ شور شرابا نیچے تک پہنچا تو دادی نے گھبرا کر پریا اور جا کلیئی کو اوپر بھیجا۔ بلی گھر پر نہیں تھی۔ وہ شاہین بھابھی کے گھر تھی۔

ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے تین نفوس میں سے ایک کے آگے چائے سموسے رکھے تھے، اور وہ احتجاج کر رہی تھی۔

"میں کوئی مہمان ہوں؟ اتنے تکلفات؟"

"لو، چائے سموسہ بھی کوئی تکلف ہے؟ اب فٹافٹ کھالو ورنہ ٹھنڈے ہو جائیں گے۔" شاہین بھابھی نے اپنائیت سے ڈانٹا۔

"اب کھا بھی لو، گرم گرم کڑاہی سے نکلوا کر لایا تھا۔ سنا ہے چائے سموسے کھا کر اچھے اچھے رشتے بتائے جاتے ہیں۔" حاشر کی نظریں موبائل پر تھیں اور

www.pklibrary.com

مخاطب بلی سے تھا۔

"ہم نے تو اس کے بغیر بھی اتنے اچھے اچھے رشتے بتائے، تمہیں پتا نہیں کیسی حور چاہیے۔ وہ پری کہاں سے لائیں تیری بیگم جسے بنائیں۔"

"ارے بابا۔ نہ حور چاہیے نہ پری۔ اسی دنیا کی مخلوق ہو میری امی جیسی، تم جیسی، گھل مل کر رہنے والی، امی کے ساتھ مل جل کر رہے۔ دراصل دوسروں کے حالات دیکھ دیکھ کر ڈر لگتا ہے؟" حاشر ایک روانی میں اپنے دل کی بات بتاتا چلا گیا۔

"لو بھئی، کھودا پہاڑ، نکلا چوہا، تم کسی آنے والی نئی لڑکی کو نہیں جانتے مگر اپنی امی کو تو جانتے ہو، مجھے یقین ہے کہ ان کی اپنی بہو کے ساتھ بہت اچھی سیٹنگ ہو جائے گی۔ تم اپنی فکر کرو، پل میں تولہ، پل میں ماشا تمہارے ساتھ کس کا گزارا ہوگا؟"

بلی نے سموسوں کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اور حاشر کو آئینہ دکھانے میں کسی تکلف سے کام نہ لیا۔

"میرا کیا ہے جیسے ہی شوہر کے عہدے پہ فائز ہوا تو سدھر جاؤں گا۔ جیسے کہ اکثر لڑکے سدھر جاتے ہیں۔" حاشر نے بڑے مزے سے جواب دیا۔

شاہین بھابھی اور بلی دونوں کی ہنسی نکل گئی۔ مگر بھابھی اس بار بہت سنجیدہ تھیں اسی لیے انہوں نے اعلان کیا اور بیٹے کو دھمکی دی۔

"بس اس بار لڑکی فائنل ہو جائے گی، جیسی بھی ہو۔ اب کوئی انکار نہیں چلے گا۔"

اور اگر خود انہوں نے "نہ" کردی تو؟" حاشر کے چہرے پہ مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ شرارت ناچ رہی تھی۔

"دیکھ حاشو! اگر تو نے اس بار بھی کوئی گڑبڑ کی تو دماغ درست کردوں گی میں۔"

"میں گڑبڑ نہیں کرتا امی جان، بعض لوگوں کی باتیں اور ڈیمانڈز ایسی ہوتی ہیں کہ نہ کرنی پڑتی ہے۔ کوئی گھر داماد بنانے کی بات کرتا ہے، کوئی الگ رہنے کی بات کرتا ہے، ایسی جگہ شادی کریں گی تو اپنے ہیرے جیسے لائق فائق بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔" حاشر نے کالر اکڑایا۔

"تم بچپن سے ہی اپنی تعریفیں خود کرنے کے شوقین ہو۔ ابھی تک یہ عادت گئی نہیں!"

بلی نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے آنکھیں پھیلائیں۔ وہ دونوں ایک ہی اسکول میں تھے۔ اور ایک ہی کلاس میں، میٹرک کے بعد کالج الگ الگ ہو گئے تھے۔

"دیکھو لڑکی، انسان کو اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے کہ دوسرے لوگ اس کی تعریف کریں کیونکہ دوسرے لوگوں کو یہ توفیق کم ہی نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے یہ نیک کام میں خود کر لیتا ہوں۔"

"بس باتیں بنوالو اس لڑکے سے، یہ لے سموسہ تو کھالے سارا ٹھنڈا کردیا۔" شاہین بھابھی نے بیک وقت ڈانٹ اور لاڈ دونوں سے کام لیا۔

"ابے یہ کیا ہے؟" سموسہ اٹھاتے ہوئے حاشر نے بلی کی آنکھیں دیکھیں اور زور سے چیخا۔

"کیا؟" بلی سراسیمہ ہوگئی۔

"اچھی بھلی آنکھوں میں یہ کالا کالا کیا لگا لیتی ہو تم لڑکیاں؟"

"تو بہ ہے حاشر! دل دہلا دیا میرا، کاجل ہے اور کیا ہے، سب لڑکیاں لگاتی ہیں، میں خود بھی لگاتی تھی پہلے، یہ تو میاں اور بچوں نے مل کر سدھ بدھ کھودی۔" بلی سے پہلے شاہین بھابھی نے جواب دے دیا۔

"بے کار آنکھیں خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تم تو اس کے بغیر بھی اچھی لگتی ہو۔" حاشر سموسہ منہ میں رکھتے ہوئے بلی کو بغور دیکھ رہا تھا۔ مگر انداز میں وہی ازلی سادگی اور لاپروائی تھی۔

"افوہ، بہت ہی بولتے ہو، چپ ہو جاؤ ذرا دیر۔" بلی جز بز ہوگئی۔ جلدی جلدی باقی ماندہ چائے حلق میں انڈیلی۔

"وہ تو بتا دو جو بتانے آئی تھیں۔"

www.pklibrary.com

''بھابھی کو بتادوں گی۔''

''معاملہ میرا، شادی میری، بھابھی کون ہوتی ہیں بیچ میں خوامخواہ۔'' حاشر نے جان بوجھ کر ماں سے چھیڑ خانی کی۔

''پتا نہیں کب بڑا ہوگا یہ لڑکا؟'' شاہین بھابھی نے اپنے سر پہ ایک ہاتھ مارا۔

''کبھی نہیں، ابھی تک اس کا بچپن ہی نہیں گیا۔'' بلی نے نفی میں سر ہلایا۔

''بچپن اچھا ہوتا ہے، معصوم ہوتا ہے، شکر کرو بڑا نہیں ہوا۔ ورنہ میں بھی خرانٹ اور مکار ہوتا۔'' حاشر نے اپنا سموسہ ختم کیا۔

''تمہارا مطلب ہے ہم خرانٹ ہیں۔ مکار ہیں؟'' بلی نے برا مان کر کہا۔

''بالکل ہو۔ بہت ہو۔ میری ماں پہ قبضہ کیا ہوا ہے، جب دیکھو بلی کی تعریفیں، ہر وقت بلی، بلی، بلی اے میرے اللہ ہم جیسی مظلوم اولادیں دی کہاں جائیں؟''

اپنے سر پہ ہاتھ رکھ کے حاشر نے ایک دردناک صدا لگائی اس کی نوٹنکی اپنے عروج پر تھی۔

''کیا کرے گا یہ شادی کے بعد؟ کبھی سیریس ہی نہیں ہوتا۔'' بلی نے بدقت اپنی مسکراہٹ دبا کر تبصرہ کیا۔

''سیریس تو بہت ہوں، مگر کسی کو نظر ہی نہیں آتا۔'' حاشر نے یک بیک سنجیدہ ہو کر چائے کا کپ منہ سے لگالیا۔

بلی اور شاہین بھابھی دونوں نے آنکھیں سکیڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا اور کندھے اچکا کر رہ گئیں۔

☆☆☆

ثمینہ بیگم کی آمد بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ تقریباً ہر چھٹی والے دن آ موجود ہوتیں اور دادا دادی کے سامنے اپنے دکھڑے روتیں، جلے دل کے پھپھولے پھوڑتیں...... ساری باتوں کا لب لباب یہی تھا کہ کسی طرح اس بدذات تنک ٹاکر سے چھٹکارا مل جائے۔ اس بار آئیں تو جو بریکنگ نیوز ان کو ملی وہ خوش خبری ہی تھی۔

''ہائے میرے اللہ! لاکھ لاکھ شکر ہے تیرا، وہ مردار نکل گئی اس گھر سے، چھوڑ دی میرے بچے کی جان، شکرانے کے نفل پڑھوں گی گھر جا کر۔'' ثمینہ بیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

''تمہیں نہیں معلوم! بیٹے نے نہیں بتایا؟'' دادی حیران تھیں۔

''پرسوں ہی بات ہوئی تھی فون پر، کچھ نہیں پھوٹا منہ سے۔'' ثمینہ بیگم نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''انہوں نے تو اپنے پیج پر بھی لگایا ہوا ہے۔ لائبہ فیضی بریک۔ اپ کے ٹائٹل سے، پوری اسٹوری ہے۔ فیضی بھائی کو دنیا کا سب سے ظالم شوہر بتایا ہے۔'' پریا نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''خدا کی مار۔ اس منحوس ماری پر، اچھا ہوا۔ چھوڑ کر چلی گئی۔ میرے ہیرے جیسے بیٹے کے لائق ہی کہاں تھی۔ فیضی کے لائق تو بس ایک ہی ہے، اسے ہی بہو بناؤں گی۔ اس بار تو اس لڑکے کو من مانی نہیں کرنے دوں گی۔''

وہ اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے اعلانات کر رہی تھیں۔ جب فیضی آیا۔ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ ستا ہوا چہرہ، بڑھی ہوئی شیو۔

''کیا حشر کر دیا ڈائن نے میرے بچے کا۔ ایسا تو نہیں تھا میرا چاند۔'' ثمینہ بیگم پر رقت طاری ہونے لگی۔

''ابو کیسے ہیں؟'' فیضی نے باپ کا حال پوچھا۔

''ٹھیک ہیں، ویسے یہ سوال گھر آ کر بھی پوچھ سکتے ہو۔'' وہ شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

''گھر آؤں تو آپ دونوں مجھے شٹل ٹاک بنا کر اپنے جھگڑوں میں الجھ جاتے ہیں۔'' فیضی نے صاف گوئی سے کہا۔

''اچھا یہ سب باتیں چھوڑو، یہ بتاؤ اس چڑیل کو طلاق دی یا نہیں؟'' ثمینہ بیگم نے سوال کیا۔

''اتنا آسان نہیں ہے یہ سب جتنا آپ نے

www.pklibrary.com

سمجھ لیا۔" فیضی نے سر جھٹکا۔

"مشکل کیا ہے؟ جیسے جھٹ پٹ نکاح کیا تھا، ایسے ہی جھٹ پٹ طلاق بھی ہو سکتی ہے۔"

"ابھی خاموش ہو جائیں یہ سب باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔" فیضی جھلا گیا۔

"گھر آنا، پھر بات کروں گی۔" ثمینہ بیگم نے دبے لفظوں میں اسے تاکید کی۔

"دیکھتا ہوں۔" فیضی ہر ایک سے اور ہر بات سے بے زار تھا۔

☆☆☆

سردی تو گویا چار دن کی چاندنی تھی، چٹک چٹک کے ختم ہو رہی تھی۔ بارشوں کے چنچل من کو جانے کیا سوجھی کہ اٹھلاتے ہوئے پہلے گنگنائی، مستی میں لہرائی اور پھر دل کھول کے یوں برسی کہ سب کچھ جل تھل کر دیا۔

فیضی پانی میں شرابور، سر سے پاؤں تک بھیگا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ تھمتے تھمتے بارش کا راگ بس اب دھیمی سی پھوار بن گیا تھا اور وہ بھی اختتام پذیر تھا۔ فضا میں بارش کی گیلی گیلی اور مٹی کی سوندھی سوندھی مہک کے ساتھ ساتھ تلے ہوئے پکوڑوں کی خوشبو بھی پھیلی ہوئی تھی۔

"آؤ بھئی فیضی میاں، فٹافٹ کپڑے بدل کر آجاؤ، ورنہ پکوڑے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔" دادا جان نے بے تکلفی سے ہانک لگائی۔ دادی نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔

"ارے تمہارا ہاتھ کیوں رک گیا۔ کھاؤ نا، کیسے مزے کے پکوڑے بنائے ہیں۔ بٹیا نے اور چٹنی تو واہ واہ سبحان اللہ۔"

دادا ایک کے بعد ایک پکوڑا مع چٹنی کے، منہ میں رکھ رہے تھے اور جھوم رہے تھے۔

"اپنا پیٹ سمجھ کر کھاتی ہوں۔ تم بھی ذرا احتیاط سے کام لو اور بس کرو۔ غضب خدا کا۔ آدھی پلیٹ پکوڑے اور ڈھیر ساری چٹنی کھا گئے۔ وقت بے وقت طبیعت خراب ہوئی تو اسپتال لے جانے والا بھی کوئی نہیں۔" دادی نے اپنے لاپرواہ اور چٹورے شوہر نامدار کو گھورا۔

"بیگم صاحبہ بھوکا رہ کر مرنے سے بہتر ہے انسان پیٹ بھر کے دنیا سے رخصت ہو۔" دادا نے ایک اور پکوڑا چٹنی میں ڈبویا۔

"ہاں، اپنے دانتوں سے اپنی قبر کھودلو۔" دادی نے آگے سے پلیٹ اٹھالی۔ دادا ہائیں ہائیں کرتے رہ گئے۔ اتنے میں فیضی بھی کپڑے تبدیل کر کے نیچے آ گیا۔ پریا کچن سے کمرے تک پکوڑوں کی بلا تعطل ترسیل کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی۔ بلی کچن میں کڑھاؤ چڑھائے ہوئے تھی۔

"یہ لو میاں، پکوڑے کھاؤ اور برسات کا لطف اٹھاؤ۔" دادا نے فیضی کو مخاطب کیا۔

فیضی بیٹھ گیا اور چہرے پہ زبردستی کی مسکراہٹ سجائی جو کم از کم دادی کی تیز نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکی۔

"لائبہ کو لینے نہیں گئے تم!" دادی نے سوال کیا۔

"نہیں، آنا ہو گا تو خود آ جائے گی۔" فیضی کے لہجے میں تلخی بھی تھی اور تنخی بھی۔

"اور نہیں آئی تو؟"

"نہ آئے، بھاڑ میں جائے، مجھے کون سا سکھ دے دیا اس نے، جتنے دن رہی بس اپنی اداؤں میں رہی۔ تیار ہو گئی، ویڈیو بنالی۔ اپ لوڈ کر دی، بس صبح سے شام اور شام سے رات تک یہی کھیل تماشا چلتا رہتا تھا۔ نہ اسے شوہر کا پتا تھا، نہ گھر کا، نہ گھر کی ذمے داریوں کا۔" فیضی ان کے سامنے پھٹ پڑا۔

"آہستہ آہستہ عقل آ جاتی ہے بیٹا، گھر گرہستی کا طریقہ سلیقہ بھی آ جاتا ہے، بس کچھ وقت لگتا ہے۔" دادا نے رسان سے سمجھایا۔

"طریقہ سلیقہ انہیں آتا ہے جنہیں شوق ہو۔ اپنے ساتھ وابستہ رشتوں اور انسانوں کی پرواہ ہو۔ اسے صرف اپنا خیال رکھنا آتا ہے، اور بس۔"

"یہ سب تمہیں پہلے دیکھنا چاہیے تھا۔ اب یہ سب تماشے کرنے سے کیا حاصل، بیوی کو گھر لے کر

www.pklibrary.com

آؤ۔ کچھ اس کی مانو، کچھ اپنی منواؤ، گھر ایسے ہی بستے ہیں۔ غصہ کتنا ہی تیز ہو۔ عورت پہ ہاتھ اٹھانا کوئی مردانگی نہیں۔"

دادی نے بھی سنجیدگی سے نصیحت کی۔

فیضی چند سیکنڈز خاموش رہا۔ وہ پکوڑا کھا رہا تھا۔ پھر اس نے باری باری دادا، دادی کی طرف دیکھا۔

"میں نے لائبہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ امی، ابو کی مرضی بھی یہی ہے۔" فیضی نے اگلا پکوڑا پلیٹ سے اٹھاتے ہوئے کہا تو اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو میاں؟" دادا کے ہاتھ سے پکوڑا چھوٹ کر غڑاپ سے چٹنی میں ڈوب گیا۔ دادی بھی ہڑبڑا گئیں۔ مگر فیضی بڑے آرام اور سکون سے پکوڑوں کے ساتھ انصاف کرتا رہا۔

☆☆☆

بارش کے بعد موسم کافی خوش گوار ہو گیا تھا۔ اور یہی نرمی، ملائمت اور خوش گواریت ثمینہ بیگم کے لہجے میں تھی۔

"جو ہوا، سو ہوا، اسے بھول جائیں، فیضی نے بہت بڑی غلطی کی، مگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ بھی اس کی بھول کو فراموش کر کے آگے بڑھیں، کیوں مبشر؟" انہوں نے اپنی مدد کے لیے شوہر صاحب کو ٹہوکا دیا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، اس لڑکے نے خود ہی اپنی زندگی برباد کرنے کی کوشش کی مگر شکر ہے کہ اسے اب اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔"

شوہر صاحب نے بھی حیرت انگیز طور پر اپنی بیگم کی تائید کی جو اس سے پہلے شاذ و نادر ہی کبھی کی ہو۔

دادا خاموش بیٹھے شاید کچھ سوچ رہے تھے۔ مگر دادی چپ نہ رہ سکیں۔

"اور وہ تم دونوں کی بھانجیوں کا کیا ہوا، جن کے پیچھے ایک دوسرے سے جھگڑے کر رہے تھے۔"

دادی کا تیکھا لہجہ سن کر دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ ہم دونوں نے اب یہ معاملہ فیضی کی مرضی اور پسند پر چھوڑ دیا ہے۔ ہم دونوں نے اپنی اپنی ضد چھوڑ دی ہے۔" ثمینہ بیگم نے جلدی جلدی بول بول کر وضاحت پیش کی۔

دادی نے ایک "اونہہ" کی جس میں چھپا ہوا تھا کہ مجھے بے وقوف نہ بناؤ۔ معاملہ وہ سمجھ چکی تھیں مگر ان کے منہ پر کہنے سے گریز کیا۔ پریا نے انہیں ویڈیو دکھائی تھی۔ جو لائبہ نے اپنے پیج پہ اپ لوڈ کی تھی۔ جس وقت فیضی اسے بے تحاشا مار رہا تھا اس کا موبائل کیمرا آن تھا اور میک اپ کرتے وقت وہ اپنی ویڈیو بنا رہی تھی۔ فیضی کا غصہ اور مار سب اس میں ریکارڈ ہو گیا۔

لائبہ نے وہ ویڈیو اپ لوڈ کر کے فیضی سے بھرپور بدلہ لیا تھا۔ اور اس بدلے کے نتیجے میں فیضی کو جو ذلت اور ہزیمت اٹھانی پڑی اس کا بدلہ وہ لائبہ کو طلاق دے کر لے رہا تھا۔

ثمینہ بیگم اور مبشر صاحب اپنی اپنی بھانجیوں سے اس لیے دست بردار ہو گئے تھے کہ دونوں گھرانوں میں سے کوئی بھی انہیں رشتہ دینے کو تیار نہ تھا۔ اور اب فیضی کی ویڈیو ریلیز ہونے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔

لائبہ نے سوشل میڈیا پہ اپنے شوہر کے خلاف مہم چلائی ہوئی تھی کہ جس میں اسے انتہائی ظالم، تشدد پسند اور سائیکو کیس ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ فیضی کی فین فالوئنگ بہت ہی کم ہو گئی تھی، ہر طرف سے اسے سوشل میڈیا پہ گالیاں پڑ رہی تھیں۔ لائبہ سے ہمدردی کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ لائبہ اپنے سوشل میڈیا کے محاذ پہ ڈٹی ہوئی تھی۔ ثمینہ بیگم اپنے محاذ پہ مورچہ بند تھیں کہ کسی طرح دادا، دادی مان جائیں اور وہ ٹوٹی ہوئی ڈور از سر نو جڑ جائے جسے وہ خود بہت پہلے توڑ چکی تھیں۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

دھوپ میں تیزی آچکی تھی۔ بیلی نے کھانا بنا لیا تھا۔ کچن کی صفائی پریا کے ذمے لگائی اور خود نہانے گھس گئی۔ کاسنی اور گلابی امتزاج کے لان کے جوڑے میں وہ خاصی نکھری نکھری، تروتازہ سی لگ رہی تھی۔ ظہر کی نماز پڑھ کے اس نے اپنے بال سنوارے، ہلکی سی نمی باقی تھی چوٹی باندھنے کے بجائے انہیں یونہی ایک پونی میں قید کر لیا۔ لپ گلوز لگایا اور عادت کے مطابق آنکھوں میں کاجل بھر لیا۔ موبائل اٹھا کر اس میں کچھ چیک کیا۔ ایک طمانیت کا احساس چہرے پہ ابھرا، دوپٹہ سر پہ اوڑھا کر اس نے کمرے میں جھانکا۔

''دادی، میں ذرا شاہین بھابھی کی طرف جا رہی ہوں۔''

''ہوں۔ اچھا!'' دادی کسی ادھیڑبن میں تھیں۔

بیلی پڑوس میں پہنچی تو شاہین بھابھی پالک کاٹ رہی تھیں حاشر کو برتن دھونے پہ لگایا ہوا تھا۔

''اچھا ہوا تم آگئیں، میں ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ شاہین بھابھی اسے دیکھتے ہی کھل اٹھیں۔

''اور میں بھی۔'' حاشر نے پتیلی مانجھتے ہوئے ہانک لگائی۔

''مجال ہے جو یہ لڑکا کبھی سیریس ہو جائے، بھئی بیلی اب تم بیٹھ کر اسے سمجھاؤ، میں ذرا پالک چڑھا دوں۔''

شاہین بھابھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ حاشر کے برتن بھی دھل چکے تھے۔ ہاتھ خشک کر کے وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''چلیے جی، اب مجھے سمجھا ہے، اور ایسے سمجھائے گا کہ بس اس بار تو میں سمجھ ہی جاؤں۔''

دیکھو حاشر، یہ بس آخری بار ہے۔ اس کے بعد کوئی لڑکی نہیں بتاؤں گی۔ یہ لو۔'' بیلی نے اپنا موبائل آن کر کے اوپر نیچے اسکرول کیا۔ اسکرین پہ پیاری سی لڑکی مسکرا رہی تھی۔

''میری سہیلی کی بہن ہے۔ ساری ڈیٹیل اس میں لکھی ہے۔ پڑھ لو اور تصویر بھی دیکھ لو۔''

''مجھے تو تم کوئی لڑکی بری نہیں لگتی۔ یہ بھی اچھی ہے۔'' حاشر کے چہرے پہ ذرا سنجیدگی چھا گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور اسے آف کر دیا۔

''اچھی طرح دیکھ لو، سوچ سمجھ لو پھر جواب دے دینا۔''

''تم پتا نہیں اتنی دور دور کہاں کہاں سے رشتے لے آتی ہو۔ کوئی قریب میں دیکھ لو نا۔''

''قریب میں کہاں؟ تمہارے ناپ کی تمہاری جو کزنز تھیں سب کی شادیاں ہو چکیں، اور کہاں دیکھوں۔ محلے میں بھی تمہارے ناپ کی کوئی نہیں، بھابھی ٹھیک کہتی ہیں۔ تمہیں شادی وادی نہیں کرنی بس انہیں اور مجھے تنگ کرنا ہے۔'' بیلی نے سخت رویہ اختیار کیا۔

''تمہاری قریب کی نظر کمزور ہے تو میں کیا کروں۔ تمہیں کوئی لڑکی نظر نہیں آ رہی آس پاس؟''

''نہیں، تمہیں نظر آ رہی ہے تو بتا دو۔''

''ایسے ہی تو تنگ کرتا ہے یہ مجھے بھی۔'' شاہین بھابھی نے حاشر کے جواب سے پہلے ہی بیچ میں ٹانگ اڑائی۔

''بتاؤ نا۔'' بیلی نے اسے گھورا۔

''زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ ایک منٹ میں تصویر دیکھوں، اگلے منٹ میں ہاں کر دوں، ایسے تھوڑی ہوتا ہے۔''

''پھر کیسے ہوتا ہے؟ دس سال تک تصویر دیکھو، پھر اگلے دس برس سوچو پھر جواب دو؟''

''ہماری کلاس میں تم کافی ذہین لڑکی کے طور پر مشہور تھیں۔ ٹیچرز بہت قابل سمجھتے تھے تمہیں؟'' حاشر نے کاجل میں ڈوبی اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا۔

''تو؟''

''تو یہ کہ بہت ڈفر ہو۔''

''سب سے بڑا احمق وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو احمق سمجھے، سمجھے؟''

www.pklibrary.com

"میں ہوں ڈفر، مجھے معلوم ہے۔" حاشر نے بڑے آرام سے اعتراف کیا۔

"کچن سے مسالہ بھننے کی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی اور بلی کو ایک انجانے سے احساس نے اپنی گرفت میں لے لیا کچھ عرصے سے حاشر کا رویہ لہجہ اور الفاظ نارمل سے ذرا ہٹ کر تھے، جن پر اس نے کبھی توجہ دی نہ غور کیا مگر آج اس وقت اک دم ہی جیسے کچھ کلک ہوا تھا۔

بلی نے اپنی کاجل میں ڈوبی گھور سیاہ آنکھیں اٹھا کر حاشر کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میرے لیے دیکھو۔" حاشر مسکرایا۔

"کیسے؟"

جواب کے لیے حاشر کے ہونٹ کھلے ہی تھے کہ شاہین بھابھی آ گئیں۔ وہ خاموش رہا۔

"میں چلتی ہوں بھابھی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھو نا، اس بے وقوف کو سمجھایا؟" انہوں نے اصرار اور سوال ایک ساتھ کیا۔

"پھر آؤں گی۔ تب تک سوچ لیں آپ بھی اور حاشر بھی۔"

بلی رکی نہیں، خدا حافظ کہہ کر چل پڑی۔ گھر آتے آتے وہ عجیب ادھیڑ بن کا شکار تھی۔ اس کی چھٹی حس خطرے کے سگنل دے رہی تھی۔ جسے وہ جھٹکنے اور نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر مشکل ہو رہی تھی۔ جیسے کوئی ارتکاز ہوتے ہوتے ٹوٹ ٹوٹ جائے۔ کوئی سگنل آتے آتے پھر رہ جائے۔

شام میں دادی نے پودینے کی چار گڈیاں لے لیں پریا اور چاکلیٹی کو ساتھ لگا کر اس کے پتے توڑ رہی تھیں۔ چھوے کا سالن بنانے کا ارادہ تھا۔ لہسن، مرچ زیرہ پیس کر بیسن اور پودینے میں ملا کر گندھے آٹے کی طرح کر لیا۔ اس آمیزے کو سیخ کباب کی شیپ دے کر ابلتے پانی میں تھوڑی دیر پکایا اور پھر نکال کر چھلنی میں رکھ دیا۔ سالن کے لیے مسالہ بھوننے لگیں۔ بلی کے بار بار منع کرنے کے باوجود بھی وہ اپنے کام میں لگی رہیں۔

"جب تک ہاتھ پیر چل رہے ہیں غنیمت ہے۔"

"اور زبان بھی۔" دادا نے آواز اتنی مدھم رکھی کہ دادی تک نہ پہنچے۔ ورنہ تیسری جنگ عظیم ابھی شروع ہو جاتی۔

"دھلے کپڑے لائیں اوپر سے؟" بلی نے پریا سے سوال کیا جسے دادی نے کچن میں اپنا اسسٹنٹ بنایا ہوا تھا۔

"اوہ۔ میں بھول گئی سوری" پریا نے مسکی شکل بنائی۔

"تم لے آؤ پلیز۔"

"ظاہر ہے، مجھے ہی لانے پڑیں گے اب۔"

بلی نے سیڑھیوں کا رخ کیا۔ الگنی پر سے تمام کپڑے اتار کر اس نے برآمدے پہ پڑے تخت پر رکھے اور گٹھر بنانے لگی۔ تب ہی کمرے کا بند دروازہ کھلا اور فیضی چوکھٹ میں کھڑا نظر آیا۔ بلی چونک پڑی۔

"ارے آپ گھر پہ ہیں؟ کب آئے؟"

"میں گیا ہی نہیں آج۔ یہیں تھا صبح سے۔ فیض چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا آیا اور تخت کے ایک کونے پہ ٹک گیا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی چہرے سے تھکان، آنکھوں سے بے خوابی عیاں تھی۔ وہ بہت مضمحل اور پژمردہ نظر آ رہا تھا۔

"صبح سے یہیں تھے تو نیچے کیوں نہیں آئے؟ ناشتہ کھانا کہاں سے کیا؟" گٹھری کی گرہ باندھتے بلی کے ہاتھ تھم گئے۔

"کہیں سے بھی نہیں۔" فیضی کی آواز بہت مدھم تھی۔

"کیوں!" بلی کا سوال بے ساختہ تھا مگر اگلے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ اس کا سوال غیر ضروری ہے۔

"نہ بھوک لگتی ہے نہ کچھ کھانے کو دل کرتا ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا آپ خود کو سنبھالیں۔" بلی نے ہمدردی سے فیضی کی طرف

www.pklibrary.com

دیکھا۔
"پوری دنیا میں بدنام کر کے رکھ دیا مجھے، کیا واقعی اتنا برا ہوں میں؟" فیضی اس وقت دنیا کا سب سے دکھی انسان بنا ہوا تھا۔
"کبھی اچھے انسانوں پہ برا وقت آجاتا ہے۔ گزر جائے گا۔ دھیرے دھیرے سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ دراصل جب کوئی کام بگڑتا ہے تو آنا فانا بگڑ جاتا ہے۔ مگر سنورنے میں وقت لگتا ہے۔" بیلی کا لہجہ نرم اور پرخلوص تھا۔ وہ ٹھری اٹھا کر کھڑی ہو گئی اور جانے لگی۔
"ایک بات سنو۔" فیضی کھڑا ہوا اور ذرا آگے آیا۔ "جی۔" بیلی ٹھہر گئی۔
"مجھے معاف کر دو پلیز، میں اس قابل تو نہیں ہوں مگر۔" بیلی کی نگاہیں اٹھیں اور فیضی کی نظروں سے الجھیں، اس نے ایک گہری سانس لی۔
"اس سب کی ضرورت نہیں۔" سادہ سے لہجے میں بولتی ہوئی وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

دادی کی ہنڈیا تیار تھی۔ پریا آٹا گوندھ رہی تھی۔ بیلی نے کپڑے تہ کرنے شروع کر دیے۔ بظاہر وہ پرسکون نظر آرہی تھی مگر اندر ہی اندر اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ گھر میں ہونے والی ثمینہ بیگم کی آنیاں جانیاں اور دادا، دادی کے ساتھ ہونے والے مذاکرات، اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے۔ مگر ان مذاکرات اور گزارشات کے نتائج جاننے میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہی سامنے کچھ ہفتوں میں حالات ایسے الٹ پلٹ ہوئے کہ وہ دیکھتے دیکھتے چکرا سی گئی۔
"کیسی عجیب سی ہو جاتی ہے زندگی کبھی؟ پتا نہیں کیوں؟" ایک کے بعد ایک کپڑے تہ کرتے ہوئے بیلی کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔
"اب کیا ہوگا؟" الجھن کے ہمراہ تشویش کے سائے بھی ان سمندر آنکھوں میں اترے ہوئے تھے۔

رات کے کھانے کے بعد عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر دادی اور دادا کی بحث نما گفتگو اک بار پھر سے شروع ہو گئی۔
"وہ شرمندہ ہیں، کوئی معافی مانگے تو معاف کر دینا چاہیے۔" دادا سنجیدہ تھے۔
"ٹھیک ہے، معاف کر دیا، میرے دل میں کسی کے خلاف کوئی کدورت نہیں مگر یہ جو رشتے جوڑنے کا معاملہ ہے، اس پر دل نہیں ٹھک رہا۔ پہلے تو دونوں میاں بیوی اپنی اپنی بھانجیوں کے راگ الاپ رہے تھے۔ پھر لڑکا اپنی من مانی کر کے بیوی لے آیا۔ وہ بھی نہیں بس کے دی۔ یا لونڈے سے بسائی نہیں گئی۔ اب وہ معاملہ ختم شد ہے۔ وہ بھی سارے جہاں میں ذلت اٹھا کر تم نے بھی تو دیکھی تھی ویڈیو، کل کلاں کو ہماری بچی کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا تو کیا کریں گے؟" دادی نے ساری بھڑاس نکال لی۔
"وہ وقتی اشتعال تھا۔ غصے میں تھا۔ اس لیے یہ سب ہو گیا۔ بچپن ہے ہمارے تمہارے سامنے ہے۔ کسی اور کے ساتھ تو کبھی ایسا نہیں کیا" دادا ایک لمحے کو خاموش ہوئے پھر دوبارہ گویا ہوئے۔
"تم دیکھ لو، اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ باہر سے جو اکا دکا رشتے آئے ہیں وہ بھی تمہیں پسند نہیں آتے، کسی کو ہماری بچی نہیں بھاتی، وقت ایسے ہی گزر رہا ہے۔ اور وقت کا کام یہی ہے۔ گزر جانا۔ یہ کسی کے لیے نہیں ٹھہرتا۔"
دادا کی پرسوچ نگاہیں سامنے خلا میں تھیں۔
دادی کی پیشانی کی لکیریں ان کے خیالات کی طرح الجھی ہوئی تھیں۔ شریک حیات ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ یہ تمام باتیں وہ بھی سوچتی تھیں۔ مگر پھر وہی بات کہ ان کے بس میں تھا ہی کیا۔
"یہ سب جانتی ہوں مگر دل نہیں مانتا کیا کروں۔" دادی کا لب و لہجہ کم ہی بے بس ہوتا تھا مگر اس وقت تھا۔
بیلی کی بھی رائے لے لو، اس کے خیالات کیا ہیں؟ دادا نے مشورہ دیا۔

www.pklibrary.com

"پوچھ لیتی ہوں اس سے بھی۔" دادی نے بجھے بجھے انداز میں کہا۔

☆☆☆

خزاں رسیدہ کرلاتے پتوں کی آواز، مدھم ہو چلی تھی۔ ہوا نے موسم گل کی پازیب پہنی اور مسکرا کر اٹھی۔ اٹھلا کے چلی تو چہار اطراف خوشبو بکھر گئی۔ ٹنڈ منڈ شاخوں نے سبز پوشاکیں زیب تن کرنے کی تیاری شروع کر دی۔

شاہین بھابھی سٹر پٹر چلتی ہوئی اندر آئیں۔ ہمیشہ کی طرح اپنے مخصوص حلیے میں۔ قمیص شلوار میچنگ کے تھے۔ دوپٹہ کسی اور سوٹ کا۔ ہاتھ میں ایک ڈھکا ہوا باؤل، جسے لا کر انہوں نے بیلی کے ہاتھ میں دیا۔

"کیا لائی ہیں؟ خوشبو تو بہت اچھی آرہی ہے۔" بیلی نے ڈھکن ہٹایا۔

"گاجر کا حلوہ۔ چاکلیٹی کے دل کی مراد پوری ہو گئی۔ رات کو اسے گاجر کا حلوہ یاد آرہا تھا۔" وہ مسکرائی۔ "شکریہ بھابھی۔"

"شکریہ کس بات کا۔ تم بھی تو اتنے مزے مزے کی چیزیں کھلاتی ہو۔" شاہین بھابھی تخت پہ ٹک گئیں۔

"اور سنائیں، کیا چل رہا ہے آج کل؟"

"حاشر کا ہی رولا چل رہا ہے بس، دیکھو، تم نے تصویر دکھائی تھی نا اس لڑکے نے ابھی تک جواب نہیں دیا۔"

"اچھا۔"

"بات سنو۔" شاہین بھابھی نے رازداری کے ساتھ دھیمی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"فیضی کی بیوی نے تو بڑا ادھم مچایا ہوا ہے سوشل میڈیا پہ، دونوں کی طلاق ہو گئی ہے کیا؟"

"پتا نہیں بھابھی، فیضی بھائی سے اس موضوع پہ کبھی بات نہیں ہوئی۔"

"ارے نہیں، میں تو یونہی پوچھ رہی تھی۔ موبائل میں دیکھا تھا تو۔"

شاہین بھابھی نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر کمرے سے باہر آتی دادی کو دیکھا تو جھٹ سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو شاہین؟" دادی کا چہرہ پژمردہ تھا پریشانی اور الجھن کے سائے ڈولتے نظر آرہے تھے۔ تب ہی شاہین بھابھی چونک اٹھیں۔

"خیریت تو ہے خالہ، پریشان نظر آرہی ہیں؟"

"ہاں۔ خیریت ہی ہے، بس یونہی" دادی نے انہیں ٹالا، یا پھر بیلی کے سامنے کچھ کہنا مناسب نہیں لگا انہیں، آ کر تخت پر بیٹھیں تو تب بھی ان کی نگاہیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

شاہین بھابھی کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں اب چلوں، ہمیرا اکیڈمی جائے گا۔ گھر پہ اور کوئی ہے نہیں۔"

وہ چلی گئیں تو بیلی نے دادی کو مخاطب کیا۔

"آج کیا پکانا ہے؟"

"کچھ بھی پکا لو، کوئی دال وال چڑھا دو۔"

دادی کے انداز میں بے زاری تھی پھر انہوں نے بیلی کو مخاطب کیا۔

"ثمینہ اور اس کا میاں، اصرار کر رہے ہیں تمہارے اور فیضی کے رشتے کے لیے تمہارے دادا کا خیال ہے کہ تم سے پوچھ لینا چاہیے۔ ہم بڈھے بڑھیا کی تو عقل کام نہیں کر رہی۔"

"میں۔" بیلی نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اندر ہی اندر جیسے کوئی گرہ لگ رہی تھی اور حلق میں کچھ پھنس رہا تھا۔

"جلدی نہیں ہے کوئی، سوچ سمجھ لو، پھر جواب دے دینا۔" دادی نے اس کا چہرہ دیکھا جس پر اندرونی کشمکش ظاہر ہو رہی تھی۔

"جی!" بیلی نے آہستہ سے کہا اور وہاں سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

لاؤنج میں دھلے کپڑوں کا ڈھیر اکٹھا تھا۔ جو تقریباً تہ ہو چکے تھے۔ شاہین بھابھی انہیں اٹھا اٹھا کر

www.pklibrary.com

الماری میں منتقل کر رہی تھیں۔

بیلی نے صوفے پہ بیٹھے حاشر کو دیکھا جو موبائل میں منہ گھسائے ہوئے تھا۔

"تم نے تو تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔ حاشر، بہت ہی پریشان کر رہے ہو وہ لوگ پوچھ رہے ہیں انہیں کیا جواب دوں؟"

"پریشان تو تم کر رہی ہو مجھے۔" حاشر نے موبائل سے سر اٹھایا۔

"میں؟" بیلی نے بے یقینی سے اسے دیکھا "واہ، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔"

"جی نہیں کوتوال ہی چور کو ڈانٹ رہا ہے اور بالکل ٹھیک ڈانٹ رہا ہے۔" حاشر سیدھا ہو بیٹھا۔

"میں چور۔" کاجل لگی سیاہ آنکھیں پھیل گئیں۔

"بالکل، میرا بہت کچھ چوری کیا ہے تم نے۔" حاشر بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اور ایسے ہی انداز میں اس نے ماں کو آواز لگائی۔

"ماں، کچھ کھانے کو تو دے دیں۔ بہت زور سے بھوک لگی ہے اور یہ جو مہمان آئی ہیں، ان کی خاطر مدارات ہوگی یا نہیں؟"

"مہمان کی خاطر مدارات تو ہو جائے گی مگر تجھے اب کھانا تب ہی ملے گا جب شادی کے لیے ہاں کر دے گا۔" شاہین بھابھی نے کچن میں جاتے ہوئے ہانک لگائی۔

"میری طرف سے "ہاں" ہے۔ تین بار نہیں، چھ بار، بس لڑکی میری مرضی اور پسند کی ہونی چاہیے۔"

"اپنی مرضی اور پسند بتا دے میرے باپ، کیوں پریشان کیا ہوا ہے ہمیں؟"

"ابھی بتاتا ہوں آپ کو، پہلے ان محترمہ کو بتا دوں؟"

"بتا دے، بیلی کو ہی بتا دے، نوٹنکی۔" شاہین بھابھی فریج سے کھانے کے لیے سامان نکال رہی تھیں۔ ادھر بیلی تیوریوں پہ بل ڈالے حاشر کو گھور رہی تھی۔

"تمہاری ڈرامے بازی کی عادت گئی نہیں اب تک، اسکول میں بھی تم بہت نوٹنکیاں کرتے تھے۔"

"مگر اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔ ٹاپک مت چینج کرو۔ جو میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔" حاشر کی آواز دھیمی ہوگئی۔

"کہو۔"

"میں نے تم سے کہا تھا۔ اپنے آس پاس دیکھو۔"

"میرے آس پاس ایسی کوئی نہیں جو تمہیں سوٹ کرتی ہو میں اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں اور سمجھتی بھی ہوں۔ محلے میں ایک دو ہی لڑکیاں ہیں اب اور وہ تمہارے ٹائپ کی نہیں ہیں۔" بیلی نے تفصیلی جواب دیا۔

"تمہارے قریب میں کوئی نظر نہیں آئی تمہیں؟"

"نہیں نا؟"

"تو آئینہ دیکھو نا، نظر آ جائے گی۔" حاشر نے روانی میں اسی کا انداز اختیار کیا۔

"آئینہ؟" بیلی ایک لمحے کو ٹھٹک گئی اور اگلے ہی لمحے جب بات سمجھ میں آئی تو اس کی پیشانی کے بل زیادہ بھی ہو گئے اور گہرے بھی۔

"فضول مذاق مت کرو۔"

"زندگی میں اس سے زیادہ سنجیدہ کبھی نہیں ہوا۔"

"حاشر۔ر۔ر۔" اس نے دانت پیسے۔

"سین کیش۔ وہ مسکرا رہا تھا۔"

"تمہاری امی کو بتاؤں ابھی، کتنی فضول بکواس کر رہے ہو؟" بیلی نے اسے دھمکایا۔

"پلیز، بتاؤ نا، مجھے زحمت نہیں کرنی پڑے گی۔"

"اب میری توبہ جو آئندہ کوئی لڑکی دکھائی تمہیں۔" بیلی احتجاجاً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ تو بہت بڑا احسان ہوگا مجھ پر" حاشر بھی اٹھ کھڑا ہوا اور ماں کو آواز لگائی۔

www.pklibrary.com

"ماں، آپ کی مہمان جارہی ہیں۔ وہ بھی ناراض ہو کر۔"

"حاشر کے بچے، ایک لگاؤں گی تمہارے۔" بلی نے دانت پیسے اور اتنے میں شاہین بھابھی کچن سے نکل آئیں۔

"کہاں جارہی ہو، بیٹھو، چائے تو پیو اور ناراض کیوں ہورہی ہو۔ اس بے وقوف نے کچھ کہا ہوگا؟ ہیں؟"

"مذاق کررہا ہے، آپ کو پتا ہے موصوف کو مذاق کرنے کی عادت ہے۔" بلی نے رسان سے کہا۔ پھر دوبارہ بولی۔

"میں پھر آؤں گی بھابھی، چائے ادھار رہی۔"

"اور میرا جواب بھی۔" حاشر نے ٹکڑا لگایا۔

"تو نے جواب نہیں دیا ابھی تک؟" شاہین بھابھی بیٹے کی طرف مڑیں۔

"میں نے سوال کیا ہے جس کا جواب محترمہ پہ ادھار ہے۔"

"پھر بونگیاں ہانکنی شروع کردیں؟ دوٹوک جواب دے، لڑکی پسند آئی یا نہیں، شادی کرنی ہے؟"

"لڑکی پسند ہے، شادی بھی کرنی ہے۔ مگر تصویر والی نہیں۔"

"تو پھر کون ہے؟ بتادے اسی وقت رشتہ لے جاؤں گی۔" شاہین بھابھی جھنجلا گئیں۔

"لڑکی کو ایگری تو کرلوں۔"

"مجھے لے چل ان کے گھر، میں خود ہی ہاتھ پیر جوڑ کر راضی کرلوں گی۔"

"پہلے اس سے پوچھ لوں، کبھی ڈانٹ کر گھر سے نکال دے۔ ڈانٹتی بہت ہے۔"

حاشر کی تیزی سے چلتی زبان پر بلی نے جز بز ہو کر اسے دیکھا۔

"میں چلتی ہوں بھابھی۔" اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

"کچھ کھانے کو دے دیں امی حضور، بھوک کے مارے فوت ہونے لگا ہوں۔" حاشر نے پھر دہائی دی۔

"اب اپنی منگنی کا کھانا ہی کھانا۔"

"اتنا ظلم؟ بیٹا ہوں آپ کا، بہو نہیں ہوں۔"

"چل ہٹ، اسے تو میں بڑے پیار سے رکھوں گی۔"

شاہین بھابھی بے نیازی سے کچن کی جانب مڑ گئیں۔ حاشر ان کے پیچھے پیچھے لپکا۔

☆☆☆

بلی کے ہاتھ میں موبائل تھا۔ بظاہر اس کی نگاہیں موبائل اسکرین پر تھیں مگر دماغ کہیں اور تھا۔ دادا، دادی کمرے میں تھے چاکلیٹی ان دونوں کی دوائیاں لینے میڈیکل اسٹور گیا تھا۔

پریا اپنے نوٹس بنارہی تھی۔ تبھی فیضی نے کمرے میں جھانکا۔

"ایک کپ چائے مل جائے گی؟ سر میں بہت درد ہے۔"

"میں تو اتنی بزی ہوں کہ سر اٹھانے کا بھی وقت نہیں۔" پریا نے سر جھکائے جھکائے ہی جواب دیا۔

"میں بنادیتی ہوں۔" بلی اٹھ کھڑی ہوئی۔

کچن میں اس نے چائے پکنے کو رکھ دی۔ فیضی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔

"میں یہاں سے جارہا ہوں۔"

"کہاں؟" بلی چونک پڑی۔

"اپنے گھر، امی، ابو چاہتے ہیں کہ میں وہیں آجاؤں، مینٹلی بہت ڈسٹربڈ ہوں۔ شاید وہاں دل بہل جائے۔"

"اللہ پہ بھروسا رکھیں سب ٹھیک ہوجائے گا۔" بلی کی جادوگر نگاہیں اس کے چہرے پہ ایک لمحے کو ٹکیں پھر پلٹ گئیں۔ فیضی کی روشن چمک دار آنکھیں بجھی بجھی ہوگئی تھیں۔ پرکشش مسکراہٹ ماند پڑ گئی تھی۔ ایک سرمئی سی دھند نے اس کے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔

www.pklibrary.com

"تمہاری بددعا لگ گئی شاید۔" وہ اچانک ہی بولا تھا۔

"مگر میں نے تو کبھی کسی کو بددعا نہیں دی۔ آپ کو بھی نہیں۔" بیلی نے خود پہ قابو پا کر جواب دیا۔

"کبھی کسی کا دکھا ہوا دل خود ایک بددعا بن جاتا ہے چاہے زبان سے الفاظ ادا ہوں یا نہ ہوں۔"

چائے چھان کر مگ میں نکالتے ہوئے وہ کچھ دیر خاموش رہی۔

"جو وقت گزر گیا اس کا ذکر کرنے سے کیا حاصل۔" بیلی نے چائے کا مگ اسے پکڑایا۔

"میں اسی وقت کو دوبارہ واپس لانا چاہتا ہوں۔"

"بیتے وقت کو دوبارہ کیسے واپس لا سکتے ہیں؟" بیلی کے چہرے پہ ایک مسکراہٹ ابھری جسے دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس میں اداسی چھپی ہے یا کچھ اور۔

"راستہ دیں گے؟"

"بس ایک بات آخری بات سن لو۔" فیضی نے مضطرب لہجے میں کہا۔

"جی۔؟"

"کیا تمہارے دل میں میرے لیے جگہ ہے، چاہے تھوڑی سی ہی سہی؟" فیضی کی نگاہیں کسی فقیر کا کشکول بنی ہوئی تھیں۔

"میں سچ بتاؤں؟" بیلی ٹھہرے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"میرا دل اس وقت بالکل خالی ہے، کچھ بھی نہیں ہے اس میں نہ کوئی نفرت، نہ محبت، نہ عداوت نہ لگاوٹ، کچھ بھی نہیں۔"

خود کو سمیٹ کر وہ فیضی کے برابر سے نکل کر باہر آ گئی۔ فیضی کی نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا جب تک کہ وہ کمرے کے اندر نہیں چلی گئی۔ بیلی کمرے میں داخل ہوئی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ پہلے کی طرح موبائل اس کے ہاتھ میں تھا، نگاہیں اسکرین پر، دماغ میں خیالات کا ایک جھکڑ تھا جو چل رہا تھا۔

"آپا!" پریا نے نوٹس پہ جھکا اپنا سر اوپر اٹھایا۔

ہوں۔

"ایک بات بتاؤں؟"

"بعد میں بتا دینا۔" بیلی کا اس وقت کوئی اونگی بونگی سننے کا دل نہیں تھا۔

"سنو تو۔" پریا نے اس بار پیشگی اجازت لینے کے بجائے براہ راست بولنا شروع کر دیا۔ اس کی بات ختم ہوئی تو بیلی کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا تھا۔

☆☆☆

شب تاریک کی سحر ہونے کو تھی۔ پو پھٹی اور دھیرے دھیرے افق پہ اجالا پھیلنے لگا۔

حسب معمول وہ علی الصبح ہی اٹھ گئی۔ فجر کی نماز، تلاوت وغیرہ سے فارغ ہو کر دادا کے لیے چائے بنائی۔ دادی نہار منہ چائے پینے کے سخت خلاف تھیں۔

بیلی صحن میں آ کر بیٹھ گئی۔ چڑیوں کی چہکار نے ایک سماں باندھ رکھا تھا۔ ہوا کے جھونکوں میں ایک بے فکری بھی تھی اور سرشاری بھی۔ بیلی اور چاکلیٹی بھی فجر کے ہی اٹھے ہوئے تھے۔ موبائل لے کر صحن میں آ گئے اور ویڈیو بنانے لگے۔ آج کل وہ دن اور رات کے ان اوقات و مناظر کی ویڈیو بنا رہے تھے۔ جنہیں ہم آہستہ آہستہ فراموش کرتے جا رہے ہیں۔

صبح کاذب کے پھیلتے اجالے اور ڈوبتے سورج کی سرخی، افق پر پھیلی شفق، بارش کے بعد قوس قزح، گہری سیاہ مخملیں رات، آسمان پہ روشن چاند اور چمکتے ستارے۔ شام کا سرمئی روپ، دوپہر کی چاندی سی دھوپ، نوع بہ نوع پرندوں کی رنگ بہ رنگ چہکار خوش رنگ پھولوں کی الگ الگ مہکار، نیلے سمندر سے فلک پہ تیرتے سفید بادلوں کے بجرے، ہلال سے بدر اور بدر سے ہلال ہوتے ماہ تاب کے مختلف روپ، بدلیوں میں چھپتے، نکلتے چاند کی آنکھ مچولی۔

دونوں نے مل کر کتنی ہی ویڈیوز ریکارڈ کر کے

www.pklibrary.com

وی لاگ تیار کیا تھا۔
جیسے جیسے روشنی پھیلتی چلی گئی۔ دن کی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ پریا اور چاکلیٹی کالج چلے گئے۔ بیلی کام کاج میں اور پھیلاوا سمیٹنے میں مصروف ہو گئی۔
فیضی سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تھا۔ ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا۔ وہ صحن میں کھڑا ہو گیا۔ بیلی تخت کی چادر اور گاؤ تکیوں کے غلاف تبدیل کر رہی تھی۔
"میں جا رہا ہوں۔"
"سب گھر والوں کو میرا اسلام کہیے گا۔" بیلی نے غلاف کی ڈوری کس کے گرہ لگائی۔
"بہت جلد انہیں لے کر آؤں گا۔" فیضی کے لبوں پہ ایک مبہم مسکراہٹ تھی۔ رات ہی ماں سے بات ہوئی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ دادا اس رشتے پر نیم رضامند ہیں اور دادی بھی ہو ہی جائیں گی۔
"جی، ضرور۔"
"ناراض تو نہیں ہو۔" فیضی نے بغور اس اک چہرہ دیکھا۔
"نہیں۔ ناراضی کی کیا بات ہے۔"
"مجھے معلوم تھا، تم مجھے معاف کر دو گی۔" فیضی کا چہرہ اور مسکراہٹ ذرا اور روشن ہو گئے تھے۔
"میں ان دونوں کو خدا حافظ کہہ دوں۔" فیضی اندر کمرے کی جانب بڑھ گیا۔
"میری طرف سے بھی خدا حافظ۔" بیلی نے زیر لب کہا جو اس نے خود ہی سنا۔

☆☆☆

سہ پہر کی دھوپ دیوار پہ سرکتی ہوئی نیچے آ گئی تھی۔ شاہین بھابھی میسج کر کے اسے بلا رہی تھیں۔ دادی کو بتا کر وہ پڑوس میں چلی آئی۔ شاہین بھابھی بیسن پھینٹ رہی تھیں کچن میں، اسے دیکھتے ہی کھل اٹھیں۔
"بیلی، میری جان، ذرا اس لڑکے کی بات سن لو کب سے میری جان کھائی ہوئی ہے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھا جانے کون سے چلے کھینچ رہا ہے۔ میں تو کہتی ہوں اس کی بیوی آ کر ہی لگام کھینچے گی اس کی، میرے قابو میں تو آتا نہیں ہے۔"
"دیکھتی ہوں، اب کیا ہو گیا۔" بیلی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔
حاشر صوفے پہ بیٹھا ہوا تھا۔ کانوں میں ہینڈز فری جو اسے دیکھتے ہی اتار دیے گئے۔ موبائل آف کر کے اس نے میز پہ رکھ دیا۔
"کیوں پریشان کر رہے ہو اپنی امی کو؟" بیلی اس کے مقابل صوفے پہ ٹک گئی۔
"میں نے امی کو بتا دیا کہ مجھے اپنی کلاس فیلو سے شادی کرنی ہے جو میرے پڑوس میں رہتی ہے۔"
"کیا؟" بیلی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"امی بہت خوش ہیں۔ وہ تو پہلے بھی شہید بھائی کے لیے تمہیں سوچے بیٹھی تھیں مگر انہیں اپنی کولیگ پسند تھی تو خیر یہ اچھا ہی ہوا۔ اور ابو کو بھی بتا دیا ہے انہوں نے دونوں رات کو بیٹھ کر پلان بنا رہے تھے کہ پہلی بار کون سی اور کتنی مٹھائی لے کر تمہارے گھر جائیں۔"
"تم۔ سب ایک جیسے ہو۔ سارے فیصلے خود ہی اکیلے اکیلے کر لیتے ہو؟" حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتی بیلی نے سر باہر نکال کر سوال کیا۔
"بات یہ ہے کہ لڑکی کے پیچھے پیچھے زیادہ بھاگ دوڑ کرو تو ٹائم ضائع ہوتا ہے اور نخرے بھی بڑھ جاتے ہیں اس لیے، ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کا پروگرام ہے۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ اور جھٹ ہنی مون۔" حاشر کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔
"میری مرضی بھی کوئی اہمیت رکھتی ہے یا نہیں؟" بیلی نے اس کی تیز رفتاری کو بریک لگانے کی کوشش کی۔
"تمہاری شکل نے بتا دیا ہے کہ تم ایگری ہو دل و جان سے راضی ہو۔ اور ہاں۔" حاشر نے مزے سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"تمہاری آنکھوں میں بھی اقرار ہے۔"
"میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہیے۔" بیلی

www.pklibrary.com

کھڑی ہوگئی۔

''جانا ہے تو جاؤ مگر، آنا نہیں ہے۔ ٹھیک ہے لڑکی۔'' حاشر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''حاشر!'' بیلی نے اسے مخاطب کیا تو آواز میں سنجیدگی تھی۔

''تم بہت فاسٹ ہو۔ میں دھیرے دھیرے چلنے والی ہوں۔ تمہاری ہم رفتار ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔''

''جب ہم قدم ہوں گے تو ہم رفتار بھی ہوجائیں گے، یا تو تم فاسٹ ہوجاؤ گی یا میں سلو ہوجاؤں گا۔''

حاشر کی مسکراہٹ میں کئی جگنو تھے جو بیلی کے آس پاس اڑنے لگے۔

☆☆☆

''سنو تو۔'' پریا نے اصرار کیا اور شروع ہوگئی پتا ہے کل میں اوپر گئی تو فیضی بھائی شاید اپنے دوست سے فون پہ بات کررہے تھے۔

ابے، تیرا بھائی بہت اونچی شے ہے۔ اتنا ہلکا نہ لے مجھے، دونوں جگہ سیٹنگ کررکھی ہے۔ بیگم کو بھی لائن میں کھڑا کررکھا ہے اور سابقہ منگیتر کو بھی، دونوں میں سے جس نے پہلے ہاں کردی اسی کے ساتھ ہولیں گے۔''

فیضی نے بولتے بولتے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

''پھر۔ ماننا ہے نا اپنے بھائی کو؟''

بیلی نے خاموشی سے اسے سنا اور سننے کے بعد بھی وہ خاموش ہی رہی۔ مگر پریا لگاتار بولتی رہی۔

''مجھے تو پہلے بھی سیلفش لگتے تھے۔ بس اپنے کام نکلوانے میں ماہر ہیں۔'' پریا نے منہ بنا کر تبصرہ کیا اور پھر سے اپنے نوٹس پر جھک گئی۔

بیلی خاموشی سے خود کو ٹٹولتی رہی۔ کھوجتی رہی۔ دادی کی طرح اس کا دل بھی مطمئن نہیں تھا۔ فیضی سے رشتہ جوڑنے پر اور اب فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگئی تھی۔ ماضی ایک پرچھائیں بن کر پیچھے جارہا تھا۔ وہ آگے بڑھنے کو تیار ہوگئی۔

☆☆☆

گھر میں شور شرابا، چہل پہل تھی۔ گلابی کام دار غرارے میں ملبوس بڑا سا دوپٹہ سر پہ سیٹ کیے، زیور میک اپ سے آراستہ وہ، بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ گہری سیاہ آنکھوں میں خوشی کے جگنو چمک رہے تھے۔ گھر میں ہی چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا، بہت ہی قریبی اور خاص خاص لوگ مدعو تھے۔

شاہین بھابھی نے مٹھائی کا ڈبا کھول کر پلیٹ میں مٹھائی نکالی۔ دادا کے منہ میں پانی آرہا تھا۔ انہوں نے شاہین بھابھی کو مخاطب کیا۔

''بھئی شاہین، ہمارے ہاں رواج ہے کہ لڑکی کا منہ میٹھا کرانے سے پہلے اس کے دادا کا منہ میٹھا کراتے ہیں۔''

''یوں کہو کہ منہ مٹھائی سے بھر دیتے ہیں۔'' دادی نے کڑی نگاہوں سے انہیں گھور کے ٹوکا۔

''ذرا سی کھانے میں کیا ہے؟ اتنی شوگر تھوڑی ہے مجھے۔'' دادا منمنا رہے تھے۔

شاہین بھابھی نے مسکراتے ہوئے پہلے انہیں مٹھائی کھلادی۔

''ارے شاہین۔'' دادی نے ان کے کان میں گھس کر سرگوشی کی۔

''یہ دوپٹہ اسی جوڑے کا ہے؟ جھما جھم جامنی جوڑے پہ اورنج دوپٹہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

''ہاں خالہ، ڈیزائنر جوڑا ہے۔'' وہ ہنس پڑیں۔

بیلی نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ دلی مسکراہٹ اللہ کی طرف سے انعام ہے اسے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟

☆☆

www.pklibrary.com

عارفہ فضل شاہ

عید پارلر

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ اپنی رحمتیں برکتیں اور رزق بانٹتا ہوا اختتام کی جانب گامزن تھا۔ بیس روزے گزر چکے تھے اور سویرا کا سارا دھیان عید کی تیاریوں کی طرف تھا۔ عبادات بھی جاری تھیں اور سحری و افطاری میں شوہر اور بچوں کی خدمت بھی۔ کام کرتے ہوئے وہ ذکر سے بھی زبان کو تر رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا یہ بھی دل چاہ رہا تھا کہ پلک جھپکتے میں پارلر کا چکر لگا آئے۔ عید کے کپڑے، جوتے اور باقی ساری تیاری وہ رمضان سے پہلے کر لیتی تھی۔ البتہ پارلر کے ایک دو چکر وہ آخری دنوں میں ہی لگاتی تھی۔ اس دفعہ تو حمیدہ پھپھو کی وجہ سے کافی سہولت تھی لہٰذا اسے امید تھی کہ وہ آرام سے پارلر چلی جائے گی۔

☆☆☆

سویرا کے لیے راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ شوہر کی ملازمت کی وجہ سے وہ دوسرے شہر مقیم تھی۔ عید، بقرعید یا خاص مواقع پہ سسرال کا چکر لگتا تھا تو اس کی سج دھج دیکھنے کے قابل ہوتی۔ میکہ بھی اسی شہر میں تھا جہاں سسرال۔۔۔ اگر وہ چہیتی بیٹی تھی تو لاڈلی بہو بھی۔ لہٰذا جیسے ہی جاتی ہاتھوں ہاتھ لی جاتی۔ کبھی نند، دیور، جیٹھ کے ہاں مدعو ہوتی تو کبھی امی اور بہنیں دعوت پہ بلا لیتیں۔ محبتیں لٹانے والی صاف نیت کم گو سی سویرا سے بھابیوں کو بھلا کیا شکایت ہو سکتی تھی۔ وہ بھی اس کی آمد پہ خوشی کا ہی اظہار کرتی تھیں۔ گھریلو ذمہ داریاں اور سسرالی رشتے محبت سے نبھانے والی سویرا، اپنے آپ سے غافل کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اپنا خیال رکھتی، سادہ مگر صاف ستھرا لباس پہنتی۔ مہینے ڈیڑھ مہینے میں ایک دفعہ پارلر کا چکر لگانا تو فرض سمجھتی تھی۔ زندگی رواں دواں تھی اور سویرا اللہ کریم کی شکر گزار۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوا تو سویرا کی پھپھو ساس، اس کے پرزور اصرار پر اس کے گھر آگئیں۔ شوہر کی وفات کے بعد یہ ان کا پہلا رمضان تھا۔ بیٹے دونوں بیرون ملک مقیم تھے۔ ان کی تنہائی کے خیال سے سویرا انہیں اپنے پاس لے آئی تھی۔ نرم دل نرم گفتار پھپھو اس کو بہت پسند تھیں۔ سارا دن عبادت میں مصروف رہتیں لیکن سحری افطاری میں سویرا کی مدد کر دیتیں۔ سویرا نے لاکھ منع کیا لیکن پھپھو نے اس کی ایک نہ سنی۔ تینوں بچے بھی ان کے ساتھ کافی مانوس ہو گئے تھے، لہٰذا سویرا کی ذمہ داریاں کافی کم ہو گئی تھیں۔ اس رمضان اسے عبادت کے مواقع بھی خوب میسر رہے۔

☆☆☆

کچن کیبنٹ کی صفائی کے دوران، پھپھو کو روپوں کی چھوٹی سی گڈی نظر آئی تو سویرا کی لاپروائی پہ مسکرا دیں۔ اس وقت تو انہوں نے وہ پیسے ایک طرف رکھے اور مسالا پیسنے لگیں۔ مسالا وہ سل بٹہ پہ پیستی تھیں تو کھانے کی خوشبو ذائقہ اور رنگ ہی الگ ہوتا تھا۔ سویرا نے بھی ان کی عادت اپنا لی تھی، ورنہ وہ تو ہمیشہ سے مشینوں کا سہارا ہی لیتی تھی۔

شام کو یاد آنے پہ انہوں نے سویرا سے کہا کہ وہ پیسے وہاں سے اٹھا کے سنبھال لے۔

"پھپھو، کل پارلر جانا ہے تو پرس میں رکھ لوں

www.pklibrary.com



www.pklibrary.com

گی۔"

سویرا نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"بیٹا، پارلر کیوں؟؟" پھپھو کے معصوم سے انداز پہ سویرا مسکرا دی۔

"پھپھو جان، پارلر میں مینی پیڈی کیور کروانا ہے اور فیشل بھی۔ نیل پالش کے نئے شیڈ آئے ہیں وہ بھی خریدلوں گی۔ بیوٹیشن میری دوست ہے کوئی بھی اچھی چیز مارکیٹ میں آئے تو میرے لیے بھی خرید لیتی ہے۔"

سویرا نے پھپھو کو بتایا اور چھوٹے بیٹے کا فیڈر بنانے اٹھ گئی۔

☆☆☆

اکیسویں روزے کی روشن صبح، سویرا نے لان میں پودوں کو پانی دیا اور پھپھو کو پارلر جانے کا بتانے اندر چلی گئی۔

"بیٹا، پارلر جانے کی کیا ضرورت ہے گھر میں ہی سب کرلو۔"

پھپھو، کی بات پہ سویرا نے لاپرواہی سے نفی میں سر ہلایا۔

"پھپھو گھر میں پارلر والی بات کہاں۔ یوٹیوب ٹپک بھی سچے تھوڑی ہوتے ہیں۔ میں نے سارے کام نمٹادیے اب اپنی جان کا بھی تو حق ہے نا۔ چولہے کے پاس رہ رہ کر اسکن کتنی رف ہو رہی ہے۔ پاؤں کی ایڑھیاں بھی خشک ہو گئی ہیں۔"

"اوہ بیٹا، سب کا علاج موجود ہے چلو آج میں تمہاری پارلر والی بن جاتی ہوں۔ ربڑ کے بند بوٹ لے آؤ جو تم کپڑے دھوتے وقت پہنتی ہو۔"

سویرا کو دیر ہو رہی تھی مگر مروت کے مارے خاموش رہی۔ ٹالنا چاہا تو پھپھو خود ہی اٹھ کے پچھلے صحن سے بند بوٹ اٹھائے آ گئیں۔

مارے باندھے سویرا کو ان کی بات پہ عمل کرنا ہی پڑا۔

پہلے تو انہوں نے ان شوز میں نیم گرم پانی ڈالا اور سرف ڈال کر سویرا کے سامنے پہننے کے لیے رکھ دیے۔

روتی صورت لیے سویرا نے پہنے تو اگلا حکم یہ تھا کہ اب چل پھر لو کوئی کام کرنا ہے تو کرلو۔ شپڑ شپڑ سویرا نے پانچ دس منٹ واک کی اور جب پاؤں نکال کر دھوئے تو واقعی نرم گداز ہو چکے تھے۔ ایڑیاں صاف اور میل غائب۔

ذرا سا اس کا بھی دل ٹھہرا کہ یہ تو بہت آسان تھا۔ پہلے کیوں نہیں ذہن میں آیا۔

اگلا مرحلہ اس کی اسکن کا تھا۔ پھپھو نے ہلدی دھیمی آنچ پہ خوب گرم کی اور جب اس کا رنگ گہرا کتھئی ہو گیا تو اتار کے ٹھنڈی کر کے ڈبی میں بھر لی۔ ایک چٹکی شہد میں ڈال کر سویرا کو منہ پہ لگانے کا کہا اور تلاوت میں مصروف ہو گئیں۔

دس منٹ بعد سویرا نے منہ دھو لیا۔

"کچھ دن مسلسل لگانا بیٹا۔ دیکھنا کیسے داغ دھبے غائب ہوتے ہیں۔" سویرا نے سر تو ہلا دیا لیکن اس کا پکا ارادہ تھا کہ ایک دو دن بعد سہی لیکن وہ پارلر کا چکر ضرور لگائے گی۔

"ابھی تو نو روزے باقی ہیں۔"

اس نے خود کو تسلی دی۔

☆☆☆

اسد کے آفس سے آنے کا وقت ہوا تو پھپھو نے اسے کال کر کے، راستے سے نیم کے پتے لانے کا کہا۔ وہ حیران تو ہوا لیکن حامی بھر لی کیونکہ راستے میں تو کیا رکتا، ان کے اپنے آفس میں ہی نیم کے کچھ پودے اور ایک بڑا درخت موجود تھا۔ واپسی پہ اس نے پتے پھپھو کے حوالے کیے تو انہوں نے خوب دھو کر ابال لیے۔ ان کا پانی اسپرے بوتل میں ڈال کر فریج میں رکھا اور سویرا کو وقتاً فوقتاً منہ پہ اسپرے کرنے کا کہا۔ افطاری میں تلی ہوئی چیزیں مسلسل کھانے سے سویرا کے چہرے پہ دانے نکل رہے تھے۔ اس کی جلد حساس تھی اور عموماً دانے نکلتے رہتے تھے لہٰذا ہدایت کی کہ آٹا گوندھ کے بچے ہوئے پانی سے منہ دھو لو۔ آٹے کا پانی وہ ہمیشہ پودوں کو ڈالتی تھی یا ہمسایوں کو بھیج دیتی تھیں کہ وہ اپنے

www.pklibrary.com

جانوروں کو ڈال دیں۔ کیونکہ آٹے کے ذرات ہوتے تھے اور نالی یا سنک میں بہانا گناہ کا باعث تھا۔ پھپھو کے کہنے پہ وہ پودوں کے پاس ہی منہ دھو لیتی اور پانی کیاری میں چلا جاتا تھا۔

☆☆☆

گھی کے، پانچ کلو والے خالی ڈبے میں پھپھو نے ایک مٹھی بھر کر پتی اور گڑ کی شکر ڈال کر، ساتھ تین چار لونگیں ڈال دیں۔ درمیان میں چائے کا خالی کپ رکھا۔ اوپر پانی کی دیگچی بھر کے رکھی اور آٹے کی لئی بنا کر ڈبے کا منہ، بند کر دیا تا کہ بھاپ باہر نہ نکل سکے۔ چولہا جلا دیا اور پندرہ منٹ بعد ڈبہ اتارا تو پتی اور گڑ کا سارا مواد مائع بن کر، کپ میں جمع ہو چکا تھا۔ پھپھو نے وہ محلول سیرپ کی خالی بوتل میں بھر لیا۔ ناخنوں کی خالص مہندی تیار تھی۔ رات کو ناخنوں کے حساب سے میدہ لیا، اس میں تھوڑا سا مہندی کا وہی محلول ڈال کر پیسٹ بنایا اور سویرا کے ناخنوں پہ لگا دیا۔ سحری کے وقت اس نے ناخن دھوئے تو پیلا سا زردی مائل رنگ تھا۔ ناخن اتنے برے لگ رہے تھے کہ وہ روہانسی ہو گئی۔ دوسری رات پھر پھپھو نے وہی کیا اور تیسری رات کے بعد جب سویرا نے ناخن دھوئے تو گہرا میرون رنگ دیکھ کے، دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ دوڑ کے پھپھو کو دکھانے گئی۔

"بیٹا، اب تم آرام سے نماز پڑھ سکتی ہو۔ نیل پالش میں تو وضو ہی نہیں ہوتا۔ اتارو لگاؤ پھر اتارو، پریشانی ہی رہتی ہے۔ نماز کے لیے اتارنا مشکل لگتا ہے۔ مہندی لگائی ہے اب یہ رنگ نہیں اترے گا۔ نیچے سے ہی بڑھتے ہوئے سفید ناخن آئیں گے۔ یہ تب تک رہے گا جب تک یہ ناخن بڑھ بڑھ کر کٹ کر ختم نہ ہوئے۔"

اپنے ناخن دیکھ کر سویرا بہت خوش ہوئی اور پاؤں پہ بھی یہی مہندی لگانے کا ارادہ کر لیا۔

☆☆☆

"کھانے پینے کا اثر جلد اور بالوں پہ ہوتا ہے۔ پھل اور سبزیاں کھایا کرو۔ پانی زیادہ پیو۔ بیکری کی اور تلی ہوئی چیزوں سے بچو۔ ڈبہ بند جوس سے بہتر ہے گھر کا صاف ستھرا جوس خود بنا کر پیو اور بچوں اور اسد کو بھی دیا کرو۔"

پھپھو کی ہدایات جاری رہتی تھیں۔

اگلے کئی روز وہ پھپھو کے بتائے ٹوٹکوں پہ عمل کرتی رہی۔ ٹماٹر کے ٹکڑے پہ شہد ڈال کر لگاتی تو کبھی وہی براؤن ہلدی شہد میں ڈال لیتی۔ نیم کے پتوں کا اسپرے کرتی اور کبھی پھپھو نیم کے پتے پیس کر دہی میں ڈال کر اس کے چہرے پہ لگا دیتیں۔ ناریل کے تیل میں پیاز کا پانی ڈال کر، سر کی مالش کر دیتیں۔ خشکی دیکھی تو لیموں کا رس، سرسوں کے تیل میں ڈال کر لگا دیا۔ پہلی دفعہ کے استعمال کے بعد ہی سر دھویا تو خشکی سکری غائب ہو چکی تھی۔ یہی روٹین رہی اور عید کا دن آن پہنچا۔ ہر طرف رونق اور خوشیاں تھیں۔ رمضان المبارک میں روزے رکھے تو رب کریم کا تحفہ وصول کر کے ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

مہندی سے رنگے ناخن، صاف ستھری جلد، صاف ستھرے ملائم بالوں، اور نرم ایڑیوں کے ساتھ سویرا تتلی بنی اڑ رہی تھی۔ وہ پھپھو کی ممنون تھی، ان کی وجہ سے وہ پارلر جانے گھنٹوں بیٹھنے اور تگڑی رقم خرچ کرنے سے بچ گئی تھی۔ وقت بھی بچا تھکاوٹ بھی نہ ہوئی اور پارلر کے چکروں سے بھی جان چھوٹ گئی۔ ورنہ عید کے دنوں میں رش اور ریٹ بڑھنے کی وجہ سے وہ متوحش ہو جاتی تھی۔ اس دفعہ اس نے بچ جانے والی رقم سے، سامنے والی یتیم بچیوں کو کپڑے چوڑیاں اور مہندی خرید کر دے دی تھی۔ ایسا دلی سکون حاصل ہوا کہ بیان سے باہر تھا۔

"عید مبارک میری پیاری بیوٹیشن" اس نے شرارت سے کہا اور پھپھو کے گلے لگ گئی۔ ظہر پڑھ کر اس نے پھپھو سمیت سسرال روانہ ہونا تھا اور وہ پر جوش تھی کہ میکے اور سسرال میں سب کو اس گھریلو عید پارلر کے بارے میں ضرور بتائے گی تا کہ سب کا فائدہ ہو۔

وہ سوچ کر مسکرائی اور خوشی خوشی شیر خرمہ ڈش میں ڈالنے لگی۔

☆☆

www.pklibrary.com

صائمہ نور

اک محبت کی جستجو

مکمل ناول

''میڈم! میں چاہتا ہوں آپ مجھے کوئی ٹپ دیں۔ آفس کیفے ٹیریا میں موجود وانیہ ایک فائل پڑھنے میں گم تھی، جب سامنے بیٹھے اس کے جونیئر احد نے اس کا ارتکاز توڑا۔ وانیہ نے بھنویں اچکائیں اور تیکھی نظروں سے احد کو دیکھا۔

''ویل...... تمہاری کام سے دیانت ہی سب سے بڑی ٹپ ہے۔'' توقف کے بعد اس نے کہا تھا۔

بے حد صاف، گندمی رنگت، چہرے پر بے تحاشا کشش لیے وانیہ کی بھوری آنکھیں کاجل سے سجی تھیں۔ بھورے بالوں کی ساری دلکشی جوڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔

''پھر بھی میڈم...... میں آپ سے سیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ بضد تھا۔ اس سے پہلے کہ وانیہ، احد کو کوئی جواب دیتی اس کی نظر سامنے بیٹھے شخص پر پڑی۔ وانیہ کی دھڑکنیں ڈوب کر ابھریں۔

''تم اتنے بضد ہو تو ایک کام کرو۔'' وانیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

''جی میڈم۔'' وہ بہت مودب تھا۔

''سامنے والی ٹیبل پر بیٹھا ایک شخص مسلسل مجھے گھور رہا ہے۔ جاؤ اس کی خبر لے کر آؤ۔'' وانیہ نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ میڈم۔'' احد کے انداز میں جھجک تھی۔

''وہ کیا؟ کم آن ٹپ چاہئے ناں جاؤ پھر۔'' وانیہ کا انداز ایسا تھا، احد کو چاروناچار اٹھنا ہی پڑا۔

''ایکسکیوزمی سر......'' احد نے اس شخص کے پاس جا کر ادب سے کہا تھا۔

''یس......'' موبائل میں معروف اس شخص نے احد کے پکارنے پر، اپنی سوالیہ نظریں احد کی جانب مرکوز کی تھیں۔

''سر! آپ اچھے خاصے شریف آدمی لگتے ہیں۔ پھر کیا بات ہے جو آپ میڈم کو مسلسل گھور رہے ہیں؟'' احد کے کہنے پر اس شخص نے بھنویں سکیڑیں۔

''کہاں ہیں تمہاری میڈم۔'' اس شخص نے حیران ہوتے ہوئے احد کا گریبان پکڑ کر پیچھے کیا اور سامنے دیکھا۔ سامنے بیٹھی وانیہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی تو کانفرنس روم میں، اس سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس شخص نے احد کو جھٹکا دے کر خود سے قریب کیا۔

''ٹپ دینے بھیجا ہے میڈم نے؟ اب یاد رکھنا کبھی کسی کی بات پر آنکھ بند کر کے بھروسہ مت کرنا، چاہے سامنے تمہاری میڈم ہی کیوں نہ ہو سمجھے۔'' اس شخص نے احد کو ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا۔

ساتھ ہی اس نے وانیہ کی طرف ایک نگاہ غلط ڈالی تھی۔ وہ دوبارہ اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''میڈم! آپ نے تو مروا ہی دیا تھا۔ کون تھے صاحب اتنا مضبوط ہاتھ۔''

''ٹپ ملی......؟'' وانیہ نے مزے سے کہا۔

''جی جی ملی۔''

''آئندہ مجھ پر بھروسا کرو گے؟'' وانیہ نے خوب صورت آنکھیں اس پر مرکوز کیں۔

''وہ...... ہاں نہیں۔'' ہاں کہے یا نہ وہ کنفیوز

www.pklibrary.com



www.pklibrary.com

"جانتے ہو کون ہیں وہ؟" وانیہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔
"نہیں۔" احد ابھی بھی تعجب میں تھا۔
"وہ ہمارے نئے انچارج ہیں، ہماری طرح وہ بھی آج ہی یہاں ٹرانسفر ہوئے ہیں۔" کچھ دیر قبل ہونے والی میٹنگ میں ہی وانیہ نے اس کو دیکھا تھا، میٹنگ صرف سینئرز کی تھی اسی لیے احد لاعلم تھا۔
اب وہ احد کے چہرے پر آتے جاتے تاثرات کو چھوڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ گھنگھریالے بال ہمیشہ کی طرح سلیقے سے جمے تھے۔ وہ بات کرتا یا مسکراتا، دونوں گالوں پر سیدھی کھنچی لکیر گہری ہو جاتی جو اس کی دلکشی میں کئی گنا اضافہ کرتی۔ وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہینڈسم دکھتا تھا۔ وانیہ نے بے اختیار سرد آہ بھری تھی۔

☆☆☆

دلہن بنی جگنو، شدید اضطراب میں مسلسل ہاتھوں کو الجھائے ہوئے تھی۔ شادی والے گھر کی مخصوص ہلچل اور شور شرابا اب گہرے سکوت میں بدل چکا تھا۔ حفصہ آپا، زوبیہ بھابھی، اسے صبح آنے کا کہہ گئی تھیں۔ سب سے آخر میں بابا بھی زوہیب، زیان کے ساتھ گھر چلے گئے تھے۔ ایک چاند تھا یہاں اگر وہ یہاں کا مکین نہ ہوتا، تو شاید وہ بھی جا چکا ہوتا۔ گویا سب اپنا اپنا بوجھ اتار کر، ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر جا چکے تھے۔ جیسے ان سب کو یقین تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ رات گئے، چار و ناچار ولی احمد کمرے میں داخل ہوا تو جگنو کی تمام حسیات بیدار ہو چکی تھیں۔ ولی نے ایک اچٹتی نگاہ جگنو پر ڈالی، اس کی پیشانی پر تفکر کا جال بچھا تھا۔ اس نے جبڑے کو سختی سے بھینچا اور گہری سانس لی۔
"اس شادی کے خلاف میری تمام تر قباحتیں، گریز، تم اچھی طرح جانتی ہو۔ ہے ناں؟"
جگنو خاموش رہی۔
"ان سب باتوں کے علاوہ بھی اگلے دس سال تک شادی، کبھی بھی میرے کرنے والے کاموں میں شامل نہیں تھی۔" ولی بتا کر پھر رکا تھا۔
جگنو سانس روکے سن رہی تھی۔ وہ ہمیشہ سے اتنا ہی صاف گو تھا۔
"یہ گھر تمہارے لیے نیا نہیں ہے۔ تم جو چاہو وہ کمرہ لے سکتی ہو۔" ولی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔ جگنو اس کی فراخ دلی پر کلس کر رہ گئی۔ سکی کے احساس نے اندر تک چل ڈالا۔ تو اس شادی میں ولی کی مرضی شامل نہیں تھی؟
"آج تم یہاں رہ سکتی ہو۔" جگنو آج کی رات ملی اس رعایت پر اش اش کر اٹھی۔
آج بھی ولی کا دل، جگنو کے لیے کسی گم گشتہ جزیرے پر دفن خزانے کی مانند تھا جس تک پہنچنے کا کوئی سراغ جگنو کے پاس نہ تھا۔
ولی نے باہر برآمدے میں آ کر بتی جلائی تو اسے وہیں ایک کرسی پر براجمان چاند نظر آیا۔ ولی چاند کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ رہا تھا کہ چاند اس کے روبرو آیا۔
"کہاں جا رہے ہو اس وقت؟" چاند کی نگاہوں کا مفہوم ولی اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔
"کہیں نہیں جا رہا یہیں ہوں۔" ولی نے اطمینان سے جواب دے کر سگریٹ سلگائی تھی۔
"کیا تمہیں یہاں ہونا چاہیے؟" چاند نے زور دے کر ولی سے ذومعنی سوال کیا۔
"تم مجھے یہیں تک ایموشنل بلیک میل کر سکتے تھے چاند، بس یہیں تک۔" ولی نے چاند کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا تھا۔
"افسوس! مجھے علم نہیں تھا کہ تم یوں بھی کر سکتے ہو ولی، اچھا نہیں کر رہے۔" چاند کی آواز پست اور دھیمی تھی۔
"مجھے اچھا بننے کا کوئی شوق نہیں ہے، تم کافی ہو۔ بس اتنی مہربانی کرو کہ اپنی اچھائی اپنے تک رکھو مجھے مجبور مت کرو۔" ولی کا لہجہ سپاٹ تھا۔
اس سے پہلے کہ چاند مزید کچھ کہتا ولی اسے نظر انداز کرتا ہوا ڈبے بیڈ پر دراز ہو گیا، چاند تاسف سے

www.pklibrary.com

نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہیں بیٹھ چکا تھا۔ ولی کچھ دیر میں ہی غافل ہو کر گہری نیند میں تھا۔
"ولی کب اتنا بے حس ہوا؟" چاند نے اسے اطمینان سے سوتا دیکھ کر سوچا تھا۔
جگنو کے دل پر کیا گزری ہوگی، پتا نہیں اس سے کیا کہا ہوگا اس نے چاند سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔
جگنو، چاند اور ولی..... چاند کو ماضی میں ہوئی ہر بات ازبر تھی۔

☆☆☆

مغرب ہوتے ہوتے، جگنو نے کچن کا تمام سامان کیبنٹس میں جما دیا تھا، وہ ایک طائرانہ نظر کچن پر ڈالتے ہوئے باہر برآمدے میں آئی۔ بہت دیر ہو چکی تھی اب اسے گھر جانے کی فکر ستانے لگی تھی۔
کیا کرنا چاہیے چاند کے اٹھنے کا انتظار کرے یا ایسے ہی نکل جائے، ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ چاند کمرے سے نکلا تھا۔
"جگنو تو یہیں ہے سوری میری آنکھ لگ گئی تھی، چل تجھے چھوڑ آتا ہوں؟" چاند نے برآمدے میں موجود واش بیسن میں ہاتھ منہ دھوتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ شفٹنگ کے باعث جگنو آج صبح سے یہاں موجود تھی، ولی اور چاند کی مدد کے لیے وہ ان دونوں کے منع کرنے کے باوجود نہیں مانی تھی۔
صوفے پر پاؤں پھیلائے بیٹھی جگنو نے چاند کی بات سن کر، اثبات میں سر ہلایا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر جگنو نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ولی گھر میں داخل ہوا تھا دروازہ مقفل نہیں تھا۔
"ہیلو ایوری ون؟" ولی نے ایک ساتھ دونوں کو مخاطب کیا تھا۔ ہاتھ میں تھامے مختلف ریڈی ٹو کک میل سے بھرے مختلف پیکٹس کاؤنٹر پر رکھے، ہاتھ منہ دھو کر فریج سے پانی کی بوتل نکال کر پانی پیا۔
"جگنو گھر نہیں گئی ابھی تک؟" ولی نے بھی جگنو سے یہی سوال کیا تھا۔
"میری آنکھ لگ گئی تھی، ابھی اٹھا ہوں۔ بس چھوڑنے جا رہا ہوں۔" جگنو کے بجائے چاند نے جواب دیا تھا۔
"رکو، میں سموسے اور ڈونٹس لایا ہوں، میں چائے بناتا ہوں پھر چھوڑ آنا اسے۔" ولی نے سموسے اور ڈونٹس کے لفافے چاند کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔
"ٹھیک ہے۔" چاند لفافے تھام کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔
اب جگنو اور چاند سموسوں سے انصاف کرتے ہوئے، دنیا و مافیا سے بے خبر ہو کر اپنی پورے دن کی مصروفیات ایک دوسرے کے گوش گزار کر رہے تھے۔ ولی نے چائے تپائی پر رکھی اور خود لاتعلق سا بن کر وہیں بیٹھ گیا۔
سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس، رنگ برنگا شیفون کا دوپٹہ لیے جگنو کافی معقول لگ رہی تھی۔ اگر وہ اپنا حد سے بڑھا ہوا اعتماد، بے ڈھنگا پن اور نادانیاں کچھ کم کر لیتی تو کافی بہتر تھی۔ ولی آج واقعی اس کا ممنون تھا اسی لیے یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا۔
ان دونوں نے بھی ایک نظر تک ولی پر نہیں ڈالی تھی۔ دونوں ساتھ ہوتے تو ہر چیز پس منظر میں چلی جاتی۔ اپنی چائے کی چسکیاں لیتا ہوا ولی ان دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا۔ کیا واقعی لوگوں کے بیچ ایسی دوستی بھی ہو سکتی ہے، جبکہ بسا اوقات خون کے رشتے بھی اپنا بھرم قائم رکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ولی سوچے بغیر کیسے رہ سکتا تھا؟
ولی نے بے ارادہ ایک نگاہ اپنے گھر پر ڈالی۔ وہ اپنے گھر سے الگ ہونے کے بعد ہمیشہ خواہش رکھتا تھا کہ اپنا گھر بنائے گا۔ کیونکہ اپنے گھر والوں سے تمام تر اختلافات، بدمزگیوں کے باوجود وہ ان کی کمی محسوس کیا کرتا تھا۔ ولی نے اس گھر میں ہر وہ چیز مہیا کی تھی جو کسی مکان کو گھر بناتی ہے۔ کیا وہ اس مکان کو گھر بنا پائے گا؟
کیا اس کے والد اپنے گھر کو گھر بنا پائے تھے؟
وہ گھر جہاں اس نے آنکھ کھولی۔ شہر کے پوش علاقے میں موجود تمام تر سہولتوں سے آراستہ اس کا وہ گھر جہاں اس کے ماں باپ اور چھ بہن بھائی مل کر بھی اس گھر کو گھر بنانے اور اس گھر کے سب سے کمزور مکین کو تحفظ دینے میں ناکام ٹھہرے تھے۔

www.pklibrary.com

حالانکہ اس کے والد نے ان لوگوں کی تعلیم و تربیت اور دوسری ضروریات زندگی مہیا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی تھی۔ باپ ہونے کی حیثیت سے وہ گھر کے سربراہ تو تھے۔ لیکن وہ اپنے بچوں کے رہنما نہ بن سکے تھے۔ ولی کی بے سروپا سوچوں کو دروازے کی دستک نے توڑا تھا۔ جگنو نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے ارسلان اور رخشندہ بیگم موجود تھے۔

جگنو نے خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھا اور ایک طرف ہوگئی گویا انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔

''تم یہاں ہو اور ہم تمہیں پورے جہان میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہو رہے ہیں۔'' رخشندہ بیگم بات بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی عادی تھیں۔

''کیوں ڈھونڈ رہی تھیں آپ مجھے؟ کون سا کام پڑ گیا آپ کو مجھ سے؟'' جگنو کا لہجہ ترش تھا۔

''آپ لوگ اندر آجائیے۔'' چاند نے رخشندہ بیگم کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ہم جائیں گے۔ اس لڑکی نے پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔ صبح سے یہاں ہے بغیر بتائے اس کے باپ نے ہمارا جینا حرام کیا ہوا ہے اس کا پوچھ پوچھ کر۔ اور یہ یہاں مزے سے بیٹھی ہے۔'' رخشندہ بیگم بات کرتے کرتے اندر داخل ہوئی تھیں۔ ارسلان کو خبر تھی کہ آج ولی اور چاند یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔

''ابو کو پریشان کرنے اور میری شکایت لگانے کا تو موقع چاہیے آپ کو۔'' جگنو نے کہا۔ وہ کسی سے ڈرتی کہاں تھی۔

''گھر چلو ذرا آج تمہاری خبر لینی پڑے گی اچھی طرح۔''

''میں دیر سے آؤں گی آپ جائیں۔'' جگنو نے انہیں مزید زچ کرنے کو کہا تھا۔

''پریشان ہونے کے بجائے آپ پہلے ہی یہاں فون کر لیتیں آپ کو علم تو ہے یہ اکثر یہاں آتی ہے۔'' ولی نے دھیمے شائستہ انداز میں انہیں کہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جگنو کی حمایت میں بول پڑا تھا۔ رخشندہ بیگم معنی خیز نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''ولی! تم سمجھ دار ہو تم ہی سمجھاؤ اس کو۔ ناک میں دم کر رکھا ہے اس لڑکی نے۔ میں اپنے بچوں کو سنبھالوں یا اس کو دیکھوں۔'' انہوں نے اپنی آواز میں تمام تر بے چارگی سموتے ہوئے کہا تھا۔ ولی نے اب گھور کر جگنو کی طرف دیکھا تھا۔ ولی کو اچھی طرح یاد تھا صبح جب وہ آئی تو چاند نے سب سے پہلے اس سے یہی پوچھا تھا کہ تم گھر میں بتا کر آئی ہو تو اس نے پورے اعتماد اور بڑے آرام سے کہا تھا ''ظاہر ہے بغیر بتائے تو نہیں آؤں گی۔'' جگنو ولی کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر گڑبڑا کر یہاں وہاں دیکھنے لگی تھی۔

''ہم سمجھے کمرے میں ہوگی معمول کی طرح کہ بغیر کسی کام کے کمرے سے باہر نکلتی ہی نہیں ہے۔ یہ تو اس کے ابو کا فون آیا تو دیکھا کہ وہاں نہیں تب سے ڈھونڈ رہے ہیں۔''

''جی ولی بھائی میں اور شان چار بجے سے ڈھونڈ رہے ہیں جگنو باجی کو۔ پہلے عمارہ باجی کے ہاں دیکھا۔ پھر خیال آیا کہ یہیں ہوں گی باجی۔'' ارسلان نے اپنی ماں کی گواہی دی۔

''میں نے تو بتایا تھا آپ نے سنا نہیں ہوگا۔'' جگنو نے پھر سفید جھوٹ بولا تھا۔

''چلو اب چلیں؟'' رخشندہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں تھوڑی دیر میں آؤں گی آپ لوگ جائیے۔'' جگنو نے ہٹ دھرمی سے کہا تھا۔

''جگنو! تم ابھی جاؤ گی اور آئندہ اس طرح بغیر بتائے کہیں جانے کی ضرورت نہیں سمجھیں؟'' ولی کا انداز دوٹوک تھا۔ ولی کے اس انداز کا مطلب تھا بات ختم۔ جگنو نے منہ بنا کر چاند کی طرف دیکھا۔ چاند نے آنکھوں آنکھوں میں جگنو کو جانے کا اشارہ کیا۔ رخشندہ بیگم تنفر سے آگے چل دی تھیں، ارسلان اور جگنوان کے پیچھے پیچھے تھے۔

چاند نے دروازہ بند کیا۔ جگنوان کی سگی پھوپھی زاد تھی۔ لیکن رخشندہ بیگم اس کی پھوپھی نہیں تھیں، وہ جگنو کی سوتیلی ماں تھیں۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

"جگنو! یہ کیا حرکت ہے بیٹا، کچھ اندازہ ہے میں یہاں کتنا پریشان ہو رہا ہوں تم فون بھی گھر میں چھوڑ کر گئی تھیں۔ یہ کیسی لاپروائی ہے؟ ویسے بھی کہیں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ گھر میں اپنی امی کا ہاتھ بٹایا کرو۔"

امتیاز صاحب اس کو فون پر سخت سرزنش کر رہے تھے۔ انہیں اپنی بیٹی کا اپنے ماموں کے گھر جانا، ان کے بچوں خاص کر ولی اور چاند سے ملنا جلنا قطعی پسند نہیں تھا جس کی بنیادی وجہ صرف اور صرف چاند کا وجود تھا۔

پاس بیٹھے چھوٹے بہن بھائی اس کی عزت افزائی پر چپکے چپکے ہنس رہے تھے۔ جگنو کا دل چاہا انہیں چیخ کر کہے کہ وہ اس کی ماں نہیں تھیں۔ وہ رخشندہ بیگم کو تو بدتمیزی سے جواب دے سکتی تھیں انہیں نہیں۔ سو چپ چاپ سر جھکا کر ڈانٹ سنتی رہی۔

جگنو کی ماں کا انتقال، اس کی پیدائش کے کچھ ماہ بعد ہی ہو گیا تھا، یوں اس نے کبھی ماں دیکھی ہی نہیں تھی۔ امتیاز صاحب نے دوسری شادی جگنو کے لیے ہی کی تھی کہ اسے ماں کی ضرورت تھی۔ یوں تو رخشندہ بیگم ظالم نہ تھیں۔ کچھ عرصے تک انہوں نے جگنو کو اپنی اولاد ہی کی طرح پالا مگر اوپر تلے اپنے بچوں کی پیدائش میں جگنو کہیں پیچھے ہی رہ گئی۔

مزید انہیں یہ کھٹکا کہ امتیاز علی اپنی تمام اولادوں میں جگنو کو ہر بات میں مقدم رکھتے ہیں۔ اس کی جو اہمیت ہے وہ دوسرے بچوں کی نہیں تو رخشندہ بیگم کو لگا ان کی اولاد کے مقابلے میں جگنو کا مقام زیادہ مستحکم ہے اس بات نے انہیں بے چین و غیر محفوظ کر دیا۔ انہوں نے غیر محسوس طریقے سے جگنو کو نظر انداز کرنا شروع کیا۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کی منفی عادتیں نمایاں کرتیں کہ امتیاز علی کو اسے ٹوکنا ہی پڑتا۔ امتیاز صاحب اس کی بھلائی کے پیش نظر اسے ڈپٹتے یا سزا دیتے جس سے باپ اور بیٹی کے درمیان خلیج بڑھنے لگی۔

جگنو کا اعتماد ختم ہوتا گیا، وہ سب کے سامنے آنے سے ڈرنے لگی اور آہستہ آہستہ بالکل ہی منظر سے ہٹ گئی۔ جب روزگار کے سلسلے میں امتیاز صاحب کو باہر جانا پڑا تو جگنو بالکل ہی اکیلی ہو کر رہ گئی۔

رخشندہ بیگم اب کھل کر اس کے خلاف میدان میں آ گئی تھیں۔ بات بات پر اسے جھڑکتیں۔ جگنو پہلے تو سمجھ نہیں پائی، جب سمجھی تو اس نے اپنے اردگرد حفاظتی لکیر کھینچنا شروع کی اور دفاعی انداز اپنا لیا، اب وہ کسی کے کچھ کہنے سے پیشتر ہی اتنا شدید ردعمل دیتی کہ سب، اس سے بات کرتے بھی ڈرنے لگے تھے۔

ہر طرح کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے اس نے لاپرواہ سا انداز اپنا لیا تھا۔ بدتمیزی، بے ڈھنگے پن اور حد سے بڑھے ہوئے اعتماد نے اس کی شخصیت میں بگاڑ پیدا کر دیا تھا۔

اس کی زندگی میں اگر کچھ اچھا تھا تو وہ چاند تھا۔ چاند بھی اس کی طرح اکیلا تھا۔ اپنوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی تنہا اور اداس۔ چاند بہت خاموش طبع تھا، جگنو جب بھی اس سے ملتی بے تکان باتیں کیا کرتی۔ پہلے پہل تو چاند اس سے فاصلے پر رہتا۔ جگنو کے مسلسل خلوص اور محبت سے مانوس ہونے میں چاند کو وقت نہیں لگا۔ اس کی بے ریا محبت سے چاند کی زندگی روشن ہو گئی تھی۔ اسی لیے چاند اسے جگنو کے نام سے پکارنے لگا جو آگے جا کر سب کی زبان پر چڑھ گیا تھا۔

چاند اور ولی جگنو کے ماموں زاد تھے۔ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ تھے۔ وہ دونوں جڑواں بھائی تھے۔ چاند کا تعلق ایک ایسی جنس سے تھا جس کا شمار نہ تو مردوں میں ہوتا تھا نہ ہی عورتوں میں۔ ولی ایک ایسا چاند تھا جس پر چاند نام کا گرہن پیدائش کے ساتھ ہی لگ گیا تھا۔ ان کے والدین چاند کو دیکھ کر ولی کی بھی خوشی نہیں منا سکے تھے۔ چاند کو کبھی اپنے گھر میں وہ پیار توجہ نہیں مل سکا تھا جو ایک نارمل بچے کو ملتا ہے، جو اسی گھر میں ولی کو ملتا تھا۔

ولی بچپن سے ہی بہت حساس تھا اسے گھر میں ملنے والی محبت کی تفریق کا یہ دہرا رویہ، سخت ناپسند اور نامنظور تھا، ولی اپنے باقی بہن بھائیوں کی طرح حالات پر کبھی سمجھوتا نہیں کر سکا۔ وہ ہمیشہ اس بات پر کڑھتا کہ چاند کے ساتھ یہ مساوی سلوک کیوں؟

www.pklibrary.com

بہن بھائیوں کا رویہ بے حد ہتک آمیز تھا مگر وہ ہمیشہ سے ایسا نہ تھا، پہلے پہل وہ سب چاند سے بھی ویسی ہی محبت سے پیش آتے جو اس کا حق تھی۔

آہستہ آہستہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ جب سب کو ادراک ہوتا گیا کہ چاند ایک نارمل بچہ نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ایک ایسی جنس سے ہے جسے بہت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ معاشرے کی ناہمواریوں، بدسلوکیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھیں۔ چاند کے جرم کی سزا صرف چاند کو ہی نہیں باقی بہن بھائیوں کو بھی طعنے تشنوں، امتیازی سلوک اور قطع تعلقی سے ملتی، جس سے ان کے دل میں چاند کے لیے نفرت پیدا ہوتی گئی۔

چاند سے نفرت کی دوسری سب سے بڑی وجہ بہنوں کے رشتوں میں ہونے والی رکاوٹ تھی۔ رہے ماں باپ تو وہ اسی معاشرے کا حصہ تھے، انہیں یہیں رہ کر باقی بچوں کی ذمہ داری بھی نبھانی تھیں۔

ابرار صاحب نے اپنے سالے، امتیاز علی کے کہنے پر چاند کو ایک خاص عمر تک پہنچنے پر ایک اسی جنس کی بہت اچھی جماعت کے حوالے کر دیا تھا۔ ابرار ہر ماہ چاند کی دیکھ ریکھ اخراجات کے لیے ایک مخصوص رقم ان کے حوالے کرتے۔ وہ چاند کا پورا پورا خیال رکھتے۔ ولی یہ سب قبول نہیں کر سکا تھا۔ یہیں سے اس کی اپنے والد اور پھوپھا امتیاز علی سے رنجش کی ابتدا ہوئی۔

جڑواں ہونے کی وجہ سے اسے چاند سے خصوصی لگاؤ تھا۔ وہ چاند کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ ابرار احمد بیٹیوں کے رشتوں میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی سے چاند کا ذکر تک نہ کرتے تھے۔ ولی اس بات پر بھی بہت کڑھتا، وہ چاہتا کہ انہیں یہ بات کسی سے چھپانی نہیں چاہیے۔ ولی بچہ تھا اسے یہ علم نہیں تھا کہ ایک اس بات کے چھپانے سے ان کے کتنے مسائل خود بخود حل ہو جاتے تھے۔

ولی کی ماں ان ہی باتوں اور بدمزگیوں کی وجہ سے مسلسل بیمار رہنے لگی تھیں۔ انہیں کینسر جیسی موذی بیماری لاحق ہو چکی تھی۔ ان کے گھر میں امتیاز علی کا کردار بے حد اہم تھا، وہ ہر دکھ میں ابرار احمد کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہوئے خاص طور جب سعدیہ بیمار تھیں وہ ولی کو سمجھاتے کہ وہ کتنی بیمار ہیں، وہ ان کا خیال کرے اور حالات کو قبول کرے اس میں سب کی بہتری ہے۔

ہر طرح سمجھانے پر بھی ولی اپنی والدہ کے آخری وقتوں میں، چاہتے ہوئے بھی ان کے قریب نہیں رہ سکا۔ ولی اپنی ماں کی بے بسی نہیں جانتا تھا کہ وہ خوش نہیں بلکہ مصلحتاً خاموش تھیں۔

ولی ان سب باتوں کو سمجھنے کے لیے بہت چھوٹا تھا۔ اسے صرف چاند مظلوم نظر آتا باقی سب اسے مجرم لگتے۔ سعدیہ بیگم کو چاند کی جدائی کے بعد ولی کی بے رخی اندر ہی اندر کھاتی رہی۔

ایک دن بہت خاموشی سے انہوں نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا۔ ان کے جانے کے بعد ولی کو معلوم ہوا کہ اس گھر میں اپنی ماں کے بغیر وہ کتنا ادھورا تھا۔ اب باقی بہن بھائی کھل کر اس کی بھی مخالفت کرتے۔ وہ چاند سے ملنا چاہتا تو ہر کوئی اعتراض کرتا۔

بڑے زبیر بھائی کی شادی کا وقت ہوا تو ولی نے پھر وہی سوال اٹھایا۔ باقی سب کی طرح زبیر کی بیوی سے بھی چاند کو چھپایا گیا۔ حفصہ آپا کی منگنی، پھوپھا کی دوسری بیوی کے بھائی سے طے ہوئی تو سب ٹھیک تھا۔

امتیاز علی نے ایک بار پھر حفصہ آپا کے سسرال میں چاند کو سب سے چھپانے کا مشورہ دیا تھا۔ ولی کو یہ بات قطعی پسند نہیں آئی، وہ اسی بات پر تکرار پر آمادہ تھا کہ ابرار صاحب نے اس دن حتمی فیصلہ لیا، ولی سے دوٹوک بات کرنے کا۔ امتیاز علی بھی اپنے سالے کی تاریخ طے کرنے کے سلسلے میں موجود تھے۔

”ولی تم ابھی چھوٹے ہو ان باتوں کی نزاکت کو نہیں سمجھتے جب اس قابل ہو جاؤ تو خود کو میری جگہ رکھ کر دیکھنا سب سمجھ میں آ جائے گا۔“ وہ بہت تحمل سے ولی کو سمجھا رہے تھے۔

”ٹھیک ہے بابا! آپ مجبور ہیں، میں تو نہیں، میں تو چاند کی ساتھ رہ سکتا ہوں؟ اسے میری ضرورت ہے۔“

ولی اس کی بات پر ابرار نے اسے غصے سے

www.pklibrary.com

دیکھا تھا۔
"وہ جن لوگوں کے ساتھ رہتا ہے وہ اس کی ہم سے بہتر حفاظت کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ان میں سے ایک ہے۔ سمجھو ولی ......اور ہم تمہارے یہاں نہ رہنے پر دنیا کو کیا جواب دیں گے؟"
"وہ خوش نہیں ہے میں نے اسے اداس دیکھا ہے ہمارے بغیر۔" ولی کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔ "آپ کہہ دیجیے گا کہ میں کسی دوسرے شہر میں پڑھنے گیا ہوں اور ہوسٹل میں رہ رہا ہوں۔"
"تو تم کسی طرح نہیں مانو گے؟" ابرار اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے۔
"جی میں چاند کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔" ولی نے مضبوطی سے کہا تھا۔
"اتنے بڑے ہو تم؟ رہ سکو گے اکیلے؟" ابرار استہزائیہ ہنسے تھے۔
"میں رہ لوں گا۔" ابرار صاحب نے اپنے سولہ سالہ جذباتی بیٹے کو دیکھا تھا۔
"میں تمہیں نہیں جانے دے سکتا۔" ابرار نے دوٹوک کہا تھا۔
"کیوں؟ کیوں نہیں جانے دے سکتے؟" ولی کے انداز میں حجت تھی۔
"چاند تو مجھ سے زیادہ کمزور ہے؟ اسے جانے دے سکتے ہیں، مجھے نہیں، حیرت ہے۔" ولی ماننے والا نہ تھا۔ "اس لیے کہ میں نارمل ہوں تو آپ کے لیے قیمتی ہوں۔ وہ آپ کے کسی کام کا نہیں تو آپ کے لیے بوجھ ہے؟"
"ولی! یہ بات نہیں ہے بیٹا، چاند کے علاوہ میرے پانچ بچے اور بھی ہیں، ان کے مستقبل کے لیے سوچنا بھی میرا فرض ہے۔ کیا کروں ان سب کو پھینک دوں کہیں؟" ابرار زچ ہو کر چلائے تھے۔
"بیٹا، اتنی بحث نہ کرو باپ سے ہم سب تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔ اگر رخشندہ کے بھائی یا باقی گھر والوں کو چاند کا پتا لگا تو وہ انکار کر دیں گے اس رشتے سے۔" امتیاز علی نے ایک اور بات سے انہیں ڈرایا تھا۔
حفصہ آپا کا رشتہ پہلے بھی اسی بنا پر دو بار ٹوٹ چکا تھا۔
"آپ بیچ میں مت بولیں۔" ولی نے بدتمیزی سے کہا تھا۔ "یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔" ولی کو امتیاز علی کا ان کے گھر کے ہر معاملے میں بولنا سخت ناپسند تھا۔ خاص کر ولی کو لگتا انہیں چاند سے بلاوجہ کا بیر تھا۔
"ابرار بھائی صاحب! دیکھ لیں اگر کسی کو پتا لگنے سے کچھ گڑبڑ ہوئی تو مجھے الزام نہ دیجیے گا۔ میں اس لڑکے کے جذباتی پن کی وجہ سے رخشندہ کے گھر والوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے رشتہ ختم ہونے کی دھمکی دے کر ولی کی نظروں میں خود کو مزید گرا لیا تھا۔
"آپ اس کی باتوں میں کہاں آ رہے ہیں امتیاز بھائی! اگر اس کو یہاں نہیں رہنا تو نہیں رہے میں اس بار حفصہ کے معاملے میں کسی قیمت پر کوئی رسک نہیں لوں گا۔"
"ہم لوگ اپنی بات پر قائم ہیں تم کہو کیا فیصلہ کیا ہے؟" انہوں نے ولی سے پوچھا۔
"میں بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔" ولی نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہا تھا۔ وہ بھی آخر ان کا ہی بیٹا تھا۔
"جانا ہے جاؤ یہاں سے اور آئندہ اپنی شکل نہ دکھانا مجھے۔" ابرار اس کی ہٹ دھرمی پر شدید اشتعال میں آ گئے تھے۔ ان کی اونچی آواز سن کر پورا گھر وہاں جمع ہو گیا تھا۔
"ٹھیک ہے، میں جا رہا ہوں بابا۔" ولی نے کہہ کر اپنا ضروری سامان پیک کیا تھا۔
تینوں بہنیں بری طرح رو رہی تھیں۔ انہوں نے اسے مری ہوئی ماں کے واسطے دیے تھے وہ رکنے والا کہاں تھا۔ زبیر بھائی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے انہیں بھی ٹکا سا جواب دے دیا تھا جبکہ باقی دونوں بھائیوں نے اس کے جانے پر سکھ کا سانس لیا تھا۔
وہ سب کچھ چھوڑ کر چاند کے پاس چلا گیا۔ چاند نے ولی کی آمد پر اسے سخت سرزنش کی، اسے سمجھایا کہ اس کی زندگی کس قدر مشکل ہے۔ واپس جانے کو کہا مگر ولی ساری کشتیاں جلا کر آیا تھا۔ ولی کو لگتا تھا کہ

www.pklibrary.com

امتیاز علی محض مفروضوں اور ولی کی پرخاش میں یہ سب باتیں کر رہے تھے۔ لیکن ان کی بات کسی حد تک ٹھیک بھی تھی۔ وہ اپنے سسرال والوں کا مزاج اچھی طرح پہچانتے تھے اور بعد ازاں ولی نے گھر چھوڑا تو وہ گھر والوں سے اتنا بددل ہوا تھا کہ عید تہوار اور خاص مواقع پر بھی اس نے گھر آنا چھوڑ دیا تھا۔ ولی کے اس رویے کی وجہ سے یہ بات زیادہ دیر چھپ نہ سکی اور آخر کار سب کو پتا چل ہی گیا کہ ولی نے گھر چھوڑا ہے، وہ اسی شہر میں اپنے جڑواں بھائی کے ساتھ اکیلا رہتا ہے۔ جس سے ان کے خاندان کی مزید ہتک ہوئی تھی۔

ولی نے اپنا اٹھایا ہوا قدم صحیح ثابت کرنے کے لیے کڑی محنت کی۔ وہ جب گھر سے نکلا تھا تو فرسٹ ایئر میں تھا۔ ابتدا میں اس نے انگریزی اور حساب کی ٹیوشنز پڑھانا شروع کیں، جن سے اس کی اچھی گزارے لائق آمدنی ہو جاتی وہ کراٹے بلیک بیلٹ تھا اس نے اپنے ایک چھوٹے سے کمرے میں علاقے کے بچوں کو مارشل آرٹ سکھانا بھی شروع کیا۔ جو بعد میں آگے جا کر ایک بڑے مارشل آرٹ کلب میں تبدیل ہو گیا تھا۔

پڑھائی کے ساتھ ساتھ، وہ ایک جگہ پارٹ ٹائم ایک پرائیویٹ کمپنی میں منیجمنٹ کی جاب کیا کرتا تھا۔ ولی کی محنت دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ اس لڑکے کا مستقبل روشن ہے۔

جگنو نے اپنے ماموں کے یہاں ولی اور چاند کی گہری حساس محبت دیکھی تھی۔ جگنو نے دیکھا کہ ولی نے چاند کی خاطر، کس قدر کڑی ریاضت کی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ ولی کیسے چاند کے لیے ہر جگہ ڈھال بنا ہوا تھا، ولی چاند کا مسیحا تھا۔ شاید جینے کے لیے ہر شخص کو ایک مسیحا و غم گسار چاہیے ہوتا ہے۔ اسی لیے جگنو، جانے انجانے ولی میں اپنا ہمدرد تلاش کرنے لگی تھی اور اسی تلاش میں وہ جانے کب سے ولی کو اس قدر چاہنے لگی کہ اسے خود بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

''جگنو جگنو۔'' جگنو ابھی تک نرم گرم بستر میں خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی، جب اسے رخشندہ بیگم کی تحمیلی آواز سنائی دی وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی چار و نا چار اٹھنا ہی پڑا۔

''کیوں چلا رہی ہیں؟'' جگنو نے جمائی روکتے ہوئے پوچھا۔

''جوان جہاں لڑکی کے ہوتے ہوئے ماں ہلکان ہو رہی ہے۔'' رخشندہ بیگم اسے دن میں کئی مرتبہ یاد دہانی کرواتیں کہ وہ، سوتیلی ہی سہی اس کی ماں ہیں۔

ان کے اس جملے پر جگنو کی نیند سے ادھ کھلی آنکھیں پوری کھل گئی تھی۔

''جا کر ناشتہ بناؤ، مجھے اسکول جانا ہے پیرنٹ ٹیچر میٹنگ ہے۔'' شان ارسلان ماہم طلحہ چاروں ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔

جگنو سنتے ہی بستر سے نکلی تھی۔ اس لیے نہیں کہ فرماں بردار تھی، اس لیے کہ آج اسے چاند کے گھر جانا تھا۔ اور انکار یا بدتمیزی کی صورت وہ اس کے جانے پر پابندی بھی لگا سکتی تھیں۔

یہ اس کا بچپن سے معمول تھا، پہلے ممانی حیات تھیں تو وہ ہر وقت ماموں کے گھر رہتی۔ ممانی کے انتقال کے بعد، جب حالات بدلے چاند اور ولی الگ رہنے لگے تو اس نے خود ہی وہاں جانا ترک کر دیا۔

حفصہ آپا کی منگنی، جب تک رخشندہ بیگم کے بھائی کے ساتھ رہی وہ تب بھی کبھار ان کے ساتھ جایا کرتی۔ ان کی منگنی ختم ہوتے کے بعد، دونوں خاندانوں کے تعلقات ختم تو نہیں ہوئے کہ امتیاز علی نے منگنی ختم ہونے کی وجہ، صرف اور صرف ولی کی ہٹ دھرمی کو قرار دیا تھا اور یہ سچ بھی تھا۔

جگنو کو ان سب باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا، اسے چاند اور ولی ہر حال میں عزیز تھے۔ خاندان میں ان دونوں کو جو ہیں جیسے ہیں کی بنیاد پر قبول کرنے والی وہ پہلی انسان تھی۔ وہ ماموں کے بجائے چاند کے گھر جانے لگی۔ امتیاز صاحب روزگار کے سلسلے میں بیرون ملک گئے تو انہیں اس کے وہاں جانے کی خبر نہ ہوئی۔ رخشندہ بیگم سب جانتے ہوئے بھی، امتیاز علی کے علم میں

www.pklibrary.com

نہ لائیں کہ وہ اس بہانے گھر سے کہیں جاتی تو تھی۔ وہ ہوتی تو گھر پانی پت کا میدان بنا رہتا۔

چاند پرائیوٹ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ سو ہر وقت گھر پر ہوتا۔ چاند اپنی ہر کیفیت جگنو سے بانٹتا، وہ باتیں جو وہ کسی اور کے سامنے نہیں کر سکتا تھا، وہ بڑے آرام سے جگنو سے کیا کرتا۔ وہ جگنو کو بتایا کرتا کہ کیوں وہ لوگوں کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے اس کی بڑھتی عمر کے ساتھ بدلتی وضع قطع سے اسے کیا کیا مشکل درپیش آتی ہے۔ جگنو اس کا دھیان بٹاتی، اسے سمجھاتی کہ یہ سب زندگی کا حصہ ہے۔ زندگی میں کوئی مکمل نہیں ہوتا۔ جگنو اور چاند ایک دوسرے کے لیے دائرہ سکون کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ دونوں ساتھ مل کر کوکنگ شو دیکھا کرتے۔ کھانے کی مختلف تراکیب مل کر بناتے۔

چاند اور جگنو کی دوستی دیکھ کر ولی بھی، خاموش رہتا کہ چاند سے بے حد محبت کرنے کے باوجود بھی ولی اور چاند کے بیچ ایک فاصلہ تھا کیونکہ ولی دوست سے زیادہ اس کا ناصح تھا۔ ولی کو لگتا چاند کو دوست کی ضرورت ہے۔ اسی لیے جگنو کے تمام تر بچپنے کے باوجود اس نے کبھی ان دونوں کو ملنے سے نہیں روکا تھا۔

"چل جگنو! سلائی سیکھتے ہیں یوٹیوب سے۔"

"واہ جگنو! کتنے اچھے چاول بنائے ہیں۔"

"جگنو! تیرے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔"

"جگنو تو پھپھو کی طرح دکھنے لگی ہے۔"

"جگنو تو کتنی پیاری لگ رہی ہے آ تیری نظر اتاروں۔"

ولی بھی گھر میں ہوتا تو چاند کے یہ الفاظ اکثر کانوں میں پڑتے، وہ کوفت سے سر ہلا کر رہ جاتا، یا کبھی زیر لب مسکرا دیتا اور کبھی وہ بے اختیار جگنو کو دیکھتا۔ کیا وہ واقعی پھپھو جیسی دکھتی ہے؟ اور اتنی پیاری ہے کہ اس کی نظر اتاری جائے؟

ولی کچھ بھی سوچتا، چاند کو اپنی یہ چھوٹی سی دوست بہت عزیز تھی۔ ہر چیز معمول پر ہی تھی کہ یکدم جگنو میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں، جو چاند کی نظر سے چھپ نہ سکیں۔ اب اس کے دل میں چھپی چاہت اس کے ہر انداز سے جھلکنے لگی تھی۔ وہ ہر وقت کھوئی کھوئی رہتی تھی۔ ولی گھر پر نہیں ہوتا تو چاند کو اس کی نگاہیں، کسی کو کھوجتی ہوئی سی محسوس ہوتیں۔ چاند نے کئی بار پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے۔ جگنو نے کچھ نہیں کہہ کر ٹال دیا۔ اس کے جواب سے چاند مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔ جگنو کے الجھے رویے سے پریشان ہو کر چاند نے کئی بار اسے کریدا تو وہ، پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"تو کیوں رو رہی ہو...... کیا ہوا ہے؟ چاند مزید تشویش میں مبتلا ہو چکا تھا۔"

چاند میں جگنو جھجک کر چپ ہوئی تھی۔

"ہاں کیا؟" چاند وجہ جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"چاند میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" جگنو نے اٹک اٹک کر کہی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ چاند کیسے سمجھ سکتا تھا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"کس کے بغیر نہیں رہ سکتی؟" چاند نے پوچھتے ہوئے دل میں دعا کی کہ وہ نہ ہو جو وہ سمجھ رہا ہے۔

"ولی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" جگنو نے بہت مشکل سے یہ لفظ ادا کیے تھے۔ وہ یہ بوجھ اٹھائے اٹھائے تھک چکی تھی۔

"کیا؟ یہ کیا کہہ رہی ہو؟ جگنو تو۔" چاند کو لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے۔ وہ اتنا ششدر تھا کہ اسے اپنے محسوسات بیان کرنے کے لیے لفظ نہیں مل رہے تھے۔

"ہاں چاند، میں ولی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

اُف چاند نے سر پکڑ لیا۔ یہ کیسے ہو گیا؟ وہ جانتا تھا اس لڑکی کے اندر توانائی و ذہانت کا ایک طوفان تھا، جس کی سمت کا تعین کرنے والا کوئی نہیں تھا اسی لیے صحیح راستہ نہ ملنے پر وہ یہاں وہاں بھٹک رہی تھی۔ چاند کو تاسف نے آن گھیرا۔ ٹھیک ہے محبت بھی کوئی انہونا جذبہ نہیں، ہونے کو ہو گیا۔ لیکن ولی اور جگنو دونوں یکسر ایک دوسرے کے الٹ تھے۔

ایک مشرق ایک مغرب۔ ایک زندگی کو مکمل سنجیدگی اور ذمہ داری سے برتنے والا تو دوسرا، جسے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں تھی۔ دونوں میں صرف ایک بات مشترک تھی کہ وہ حالات کو، جو ہیں جیسے ہیں کے

www.pklibrary.com

طور پر قبول نہیں کر پاتے تھے۔ شاید جگنو کو بغاوت کی یہ تحریک ولی کو دیکھ کر ہی ملی تھی۔

چاند نے جگنو کو اسی وقت پیش قدمی سے روک دیا تھا، اسے سمجھایا تھا کہ وہ یہیں رک جائے۔ جگنو بتا نہیں پائی کہ وہ کتنی آگے نکل چکی ہے، اس کے لیے پلٹنا ناممکن تھا۔ بظاہر جگنو نے سر جھکا دیا تھا۔ چاند مطمئن تھا مگر یہ اطمینان عارضی تھا۔

چاند کو اپنے جذبات سے آگاہ کرنے کے بعد وہ نڈر سی ہوگئی تھی۔ وہ اکثر کچھ تحائف چپکے سے ولی کی الماری میں رکھنے لگی۔

''چاند، یہ تمہاری ہے؟'' ولی نے الماری میں خوب صورت سی ڈائری رکھی دیکھی تو چاند سے استفسار کیا، چاند نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسے خود ابھی پتا چلا تھا۔

ولی پہلے تو سمجھ نہ سکا، خاموشی سے مشاہدہ کرنے پر صرف اور صرف وہی نظر آئی جو یہ کر سکتی تھی۔

پھر جگنو کی ہمہ وقت، ولی کا طواف کرتی نگاہیں اسے بہت کچھ سمجھا رہی تھیں۔ ہر وقت دھڑلے سے ہر کام کرنے والی جگنو کے انداز میں اب، جھجک در آئی تھی۔ وہ ولی کو دیکھ کر شرمائی گھبرائی سی رہتی۔ ولی کے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ وہ جان کر انجان بنا رہا۔ خود کو مزید لاتعلق کر لیا۔

ویسے بھی وہ مصروف رہتا تھا۔ اس کی مصروفیات کا محور اس کا مارشل آرٹ کلب اور اس کی جاب تھی۔ بہت زیادہ مصروفیت کی وجہ سے وہ کچھ عرصے میں ٹیوشن اکیڈمی بھی چھوڑنے والا تھا۔ کلب کا ایک حصہ زیر تعمیر تھا۔ وہ ہر ہفتے وہاں سائیٹ پروزٹ کے لیے جاتا تو اکثر، اپنی فیملی ممبرز کو بھی لے جاتا۔ بہن بھائیوں کے تعلقات میں پہلے کی نسبت اب کچھ نرمی تھی، ولی کی مضبوط شخصیت نے پوری فیملی کو بہت کچھ باور کروا دیا تھا کہ اگر انسان چاہے تو اپنے سامنے آئی بہت سی رکاوٹوں کو ہٹا سکتا ہے۔

ولی کے بہن بھائیوں میں سب سے مثبت رویہ حفصہ آپا، زبیر بھائی اور ان کی اہلیہ کا تھا۔ بھابھی جن سے پہلے چاند کی حقیقت چھپائی گئی تھی۔ ان کو خاندان کے لوگوں سے سن گن ملی تو انہوں نے سنی سنائی پر یقین کرنے کے بجائے، خود ہر بات کا مشاہدہ کیا اور انہیں ان دونوں سے ملنے پر قطعاً اعتراض نہ ہوا تھا بلکہ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کہ ولی اور چاند عام انسان نہیں ہیں جو اپنا رخ، حالات کے دھارے کی جانب موڑ دیتے بلکہ وہ سب کے خلاف جا کر صحیح راستہ چننے اور اس پر چلنے کی ہمت رکھنے والوں میں سے تھے۔ اسی لیے انہوں نے چاند کو کھلے دل سے نا صرف تسلیم کیا تھا بلکہ خاندان بھر کے اعتراض کے باوجود، ان سے ملنا جلنا بھی رکھا تھا، ان کے دونوں بیٹے زوہیب اور زوہان بھی اپنے دونوں چچاؤں سے خاص انسیت رکھتے تھے۔

حفصہ آپا اور زوبیہ بھابھی کافی عرصے سے ولی سے فرمائش کر رہی تھیں سائٹ دیکھنے کی۔ ولی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے بخوشی سب کو دعوت دی تھی ساتھ چلنے کی۔

مقررہ وقت پر جب وہ وہاں پہنچے تو جگنو کو وہاں دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

''ہوسکتا ہے چاند نے دعوت دی ہو۔'' ولی نے سوچا۔

سائیٹ پر پہنچ کر وہ زوبیہ بھابھی اور حفصہ کو پوری تفصیل سے سب دکھا رہا تھا تو جگنو بھی ساتھ تھی۔

''ولی! میں نے فون کیا تھا رخشندہ باجی کو کہ ارسلان، ماہم اور جگنو کو بھیج دیں، میں نے تو انہیں بھی کہا تھا کہ وہ بھی آ ئیں تو اچھا لگے گا۔''

بھابھی نے ولی کی حیرانی دیکھ کر بتایا تھا۔

ولی کو اس کے آنے پر تو قطعی اعتراض نہ تھا امتیاز علی سے اختلافات اپنی جگہ، وہ اس کی پھپھو کی بیٹی تھی۔ وہ تو صرف محبت کا منکر تھا۔ ولی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ شام بے حد خوش گوار گزری تھی۔ سائٹ دیکھنے کے بعد ان سب نے وہیں ڈنر بھی کیا تھا۔

بہت خوش گوار ماحول میں کھانے کے بعد ولی نے آئس کریم آرڈر کی، سب سے ان کی پسند کا فلیور

www.pklibrary.com

پوچھا سوائے چاند اور جگنو کے کیونکہ ولی اچھی طرح دونوں کی پسند جانتا تھا۔ ولی کی اس پرواہ سے جگنو کے دل کو انوکھی خوشی نے گھیر لیا۔ زوہیب، زوہان کسی بات پر زور و شور سے بحث کر رہے تھے۔

جگنو دلچسپی سے ان کی باتیں سنتی، بے دھیانی سے آئس کریم کھا رہی تھی۔ جگنو کا پورا منہ آئس کریم کھانے کی گواہی دے رہا تھا۔ ولی کی نظر اس پر پڑی تو وہ بے ساختہ مسکرا اٹھا۔ اس نے ایک ساتھ کئی ٹشو اٹھا کر جگنو کو دیے۔ ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا۔ جگنو نے دھڑکتے دل کے ساتھ ٹشو لیے تھے۔ وہ ساتویں آسمان پہ تھی۔

"ولی! اب تو تم سیٹ ہو گئے ہو۔ اب اپنے لیے کوئی لڑکی ڈھونڈ و یا ہم ڈھونڈیں۔" زوبیہ بھابھی نے شوخی سے کہا حفصہ آپا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"آپ اب زوہیب کے لیے لڑکیاں دیکھیں بھابھی۔" ولی نے محبت سے اپنے نوجوان، خوبرو بھتیجے کی طرف دیکھا جس نے خوب اٹھان اٹھائی تھی۔

"چاچو! دونوں ایک ہی وینیو میں نمٹا لیتے ہیں کیوں ماما؟" زوہیب نے شوخی سے اپنی امی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں چلو آج تمہارے ابو کو بھی تمہارے نادر خیالات بتاتی ہوں۔" بھابھی نے دھمکی آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

ماں بیٹے کی نوک جھونک سن کر، ولی کے چہرے پر بہت دلکش مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔ جس میں نہ انکار تھا نہ اقرار۔ جگنو نے اس لمحے چپکے سے ولی کو دیکھا تھا۔

"چلیں آپ لوگ جب تک کوئی فیصلہ کرتے ہیں میں اپنے باسم کی کر دیتی ہوں۔" حفصہ آپا نے آٹھ سالہ باسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ان کی بات پر سب ہنسنے لگے۔ جگنو ہر بات سے بے خبر محض ولی کو تک رہی تھی۔

چاند نے جگنو کی وارفتگی دیکھ کر، بے ساختہ اس کے لیے دعا کی تھی۔ اور یہی وہ وقت تھا جب چاند اس معاملے میں سنجیدگی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔ صرف سوچا ہی نہیں چاند نے ولی سے اس معاملے پر بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

اور جب چاند نے ولی سے جگنو کے متعلق بات کی تو ولی نے، چاند کو ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہو۔

"میں سنجیدہ ہوں ولی۔" چاند نے برا مانتے ہوئے کہا تھا۔

"میں بھی سنجیدہ ہی ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تم یہ اب سوچنا چھوڑ دو۔" ولی نے کہہ کر بات ختم کی تھی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا ایسی بھی کیا بات ہے؟"

ولی چاند کے سامنے یہ بات نہیں کہہ سکا کہ امتیاز علی چاند سے کس قدر کدورت رکھتے ہیں اور جو چاند سے بیر رکھتا ہو، وہ ولی سے کیسے قریب ہو سکتا تھا؟ وہ سوچ رہا تھا کہ جگنو اس کے نظر انداز کرنے سے کچھ دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔

ولی کو اندازہ نہ تھا کہ یہ بات اس قدر طول پکڑ لے گی۔ جگنو کافی دن غیر حاضر رہی تو ولی نے سکھ کا سانس لیا کہ سب عارضی تھا۔ یہ ولی کی غلط فہمی تھی، جگنو کچھ دن بعد پورے اہتمام سے ان کے گھر میں تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر ہاٹ چاکلیٹ کیک رکھا ہوا تھا۔ جگنو بہت تیار اور مصروف سے انداز میں کچن سے پلیٹیں پیالیاں اور گلاس لے کر میز پر سجا رہی تھی۔

ولی کسی کام سے ابھی وہاں آیا تھا۔

"کیا یہاں کوئی دعوت ہونے جا رہی ہے۔"

ولی نے سٹنگ کی سجاوٹ، میز پر دھرا کیک اور کھانے کی خوشبو محسوس کرتے ہوئے جگنو سے پوچھا۔

"ہاں میری سالگرہ ہے تم بھی انوائیٹڈ ہو۔" کہتے ہوئے جگنو کی آنکھیں ولی پر مرکوز ہوئی تھیں۔

"نہیں شکریہ۔ میری ایک میٹنگ ہے۔ میں بس نکلوں گا۔"

ولی نے کلائی پر بندھی اسمارٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ہر وقت ایک ہی انداز کی عجلت، ہر وقت یہی بے نیازی۔ ولی کی اس عجلت پر جگنو کو یکدم بہت غصہ آ گیا۔ وہ سب چیزیں چھوڑ کر اس کے روبرو آئی تھی۔

www.pklibrary.com

"پتا ہے کسی کی سالگرہ کا دن کتنا اہم ہوتا ہے؟" آنکھوں میں غصہ تھا۔ ولی نے نظریں اٹھا کر قریب قریب اس کا جارحانہ انداز دیکھا۔

"میرے نظریات تم سے مختلف ہیں، میں ایسا نہیں سمجھتا۔ پھر بھی سالگرہ مبارک۔" ولی یہ کہہ کر کھڑا ہوا تھا۔

"رک نہیں سکتے ہو؟" جگنو نے اس کی باتیں نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔ جگنو کی آواز میں لجاحت تھی۔ اب ولی نے اس کو گھورا تھا۔

"اتنا اصرار کس لیے؟ میں نے کہا کہ مجھے جانا ہے پھر؟" ولی کے لحاظ کی مدت یہیں تک ہوتی تھی۔

"تمہیں صرف ہم پسند نہیں ہیں، نہیں تو تم ہر جگہ، ہر کسی کو وقت دیتے ہو۔" جگنو کے انداز میں بے پناہ شکایت تھی۔

"ایکسکیوزمی اتنی بے تکلفی؟" ولی کو جگنو کی بات اور انداز پر سخت تعجب ہوا تھا ولی نے کبھی جگنو کو اتنی اجازت نہ دی تھی کہ وہ یوں، اس سے برملا ہر بات کا اظہار کرتی۔

"دیتے نہیں ہو کیا وقت؟ یہ تمہارا اتنا قیمتی وقت جو ہم سے بات کرتے ہوئے ضائع ہوتا ہے۔ بتاؤ کوچنگ میں فضا کو ایکسٹرا کلاسز دے رہے ہو ناں ایک ہفتے سے؟ تب وقت ضائع نہیں ہوتا تمہارا؟" ولی کا یوں فضا کو توجہ دینا بہت کھل رہا تھا اسی لیے موقع ملتے ہی کہہ دیا۔ کاسنی شلوار قمیص رنگت میں کھلی ہوئی تھی۔ اسے معلوم تھا، آج وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

ولی کو جگنو سے ان سب باتوں کی توقع نہیں تھی۔ وہ اس کی جرات پر حیران تھا۔

"یہ تم کس انداز میں مجھ سے بات کر رہی ہو؟ کیسے ہوئی اتنی ہمت؟

فضا ایک ہونہار لڑکی ہے پچھلے ہفتے اس کی کچھ کلاسس مس ہو گئی تھیں۔ پرنسپل سر عاصم کی خاص ریکویسٹ پر میں اسے پڑھا رہا ہوں لیکن تمہیں اس سب سے کیا مطلب ہے؟" ولی خود سمجھ نہیں پا رہا تھا، اس نے یہ وضاحت کیوں دی تھی۔ ولی اس کی معلومات پر حیران تھا۔

"کسی اور سے ڈھنگ سے بات تک نہیں ہوتی تم سے دس ہزار بار کچھ پوچھو تو جواب ایسے دیتے ہو جیسے احسان کر رہے ہوتے ہو۔ اور دوسروں کے لیے اتنا نرم گوشہ ہے تمہارے دل میں۔" جگنو حجت پر آمادہ تھی۔

"کسی سے کس سے؟ ذرا وضاحت کرو گی۔"

"مجھ سے نہیں کرتے ہو۔" جگنو نے آہستہ سے بتایا۔

"تم جانتی ہو کہ فضا کو پولیو ہے پچھلے دنوں پاؤں کے شدید درد کی وجہ سے غیر حاضر رہی، اس کا بہت حرج ہوا، نمبرز پتا ہیں ناں اس کے فرسٹ ایئر کے؟ وہ ٹاپرز میں سے ہے۔ اس کا ایک ایک نمبر صرف اس کے لیے نہیں، کوچنگ کے لیے بھی قیمتی ہے کیونکہ یہی وہ طلبا ہیں جو اپنے استادوں اور اداروں کا نام روشن کرتے ہیں۔ اسی لیے مجھے سر عاصم کو اسی کی اتنی پرواہ ہے۔" ولی کا لہجہ اب اس کی پڑھائی سے لاپرواہی پر چوٹ کرتا ہوا سا تھا۔

لو بلا وجہ طعنے سننے کو مل گئے اوپر سے فضا کی تعریف الگ۔ فضا کی تعریف سن کر جو افسوس ہوا تھا وہ آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہہ نکلا تھا۔ وہ رونے کے ساتھ ساتھ ہونٹ چبا رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" چاند فریش ہو کر ابھی واش روم سے نکلا تھا۔

"جگنو! کیا ہوا ہے؟ رو رہی ہو؟" چاند کو معلوم نہیں تھا کہ بات کیا رخ اختیار کر چکی ہے۔

"ہاں رو رہی ہوں۔" جگنو کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"کیوں رو رہی ہو، کیا ہوا ہے؟" چاند جگنو سے پوچھ رہا تھا ولی اندر کی جانب مڑا تھا۔

"تم کتنے بے حس ہو۔ لگتا ہے تمہاری توجہ پانے کے لیے مجھے بھی گونگا، بہرا، اپاہج ہونا پڑے گا ایسے لوگوں کو ہی اہمیت دیتے ہو ناں تم؟" جگنو نے ولی کو اندر جاتے دیکھ جو منہ میں آیا کہہ دیا تھا۔

جگنو کی بات پر ولی ایک لمحے کو رک گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر تاسف سے جگنو کو دیکھا تھا۔

www.pklibrary.com

"اور میں سمجھتا تھا تم کچھ الگ ہو گی اپنے باپ سے، اچھا کیا، میری غلط فہمی ختم کر دی۔"

جگنو نے کہہ تو دیا تھا مگر نیچے نظریں لیے مسلسل ہونٹ چبا رہی تھی، یعنی اسے احساس تھا کہ جو اس نے کہا ہے وہ غلط ہے۔ اسے شرمندہ دیکھ کر ولی نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کیا اور دوبارہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"تو پاگل ہو گئی ہے کیا۔ کیا اناپ شناپ بول رہی تھی؟ کیا بات کر رہی تھی اس سے؟ نہ کیا کر اس سے بات۔ میں کروں گا کچھ تیرے لیے۔" چاند نے جگنو کو دلاسا سا دیا تھا۔ اس نے پہلے ہی ابرار احمد سے بات کرنے کا سوچ رکھا تھا۔

"آ تیری نظر اتاروں دیکھ کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" چاند نے اس کی توجہ ہٹانے کو بولا تھا۔

چاند کی اس بات پر جگنو نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"منالی میں نے سالگرہ۔ میں گھر جا رہی ہوں۔" چاند کے لاکھ روکنے کے باوجود وہ رکی نہیں تھی۔ ساری تیاری، فریش کیک اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ چاند سر پکڑ کر بیٹھا تھا۔ جگنو اور ولی کے بارے میں جمع و تفریق کرتا وہ لامتناہی سوچوں میں گم ہو چکا تھا۔

☆☆☆

چاند ابرار صاحب سے جگنو اور ولی کے لیے بات کرنے ہی والا تھا کہ جگنو، اپنی بے قراری کے ہاتھوں مجبور پھر گھر آ گئی تھی۔

چھٹی کا دن تھا ولی گھر پر ہی تھا۔ ولی اس دن جگنو کا ذہن پڑھ چکا تھا۔ اسے لگتا تھا اب جگنو کو قدم قدم پر روکنا بے انتہا ضروری ہو گیا تھا۔

"کیا اس گھر میں مہمانوں کے آنے جانے کا ٹائم فکس نہیں ہو سکتا؟" ولی اسے دیکھ کر زچ ہوا تھا۔ اس نے صاف گوئی سے سامنے بیٹھے چاند کو مخاطب کیا تھا۔

"کیا میں مہمان ہوں؟" جگنو کو بے حد صدمہ پہنچا تھا۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے براہ راست ولی کو مخاطب کیا۔

"ہاں۔" ولی نے اطمینان سے کہا تھا۔

"میں مہمان ہرگز نہیں ہوں یہ میرے ماموں کا گھر ہے۔" جگنو کے انداز میں استحقاق تھا۔

"یہ تمہارے ماموں کا گھر نہیں ہے یہ، یہ میرا اور چاند کا گھر ہے۔" ولی نے اس کی غلط فہمی دور کی۔

"ٹھیک ہے یہ میرے ماموں کے بیٹوں کا گھر ہے۔" جگنو نے ایسے بتایا جیسے ولی کو یہ سب معلوم نہیں تھا۔

"اور چاند تو کیوں خاموش ہے۔ تو تو میرے ساتھ ہے ناں؟" جگنو نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائی تھیں۔

جگنو کی بات سن کر ولی حیران ہوا تھا، وہیں چائے پیتے چاند کو گلے میں پھندا لگا تھا۔

ولی چاند کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جگنو کی نادانی پر چاند تاسف سے سر ہلا رہا تھا۔

"چاند! اس خاموشی کا کیا مطلب ہے؟" اسی زاویے میں بیٹھا چاند اب بھی خاموش تھا۔

"چاند! تم نے خود مجھے کہا تھا؟" جگنو چاند کی مسلسل خاموشی پر اس کا دوغلا چہرہ ولی کے سامنے لانا چاہتی تھی، اس لیے آرام سے بولی تھی۔

"وضاحت دو گے؟" ولی نے چاند سے کہا۔

"ک ک کچھ نہیں یہ تو اول فول بولتی ہے۔" چاند صاف مکر گیا تھا۔

"میں اول فول نہیں بولتی، یہ جھوٹا ہے۔"

"چپ ہو جاؤ۔" ولی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"ایک لفظ نہ بولنا اب، آئندہ میں کوئی اس قسم کی باتیں نہ سنوں تم سے جگنو۔" ولی نے مبہم بات کی تھی۔ انداز میں بہت سختی تھی۔

"تم اس طرح کیسے مجھ سے بات کر رہے ہو ولی؟ سمجھتے کیا ہو خود کو۔" جگنو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"تم نے مجھے کیا سمجھا ہے۔" ولی کے روکھے انداز سے جگنو کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔ وہی تو اس کے جینے کی وجہ تھی۔ جگنو کے لیے ولی کا یہ رویہ ناقابل برداشت تھا۔ اس کا دل کرچی کرچی ہو گیا تھا وہ کھڑی

www.pklibrary.com

ہوئی اس کا رخ باورچی خانے کی طرف تھا۔
وہ روتے ہوئے کچن کی طرف گئی تو چاند فوراً اس کے پیچھے لپکا تھا۔
"جگنو! رکھو چھری۔" چاند چلایا تو آواز باہر تک سنائی دی تھی۔
"جگنو، چھری دے۔" ادھر چاند کی جان پر بن آئی تھی اس کے ہاتھ میں چھری دیکھ کر۔
ولی نے گہری سانس خارج کی اور خود بھی کچن میں چلا گیا۔
"کھڑی کیا ہو چلاؤ چھری؟" ولی آستینوں کے کف موڑتا دروازے میں ایستادہ تھا۔
"ولی، جا یہاں سے، آگ نہ لگا یہ تو ہے ہی کم عقل تو تو عقل سے کام لے۔" چاند نے ولی کو ڈپٹا تھا۔
"کبھی معاف نہیں کروں گی تمہیں ولی" کہہ کر جگنو نے لرزتے ہاتھوں سے چھری ہاتھ پر چلانی ہی چاہی کہ ولی اس کے قریب آ گیا اور اس کے ہاتھ سے چھری کھینچ لی، ساتھ ہی ایک تھپڑ اسے رسید کیا تھا۔
"کیا ہے یہ سب؟ یہ دیوانگی؟ پاگل ہو تم؟ مجھے معلوم ہے تم بے وقوف ہو مگر اتنی......؟"
ہر بات اشاروں میں ہوئی تھی ہر بات مبہم تھی جگنو اتنی نڈر نہ تھی کہ ولی کے سامنے اظہار محبت کرتی۔ نہ ہی اتنی مضبوط تھی کہ محبت کو چھپا لیتی۔
"چاند! پانی دو اسے۔" ولی پیچھے ہٹا تھا۔ وہ بہت مضطرب نظر آتا تھا "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ ہمیشہ سمجھاتا ہوں کہ زندگی کو برباد کرنا بند کرو۔ تم اور چاند دونوں، پتا ہے اپنا کتنا قیمتی وقت برباد کرتے ہو؟"
ولی نے چاند کو بھی لپیٹے میں لیا۔ وہ بھی ولی کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اپنی روش پر قائم تھا۔
"تم کیسی دوست ہو بجائے اس کو راہ راست پر لاتیں خود بھٹک گئی ہو۔ اور تم نے یہ سب سوچا بھی کیسے؟ تم، تمہیں کیسے سمجھاؤں؟ تمہیں چاہیے اپنی ذہانت کا مثبت استعمال کرو کوئی ایسا کام کرو کہ تم سے جڑے لوگ تمہارے گھر والے تم پر فخر کر سکیں۔ تم کیا سمجھی تھیں میں ان خرافات پر میں تمہاری حوصلہ افزائی کروں گا؟

یہ سب باتیں آئیں کہاں سے تمہارے دماغ میں؟ بولو؟" ولی نے زور دے کر اس سے پوچھا جگنو اب ہونٹ چبا رہی تھی جذبات کے ہاتھوں مغلوب جگنو اب بری طرح شرمندہ نظر آتی تھی۔
"میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔" ولی نے اس کا ایک بازو کنارے سے پکڑ کر اس کا سر اٹھایا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سختی تھی۔ "میں تمہیں چاہوں نہ چاہوں یہ اہم نہیں اہم یہ ہے کہ میں تمہاری عزت کرتا رہوں۔ جو کہ تمہاری ان سطحی حرکتوں سے ممکن نہیں۔ سمجھیں......"
ولی نے کہہ کر اس کا بازو چھوڑا تھا ولی کی اس بات پر جگنو کا دل جیسے بند ہی ہو گیا تھا۔ رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ یہ کیا کہہ دیا تھا ولی نے، تو کیا ولی اس کی عزت نہیں کرتا تھا؟
یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا اور نہ ہی اسے کبھی کسی نے بتایا تھا کہ ایک لڑکی کے لیے، زندگی سے بھی بڑھ کر قیمتی متاع عزت ہوتی ہے۔
ولی تھوڑا اور پیچھے ہٹا۔ جگنو کے چہرے پر چھائی تاریکی بتا رہی تھی کہ ولی کی باتیں نشانے پر لگی ہیں۔ ولی یہی چاہتا تھا۔ ولی کو بالکل افسوس نہیں تھا۔
وہ چاند کی جانب مڑا تھا۔
"میں باہر جا رہا ہوں کھانے پر انتظار نہ کرنا مجھے دیر ہو جائے گی۔" وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔
ولی کے جاتے ہی چاند نے کب سے رکا ہوا سانس بحال کیا۔ جگنو کو پانی پلایا۔ جگنو ابھی تک سکتے میں تھی۔ اس کے کانوں میں بس ایک جملے کی بازگشت تھی۔
"میں تم سے پیار کروں نہ کروں۔ اہم نہیں اہم یہ ہے کہ میں تمہاری عزت کرتا رہوں۔"
جگنو کو اس پل لگا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اسے لگا وہ وہاں سے زندگی بھر ہل نہیں پائے گی۔ ہاں وہ ولی سے محبت کرتی تھی کہ دل پر زور نہیں تھا لیکن یہ وہ کیا کر رہی تھی۔ وہ ایک خواب سے جاگی۔
"جگنو! کیا ہوا ہے؟" چاند جگنو کی مسلسل

www.pklibrary.com

خاموشی، چاند کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔" جگنو نے بہت آہستگی اور مشکل سے یہ لفظ ادا کیے تھے۔ محبت کا خمار کہیں اڑن چھو ہو گیا تھا۔ وہ چلی تو اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ دوپٹہ آدھا زمین پر ڈھلکا ہوا تھا۔ اس نے ایک پل سانس کو اندر کھینچا اور اپنی پوری وقت سے بحال کرنے کی کوشش کی۔ جو صدمہ اسے پہنچا تھا کمزور اعصاب کی لڑکی ہوتی تو کب کی ڈھے چکی ہوتی۔

وہ بغیر کچھ کہے دروازے کی سمت بڑھی تھی۔

چاند نے بھی اسے روکا نہیں تھا۔ ان سب کے لیے یہی بہتر تھا۔

جگنو متوحش سی بڑی مشکل سے گھر پہنچی، قدم رکھتی کہیں تھی پڑتے کہیں تھے۔ سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ گھر پہنچ کر سیدھی اپنے کمرے میں گئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسے پوری طاقت سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہو۔ اسے کسی پل قرار نہ آ رہا تھا۔ رو رو کر ہلکان ہوتی رہی دن سے شام، شام سے رات ہو گئی وہ اپنے کمرے میں پڑی رہی۔

وہ لاکھ جذباتی، بے وقوف تھی پر اپنی عزت اسے ہر شے سے زیادہ پیاری تھی۔ اس برباد زندگی میں ایک عزت ہی تو تھی اس کے پاس۔ وہ کیا کرنے چلی تھی۔

جس بات کا احساس ولی نے اسے دلایا تھا، کوئی اور مخلص رشتہ ہوتا تو پہلے ہی اسے یہ سب باور کروا چکا ہوتا۔ چاند نے اسے سمجھایا تھا لیکن چاند خود اپنے مسائل میں گھرا رہتا تھا، اسے ان سب باتوں کی اتنی سمجھ بوجھ کہاں تھی۔ اس واقعے کے بارے میں ولی جگنو اور چاند کے علاوہ کسی کو خبر نہ تھی۔

☆☆☆

ولی گھر سے نکلا تو شدید اضطراب میں مبتلا تھا۔ وہ ان سب باتوں کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ولی پتھر دل نہیں تھا اسے پورا پورا احساس تھا جگنو کی کیفیت کا، یہ بھی کہ وہ بالکل تنہا تھی۔ ولی نے پہلے بھی کئی بار اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی، چاند سے بھی بالواسطہ طور پر کہا تھا کہ جگنو کو سمجھائے کہ اپنی زندگی کو تھوڑا بہتر کرنے کی کوشش وہ خود بھی کرے۔ ہر وقت محاذ بنائے رکھنے اور لڑنے سے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ جگنو کے تیور تو صرف اور صرف حالات کو مزید بدتر بنانے والے ہوتے۔ اور اس پر مستزاد یہ نئی عشق کی افتاد۔

سوچتے سوچتے ولی جھنجھلا گیا۔ اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟ کیا اس نے کچھ غلط کیا؟ وہ کیسے اس کا ہاتھ تھامتا جبکہ خود ایک ایسے موڑ پر تھا جہاں سے ذرا بھی چوک، اس کی زندگی بھر کی کوششوں پر پانی پھیر سکتی تھی۔ اس کی زندگی کا محور صرف اور صرف چاند تھا۔

چاند بظاہر نارمل ہی نظر آتا۔ لیکن یہ صرف ولی اور چاند جانتے تھے، یا چند قریبی دوست کہ چاند کو ہر وقت جسمانی و نفسیاتی الجھنوں سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ جگنو کو بھی اس سب کی خبر تھی۔

چاند نے ظاہری ہیئت ایک مرد کی سی اپنا رکھی تھی، چھوٹے بال داڑھی مونچھ لیکن اس کی چال ڈھال میں اس قدر لچکیلا پن تھا کہ وہ چاہ کر بھی اپنی جنس نہیں چھپا پایا تھا، جس کی وجہ سے چاند کو ہر جگہ امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا۔ اسی امتیازی سلوک کی وجہ سے وہ گھر تک محدود ہو کر رہ گیا تھا وہ خود کو بوجھ سمجھنے لگا تھا۔ اسے لگتا اس کی وجہ سے ولی کی زندگی بھی بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔ خسارے کا مسلسل احساس اسے نفسیاتی طور پر بری طرح نقصان پہنچا رہی تھی۔

ولی کے انکار نے جگنو کی رہی سہی دنیا بھی تباہ کر دی تھی۔ جگنو نے خود کو ایک خول میں بند کر لیا۔ اب وہ گھر سے کم ہی باہر نکلتی۔ گھر میں رہ رہ کر جگنو مزید بے مروت بدلحاظ ہو گئی تھی۔

پہلے بھی اس کی کم ہی کسی سے بنتی تھی، اب تو جیسے جگنو کو ایک جواز مل گیا تھا اپنے رد کیے جانے اپنی ناکامی کا ذمہ دار وہ باقی سب کو ٹھہراتی۔ درخشندہ بیگم اس کا جارحانہ رویہ دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اب اسے کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا تھا، اس سے کچھ کہنے کا مطلب ہوتا کہ آ بیل مجھے مار۔

www.pklibrary.com

اس کی اندر کی گھٹن نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا وہ تھا چاند کی دوستی اور ولی کی محبت۔ جو توجہ پیار اسے گھر میں نہیں ملا تھا وہ اسے چاند کی دوستی میں ملا تھا۔ چاند اور ولی کو وہ اپنی فیملی سمجھتی آئی تھی۔ ان ہی کے گھر میں اسے ہمیشہ گھر کا سا احساس ہوتا۔ اپنے گھر میں اسے کبھی اپنائیت نہیں ملی تھی۔

پہلے جگنو پھر بھی چھوٹے چھوٹے سمجھوتے یہ سوچ کر کرتی کہ کون سا ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔ وہ راتوں کے آخری مستجاب پہر جاگ جاگ کر اپنے رب سے ولی کے نام کی دعا مانگا کرتی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی دعائیں ضرور رنگ لائیں گی، مگر اب اسے لگتا کہ ہر راستہ بند ہو گیا ہے گھر کا ماحول بہت خراب ہو گیا تھا رخشندہ بیگم کچھ دنوں سے دیکھ رہی تھیں کہ جگنو کوچنگ تک جانا چھوڑ چکی ہے۔

انہوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ انہیں ہوش تب آیا جب ایک دن صبح صبح جگنو کی دوست گھر آئی۔

عمارہ آئی تو رخشندہ بیگم نے دروازہ کھولا۔

”آنٹی! جگنو کہاں ہے؟ آج پیپر ہے ہمارا فائنل، نہ وہ اتنے دن سے کوچنگ آ رہی نہ کالج سب خیریت تو ہے، میں نے اسے فون بھی کیے وہ فون بھی نہیں اٹھا رہی۔“

عمارہ نے پیپر کا بتایا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔

انہوں نے عمارہ کو تو کسی طرح ٹال دیا۔ اور آج خود جگنو سے بات کرنے کی ٹھانی۔

بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی، جگنو ٹی وی دیکھ رہی تھی جب شان اس کے پاس آ گیا۔

”آپی! مجھے ٹی وی دیکھنے دیں، میچ دیکھنا ہے۔“

شان نے لجاجت سے کہا۔ جگنو پورا دن ٹی وی دیکھا کرتی یا موبائل میں لگی رہتی۔

بچے ویسے ہی اس سے بات کرنا چھوڑ چکے تھے، آج شان نے میچ کی وجہ سے کہا تو جگنو نے صاف منع کر دیا تھا۔

”ماما، میں کیا کروں؟ مجھے بھی میچ دیکھنا ہے۔“

نوعمر شان بھی آج غصے میں آ گیا تھا۔

جگنو اس کو چلاتا دیکھ خود بھی لڑنے لگی تھی۔ دونوں کی خوب لڑائی ہوئی ارسلان اور رخشندہ بیگم چھڑوانے سے بھی نہ رکے۔ باقی بہن بھائی سہم کر اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔

رخشندہ بیگم نے جگنو سے پیپر کا پوچھا تو اس نے بڑے آرام سے کہا۔

”پڑھائی چھوڑ دی ہے میں نے۔“ وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اب رخشندہ بیگم کو معمول سے زیادہ گڑبڑ کا احساس ہوا انہوں نے امتیاز علی کو جگنو کی پوری کیفیت بیان کی۔ ان کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ امتیاز علی چھٹی لے کر فوراً گھر پہنچے تھے۔

انہوں نے آج اور کئی ماہ سے ہونے والی تمام باتیں ان کے گوش گزار کر دی تھیں۔ انہوں نے کہا جگنو کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں۔ جگنو لاکھ بدتمیز سہی یہ ایسی بات نہیں تھی کہ وہ توجہ نہ دیتے، وقت اور حالات نے انہیں اپنی بیٹی سے دور ضرور کر دیا تھا۔ پر وہ ان کی پہلوٹی کی بیٹی تھی اور انہیں بے حد عزیز تھی۔

وہ آتے ہی جگنو سے ایسے ملے جیسے بہت سالوں کی جدائی کے بعد ملے ہوں۔ جگنو ان کی شفقت کو زیادہ خاطر میں نہ لائی کہ ایسی ہی بے حس ہو چکی تھی۔ امتیاز علی نے اس کی بے توجہی اور مضمحل حالت دیکھ کر ہمت نہیں ہاری بلکہ اسے بہت توجہ دینا شروع کی، انہوں نے دیکھا، وہ گم صم رہتی ہے سب کے ساتھ بیٹھتی نہیں، ہر وقت اپنے کمرے میں رہنا پسند کرتی ہے۔ ایک دن امتیاز علی نے اسے ٹوکا کہ ”وہ ایسے الگ تھلگ کیوں رہتی ہو؟ کیا پریشانی ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟ بیٹا یہ تمہارا گھر ہے ہم اب تمہارے اپنے ہیں سب کے ساتھ بیٹھا کرو۔ کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے کہو۔“

ان کی ہمدردی پیار اور توجہ سے جگنو بھی حیران ہوتی کبھی چڑ جاتی۔ امتیاز علی کے جانے کے دن قریب آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر وہی مدعا اٹھایا وہ بضد تھے کہ جگنو انہیں کچھ تو کہے۔

www.pklibrary.com

"آج یاد آیا آپ کو کہ میں کون ہوں؟ آپ کون ہیں میرے؟ ابو، آپ کو پتا ہے مجھے آپ کی کتنی ضرورت رہی ہے گزشتہ ماہ و سال میں؟ آپ بھی میرے پاس نہیں رہے۔ اب میں سمجھ گئی ہوں کہ یہ میرا گھر نہیں ہے، یہاں میرے اپنے نہیں ہیں تو آپ کو یاد آیا کہ میں کون ہوں۔ مجھے مت شامل کریں اس فیملی ڈرامے میں۔ رخشندہ بیگم یہ بھی پسند نہیں کرتیں کہ میں ان کے اور ان کے بچوں کے ساتھ بیٹھوں۔"

جگنو کہتے ہوئے روتی جا رہی تھی۔ جگنو کو ان سے کوئی انسیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ یہ سب ذمہ دار تھے جگنو کی الجھی بکھری شخصیت کے، اگر وہ ایک نارمل فیملی کی ہوتی تو کبھی اس سے اتنی غلطیاں سرزد نہ ہوتیں، وہ اپنی تمام غلطیوں کی ذمہ دار اپنے گھر والوں کو گردان رہی تھی۔ اور امتیاز صاحب کو اندازہ تک نہ تھا کہ جگنو کی ذہنی حالت اس قدر ابتر ہو چکی ہے۔ انہوں نے سب کو آنکھ کے اشارے سے وہاں سے جانے کو کہا۔

جگنو کو اپنے پاس پیار سے بلایا وہ اب زار و زار رو رہی تھی۔ وہ اتنی کمزور تھی کہ ہر بات کے اختتام پر وہ بے تحاشا رویا کرتی۔

"ابو! مجھے معاف کر دیجیے گا میں تھک چکی ہوں۔" امتیاز صاحب اپنی اٹھارہ سالہ بیٹی کے منہ سے یہ سب سن کر حیران تھے۔

"ابو! مجھے اس سب کی عادت نہیں ہے آپ کو اتنا پیار جتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ ویسے ہی رہتے جیسے ہمیشہ رہتے ہیں اجنبی بن کر۔" جگنو بے بسی سے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ امتیاز صاحب کے دل کو دھکا لگا تھا، ان سے جگنو کے معاملے میں غفلت ہوئی تھی اب وہ پچھتا رہے تھے۔

ان کی بیٹی ہر بات میں پیچھے رہ گئی تھی۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے اس نے زندگی کے ہر سوراخ کو اپنی محبت سے بھرنے کی کوشش کی تھی، وہ تو بات کو ہنس کر ٹالنے والی تھی۔ ہر مصیبت کا سامنا کرنے والی، اپنے اکیلے پن سے نہیں اپنی محبت کے ٹھکرائے جانے سے بکھر کر رہ گئی تھی۔ کسی کو خبر ہی کہاں تھی کہ اصل واردات کیا ہوئی تھی۔ وہ بری طرح ٹوٹی ہوئی تھی۔

"رخشندہ! مجھے تم پر پورا بھروسا تھا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ جگنو اتنی اکیلی ہے اپنے ہی گھر میں۔ تم نے بھی مجھے بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ جگنو کس حال میں ہے۔ اب مجھے بتاؤ، کیا کروں میں؟"

رات رخشندہ بیگم کے سامنے امتیاز علی جیسے بکھر سے گئے تھے ساتھ ہی انہوں نے شکوہ بھی کیا تھا۔

"میں نے تو ہمیشہ پوری کوشش کی کہ جگنو ہمارے ساتھ گھل مل سکے۔ اس کی طبیعت میں ہی ضد ہے۔ ہمیں اپنا سمجھتی ہی نہیں حالانکہ ارسلان اور شان تو جان دیتے ہیں اس پر۔"

کچھ کچھ سچ تھا شان اور ارسلان جان تو نہیں دیتے تھے لیکن جگنو کو بڑی بہن کا رتبہ ضرور دیتے تھے۔ تاہم کچھ مختلف تھی۔ وہ جگنو سے کم ہی بات کرتی۔

"بہت بڑا خلا رہ گیا ہے اس کی زندگی اور شخصیت میں۔ اب کیسے اسے دوبارہ زندگی کی طرف لاؤں، نوکری بھی نہیں چھوڑ سکتا۔" امتیاز علی پریشانی میں ان سے کہہ رہے تھے۔

"آپ اس کی شادی کر دیں۔" رخشندہ بیگم نے مشورہ دیا تھا۔

"شادی؟" امتیاز علی کی آواز میں تعجب تھا۔

"ہاں شادی، آپ کو اتنی حیرت کیوں ہوئی؟ جگنو اٹھارہ کی ہے پڑھائی وغیرہ کا اسے کوئی شوق نہیں۔ یہاں گھر میں اس کا دل نہیں لگتا۔ ہر وقت بہن بھائیوں سے الجھتی رہتی ہے بچے اس سے ڈرتے ہیں۔ گھر کا ماحول کشیدہ رہتا ہے۔ میں اب اسے نہیں سنبھال سکتی۔ پہلے کبھی کبھی چاند اور ولی کے گھر جاتی تھی اب وہاں بھی جانا چھوڑ دیا ہے۔" رخشندہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے بتایا تھا۔

"کیا؟ چاند اور ولی کے گھر؟ کیوں کیسے تم نے

www.pklibrary.com

کبھی مجھے بتایا نہیں۔" امتیاز علی کو اچنبھا ہی لگا تھا جگنو کا وہاں جانا۔

"ہاں وہ تو بچپن سے چاند سے قریب رہی ہے، میں اسے روک کر خود اسے مزید بدظن نہیں کر سکتی تھی، اسی لیے آپ سے چھپاتی رہی۔" انہوں نے جیسے اعتراف کیا تھا۔

"اب کیوں جانا چھوڑ دیا اور کب سے ؟" امتیاز علی کو تعجب تھا کہ اگر وہ وہاں شوق سے جاتی تھی تو اب جانا کیوں چھوڑ دیا؟ کمرے کے باہر سے گزرتی جگنو اپنے متعلق ہوتی گفتگو سن کر ایک پل کو رکی تھی۔

"پتا نہیں میں خود حیران ہوں کہ ایک واحد چاند تھا جس سے جگنو کی بنتی تھی۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ بس امتیاز، آپ کوئی نہ کوئی فیصلہ کر کے جائیں میں تھک گئی ہوں روز روز کی لڑائیوں سے۔ میں اب مزید جگنو کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔" رخشندہ بیگم کا انداز دو ٹوک تھا۔

اور باہر کھڑی جگنو زہر خندی مسکرائی تھی۔

☆☆☆

رخشندہ بیگم کی باتیں سن کر امتیاز علی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ، اس کی شادی کر کے ہی یہاں سے واپس باہر جائیں گے۔ انہوں نے چھٹی بڑھانے کی درخواست دے دی تھی۔ انہوں نے رخشندہ بیگم کو تاکید کی تھی کہ جگنو کا خاص خیال رکھیں۔ انہوں نے جگنو کے رشتے کے لیے ایک دو جاننے والوں سے کہہ دیا تھا۔

رخشندہ بیگم نے اتنا کیا تھا کہ وہ جگنو کو اپنے بچوں کی طرح نہ سہی مگر گھر کا مکین سمجھ رہی تھیں۔ پہلے کی طرح جگنو کو اس کی مرضی پر نہیں چھوڑا جاتا کہ جب دل کیا اٹھ گئی۔ بلکہ امتیاز علی بذات خود اس کو سب کی طرح جلدی اٹھانے لگے تا کہ وہ سب کے ساتھ ناشتہ کر سکے۔ باقی سب کی طرح اس سے بھی مشورہ کیا جانے لگا کہ آج کیا پکانا ہے؟ کوئی کام ہوتا نہ ہوتا رخشندہ بیگم جگنو سے ضرور ہاتھ بٹانے کو کہتیں۔

امتیاز صاحب مسلسل جگنو کے لیے غور و فکر میں مبتلا تھے کہ کیسے ان کی کوتاہیوں کا ازالہ ہو۔ وہ جگنو کی دلچسپیاں معلوم کرنا چاہتے تھے، اسی لیے ایک دن وہ جگنو کے ساتھ وقت گزارنے، اس کے کمرے میں گئے۔ جگنو شاید واش روم میں تھی۔ وہ یونہی اس کی کتابیں الٹ پلٹ کرنے لگے ڈائری کے اوراق پلٹتے ان کی نظر ولی کے نام پر ٹھہر گئی۔ انہوں نے باقی صفحے دیکھے ہر طرف جگنو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر ولی کا نام لکھا ہوا تھا۔ ان کے ذہن میں رخشندہ بیگم کی باتیں گھوم گئیں۔ تو یہ بات تھی۔ وہ جیسے سب کچھ گئے تھے۔

ولی اور ان کے تعلقات کسی سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔ ولی جتنا ضدی اور ہٹ دھرم تھا یہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود ولی کی ثابت قدمی، مضبوط کردار اور شان دار شخصیت کے قائل تھے۔ ان کے خاندان کی نوجوان نسل میں، باپ کی سرپرستی نہ ہونے کے باوجود وہ سب سے زیادہ کامیاب اور بہتر انسان تھا۔ سوائے ان کے نظریاتی اختلاف کے انہیں ولی میں کوئی عیب نظر نہ آیا۔

بیٹی کی محبت میں، انہوں نے وہ فیصلہ کیا جو عام حالات میں وہ کبھی نہ کرتے۔ انہوں نے ابرار صاحب سے خود جگنو کے رشتے کی بات کی۔ ان کی امیدوں کے برعکس وہ ان کے سوال پر انگشت بدنداں تھے۔

اپنی بھانجی انہیں بے حد عزیز تھی لیکن وہ ولی کے بارے میں نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ ان کی بات مانے گا۔ وہ خود بھی تو ہمیشہ یہی چاہتے تھے مگر ولی سے انہیں کبھی کوئی اچھی امید نہیں رہی تھی۔ چاند کو پتا چلا تو اس کی تو جیسے دلی مراد بر آئی تھی۔ اس نے بابا سے وعدہ کیا کہ وہ ولی کو منائے گا۔ چاند کے ساتھ سے ابرار احمد کی امید جاگی اور انہوں نے ولی سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

ولی بھی اتنا ہی حیران ہوا جب ابرار صاحب اس کے سامنے دست سوال بنے کھڑے تھے۔

ولی نے ابرار احمد کو حیرت سے دیکھا، اپنی سگی

www.pklibrary.com

اولاد کے لیے، کبھی نہ بولنے والے ابرار احمد کے لب و لہجے میں عاجزی وانکساری تھی اپنی بھانجی کے لیے! اور اس سے بھی بڑھ کر امتیاز علی کی انکساری، التجا پر وہ حیران تھا۔ ولی بھی تو چاند کا بھائی تھا جب پہلے چاند کا وجود رشتے داری میں رکاوٹ تھا۔ تو اب کیسے وہ چاند کا بھائی ہوتے ہوئے اس قابل ہو گیا تھا کہ ان کی بیٹی کے لائق ٹھہرتا۔

ولی تلخ ہوا اسے یہ بات قطعی پسند نہیں آئی تھی۔ اس نے انکار کر دیا تھا اور ولی کے انکار پر جیسے ابرار احمد نے ردعمل دیا تھا، وہ ایک بار پھر حیران ہوا۔ وہ کسی بھی طرح ولی سے صرف اور صرف ہاں سننا چاہتے تھے۔ ابرار صاحب کبھی ان کے گھر نہیں آئے تھے پر جب سے رشتے کی بات چلی تھی، وہ روز وہاں آتے ولی کے سامنے بار بار سوال دہراتے میں انہیں کوئی عار محسوس نہ ہوتا۔ چاند، جگنو اور ولی کی شادی کی بھی حمایت نہ کرتا جو وہ جگنو کے جذبات سے واقف نہ ہوتا۔ چاند کو لگا قدرت بھی یہی چاہتی ہے سو وہ ان دونوں کے رشتے کا سب سے بڑا حامی تھا۔

ابرار اور امتیاز علی سے پرخاش کے علاوہ بھی ولی جگنو کیا، کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا چاند کو قدم قدم پر اس کی ضرورت تھی۔ اگر وہ اپنا گھر بساتا تو وہ اپنی زندگی میں ہی الجھ کر رہ جاتا اور چاند اکیلا پڑ جاتا۔ برسوں پہلے ولی نے چاند کا ساتھ دینے کا خود سے عہد کیا تھا وہ آج بھی اس پر قائم تھا۔

''ولی! یہ کیا طریقہ ہے؟ تمہیں دو دن سے ہم ڈھونڈ رہے ہیں اور تم یہاں ہو۔ کم از کم فون تو اٹھاؤ۔ پتا ہے کتنے پریشان ہیں ہم لوگ؟''

ولی، بابا کے مسلسل دباؤ ڈالنے کی وجہ سے دو دن تک کلب میں رکا رہا۔ چاند کو اندازہ تھا کہ کلب میں ہی ہوگا اسی لیے آج وہ کلب آیا تھا، ابرار احمد بھی اس کے ساتھ تھے۔

''یہ پریشانی آپ لوگوں کی اپنی پیدا کی ہوئی ہے۔'' ولی نے جواب دیا تھا۔

''کیا تم میری وجہ سے شادی سے انکار کر رہے ہو؟ یا جگنو سے شادی پر اعتراض ہے؟'' گہرے تجزیے کے بعد چاند اسی نتیجے پر پہنچا تھا۔ ولی نے دونوں کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ اسے یہ بتا کر پھر سے کسی کمپلیکس میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ ''مجھے جگنو کیا کسی اور سے بھی شادی کرنی ہی نہیں ہے فی الحال۔ میرے بہت سے خواب ہیں جو حاصل کرنے کے لیے مجھے یکسوئی اور سکون چاہیے۔''

ولی نے اطمینان سے بابا اور چاند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ولی! تم مانو گے نہیں مگر یہی سچ ہے میری پوری زندگی تمہارے احسانوں تلے دبی ہے۔ تم نے ہمیشہ بنا کہے مجھ پہ بے شمار احسان کیے ہیں۔ اگر تم میرا ساتھ دینے کے لیے گھر نہ چھوڑتے تو میری حالت، آج اس سے بھی بدتر ہوتی جو آج تمہارے ہوتے ہوئے ہے۔ تم نے اپنا چین و سکون ختم کر کے ہمیشہ میری حفاظت کی ہے۔ ہمیشہ اپنی عمر سے دگنی محنت کی ہے، جذباتی، نفسیاتی اور جسمانی صرف اور صرف میرے لیے، مجھے تمہارے خلوص محبت پر کوئی شک نہیں۔ پھر بھی اگر تم واقعی مجھے چاہتے ہو۔'' ولی نے چاند کی بات پر دل تھاما تھا۔ بلاشبہ ولی کی زندگی کا محور اس کا یہ جڑواں وجود تھا۔

''جہاں اتنے احسان بغیر کہے کیے ہیں وہاں میرے مانگنے سے ایک اور احسان کر دو۔'' چاند ولی کے سامنے آیا تھا۔

''میں سب کروں گا جو تم کہو گے۔ اپنے سارے ادھورے کام دوبارہ شروع کروں گا، وعدہ کرتا ہوں۔ زندگی کی طرف لوٹ آؤں گا۔'' چاند کے لہجے میں التجا تھی۔

''اتنی منتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے لاٹ صاحب کی۔'' بابا گرجے تھے۔ ولی نے انہیں دیکھا۔ بابا کا انداز جارحانہ جبکہ چاند کا ملتجیانہ تھا۔ ولی گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔ بابا بھی اس کو سمجھ نہیں سکے تھے۔

www.pklibrary.com

"چاند! مجھ سے شادی کر کے جگنو مزید پریشان اور اکیلی ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ یہ زیادتی نہ کرو۔ میں اسے وقت اور توجہ نہیں دے سکوں گا۔" ولی پسپا ہوا تھا۔

"وہ اس شادی سے پریشان نہیں ہو گی ولی تم جانتے ہو۔" چاند نے زور دے کر کہا۔

"اسے ایموشنل بلیک میلنگ کہتے ہیں چاند! تم یوں امتحان لو گے میری محبت کا۔" وہ جانتا تھا ولی اس کی بات نہیں ٹال سکتا۔

ولی نے تاسف سے اس کو دیکھا۔ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"بچپن سے اپنی مان مانی کر رہے ہو، ہر وقت ضد، بحث کبھی تو ہماری بھی مان لو۔" بابا نے بھی لہجہ کچھ نرم کر کے دہائی دی تھی۔

ایک طرف بابا اور ایک طرف چاند کھڑے تھے۔ دونوں نے اسے پوری طرح گھیر لیا تھا۔

ولی یکسر مغلوب و بے بس ہو گیا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں سے بہت پیار کرتا تھا وہ جانتا تھا کہ اس کی ضد نے ہمیشہ گھر والوں کو تکلیف پہنچائی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ شادی نبھانا بہت مشکل ہو گا۔

"میں گھر جا رہا ہوں۔" ولی نے کہتے ہوئے باہر کی طرف راہ لی تھی۔

"بتا کر تو جاؤ، تمہاری خاموشی کو ہاں سمجھیں؟" چاند نے تیز آواز میں جاتے ہوئے ولی کو پیچھے سے پکارا۔

ولی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"اگلے مہینے کی تاریخ دے رہا ہوں؟"

بابا نے بھی چاند کی تقلید کرتے ہوئے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔

ولی کی خاموشی برقرار تھی، خاموشی کا دوسرا نام ہاں ہوتا ہے۔

"چاند اس کا کچھ بھروسا نہیں، یہ مکر تو نہیں جائے گا؟" بابا اب بھی ابہام میں مبتلا تھے۔

"بابا اگر اس کو انکار ہوتا تو یہ یہاں طوفان کھڑا کر دیتا۔" چاند کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ بابا کو کتنی مدت بعد چاند پر بے ساختہ پیار آیا تھا۔ دونوں باپ بیٹے فرط جذبات سے گلے ملے تھے۔

☆☆☆

"ابرار بھائی اور میں نے جگنو اور ولی کی بات طے کر دی ہے۔ کل وہ تاریخ طے کرنے آئیں گے۔ جگنو، تمہیں اعتراض ہے اس رشتے پر تو کہو۔" انہوں نے پورے اعتماد سے سوال کیا تھا۔

جگنو کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک رنگ جا رہا تھا۔ "تو یہ طریقہ نکالا ہے آپ نے مجھ سے جان چھڑانے کا تا کہ آپ کی بیوی بچے گھر میں سکون سے رہ سکیں۔" جگنو نے دل میں سوچا تھا۔ اور ولی وہ تو زندگی کا یہ باب کب کا بند کر چکی تھی۔ اس نے کچھ بولنا چاہا تو آواز گلے میں پھنس گئی کہتی بھی کیا۔ رخشندہ بیگم اب ان سے تفصیلات معلوم کر رہی تھیں۔ جگنو بمشکل دو نوالے لے کر کمرے میں آ گئی تھی۔

"یہ کیسے ہوا؟ کیا ولی نے؟ نہیں وہ ایسا کیوں کرے گا؟ کیا ماموں نے خود؟ چاند ضرور چاند نے ماموں سے کہا ہو گا۔" زاویے سے سوچنے کے بعد بھی گتھی سلجھ نہیں رہی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے چاند کو فون ملایا۔

چاند نے فون اٹھایا تو آواز میں چہکار تھی۔

"یہ سب کیا ہے چاند؟ کیسے ہوا یہ؟" جگنو نے جھجکتے ہوئے استفسار کیا۔

"کیسے ہو گا کیا، جیسے ہوتا ہے ویسے ہی ہوا۔" چاند نے اتنے اعتماد سے کہا پھر بھی جگنو کو یقین نہیں آیا۔

"کیا سچ میں ایسا ہوا؟"

"ہاں تو کیا میں جھوٹ بولوں گا تجھ سے۔"

جگنو کا دل پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

نہ تو اسے یقین آیا تھا نہ خوشی ہوئی تھی۔ وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔ اس نے امتیاز علی کے سامنے کمزور سا

www.pklibrary.com

احتجاج کیا تھا، انہوں نے اس کی بات پر کان نہیں دھرا۔ پتا نہیں وہ میرے بارے کیا سوچتا ہوگا۔ جگنو کے دل میں ہزار ہا خدشے سر اٹھائے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق ولی ابرار کے آنگن میں موجود تھی۔ اور جگنو کا ایک بھی خدشہ غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔

ولی نے شادی کے پہلے ہی دن جگنو کو اس کی حیثیت بتادی تھی۔ کیا وجہ ہوئی کس نے مجبور کیا ولی کو اس شادی کے لیے، جگنو نے سوچا تھا چاند نے؟ ماموں نے؟

اس شادی نے جگنو کی زندگی میں کچھ بھی نہیں بدلا تھا، اگر کچھ بدلا تھا تو وہ ایک اور نام نہاد رشتہ میں اضافہ اور رہائش کی تبدیلی تھی۔

☆☆☆

گھر میں صرف تین فراد تھے جگنو، ولی اور چاند جگنو نے نیچے ہی ایک کمرہ لے لیا تھا۔ گھر کی روٹین ولی کی کام کاج پر جانے کے معمولات اسے پہلے سے ہی علم تھے۔ جگنو کی اپنی نہ تو کوئی معروفیات تھیں نہ ہی دلچسپیاں۔ انٹر تک امتحانات کسی طرح دینے کے بعد اس نے تعلیمی سلسلہ ختم ہی کر دیا تھا۔ اس کی پوری توجہ کا مرکز ومحور بس یہ گھر تھا۔

جگنو کے آنے سے گھر میں، سویرے سویرے خوش گوارسی چہل پہل نظر آنے لگی تھی۔ کھانوں کے تیار پیکٹ فریج سے غائب ہو گئے تھے۔ اب گھر کا باورچی خانہ تینوں وقت کھانے کی خوشبو سے مہکنے لگا تھا۔ پتا نہیں پھوہڑ کم عقل جگنو یکدم اتنی سلیقہ مند، سمجھ دار کیسے ہوگئی تھی۔ اس سے بھی زیادہ زیادہ خوش آئند تبدیلی یہ ہوئی تھی کہ ابرار احمد ہر ہفتے یہاں آنے لگے تھے۔ اکثر ان کے ساتھ زوہیب زوہان بھی ہوتے۔ ان کا ہفتہ وار چھٹی پر اکثر قیام بھی رہنے لگا۔

"مجھ پر نظر رکھنے کے لیے آتے ہیں، کہیں ان کی بھانجی کے ساتھ کوئی ظلم تو نہیں ہو رہا۔" ولی انہیں دیکھ کر بڑبڑایا کرتا۔

البتہ چاند انہیں دیکھ کر خوش ہوتا، عمر کے اس حصے میں اب ان کا جھکاؤ باقی بہن بھائیوں کی نسبت چاند اور ولی کی طرف زیادہ ہو گیا تھا۔

شادی کی پہلی رات کے بعد، ولی اور جگنو کے درمیان جیسے یہ خاموش معاہدہ طے پا گیا تھا کہ ایک دوسرے سے لاتعلق ہی رہنا ہے۔ دونوں کی کوشش ہوتی کہ ایک کی موجودگی میں دوسرا وہاں نہ رہے۔

"جگنو! تم سے پہلے بھی یہ گھر چل رہا تھا ہمارے سارے کام ہوتے تھے۔ تمہیں خود کو اتنا کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔" چاند نے جگنو کو مسلسل گھر کے کاموں میں مصروف دیکھ کر کہا تھا۔

"مجھے مصروف رہنا اچھا لگ رہا ہے چاند۔" جگنو نے سلائیڈ ڈور پر اسپرے کرتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔

اب وہ وائپر سے شیشہ صاف کر رہی تھی۔

"اور تم نے مجھے غلط ثابت کر دیا۔" چاند نے بات ادھوری چھوڑی تو جگنو نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں سمجھتا رہا کہ تم اب بھی ولی کو چاہتی ہو!" چاند کے لہجے میں اداسی تھی۔

"ثابت کرنے کے لیے اس کے قدموں میں بیٹھنا پڑے گا؟" جگنو نے آہستہ سے کہا تھا۔

"قدموں میں بیٹھو نہ بیٹھو لیکن نظروں سے اوجھل بھی تو نہ رہو۔" چاند نے بڑی پتے کی بات کی تھی۔

جگنو نے شیشہ چمکا دیا تھا اب وہ دور سے جانچتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ولی نے شادی کے لیے ہامی کیسے بھری؟" جگنو نے ساتھ ہی یہ سوال کیا کہ اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"میں نے تمہیں بتا دیا تھا۔" چاند کی آواز میں واضح برہمی تھی۔

"چاند تو میرا دیور ہے یا جیٹھ؟" جگنو نے اس کا مزاج برہم دیکھ کر بات بدلی تھی۔

"میں تیری نند ہوں۔" چاند نے مسکراتے

www.pklibrary.com

ہوئے دوبدو جواب دیا تھا۔ چاند کے جواب پر دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے تھے۔

☆☆☆

چاند کو ٹوکنے پر بھی جگنو اور ولی کی چھپن چھپائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دونوں کا گریز ہنوز برقرار تھا۔

چھٹی والے دن یہ گریز مشکل ہو جاتا کیونکہ ولی شام تک گھر پر ہوتا اور سٹنگ میں ہی اس کا قیام ہوتا جہاں اوپن کچن تھا۔ جگنو کی مجبوری کہ اسے وہیں کام کرنا پڑتا اس کے سامنے جگنو کی کوشش ہوتی کہ اس دن جلد از جلد کام نمٹا لے۔ وہ اکثر پہلے سے ہی اتوار کے کھانے کی تیاری کر کے رکھتی تاکہ اسے کچن میں کم سے کم وقت گزارنا پڑے۔

اتوار والے دن سٹنگ میں ناشتے کے لیے موجود ولی، بابا کو دیکھ کر سیدھا ہوا تھا۔ جگنو میز پر ناشتہ چن کر اب چائے کپوں میں انڈیل رہی تھی۔

سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس، سیدھی مانگ نکالے دھلے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ مکمل گھریلو حلیے میں تھی۔ باوقار، سنجیدہ، خاموش وہ پہلے والی جگنو سے کتنی مختلف لگ رہی تھی۔

وہ بے خیالی میں اسے ایک ٹک دیکھتا رہا۔

"جگنو بیٹا! لسٹ دے دو ہم سامان لے آتے ہیں۔" بابا نے جگنو سے کہا تھا۔

"میں تمہیں واٹس ایپ کرتی ہوں۔" جگنو نے چاند کو مخاطب کیا تھا۔ بابا اور چاند گروسری شاپنگ کے لیے نکل گئے تھے۔ جگنو اب برتن سمیٹ رہی تھی۔

"کیسا سامان؟" ولی نے شادی کے بعد پہلی بار اسے باقاعدہ کسی گھریلو معاملے کے لیے مخاطب کیا تھا۔

"وہ آج حفصہ آپی وغیرہ کو آنا تھا بابا کی طرف بابا یہیں تھے تو میں نے انہیں بھی یہیں بلا لیا ہے ساتھ زبیر بھائی، زوبیہ بھابھی اور بچے بھی آئیں گے تو کھانے کی تیاری کے لیے کچھ چیزیں منگوائی ہیں میں نے۔" جگنو نے برتن سمیٹ کر سنک پر رکھتے ہوئے سادگی سے جواب دیا۔

وہ اپنے کام میں مگن تھی اس نے نظریں اٹھا کر ولی کو دیکھا تک نہیں تھا۔ اس کا انداز میکانکی تھا۔

پہلے تو مجھ پر سے نظر نہیں ہٹاتی تھی اب نظر اٹھانا تک بھول گئی ہے۔ ولی نے بے اختیار سوچتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

ولی وہیں صوفے پر لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا۔ اس کی بہنیں بابا کے گھر ہر ہفتے آیا کرتی تھیں، یہاں بھی آتیں، عید تہوار کے مواقع پر وہ بھی بس گھڑی دو گھڑی کے لیے۔ آج کتنے زمانے کے بعد وہ سب یوں اکٹھے گھر پر آرہے تھے۔ اس نے در و دیوار کو غور سے دیکھا جو کچھ عرصے سے گھر لگنے لگے تھے۔

جگنو نے پہلے ناشتے کے برتن دھو کر ریک پر رکھے تھے۔ اب وہ باسکٹ سے پیاز نکال کر جلدی جلدی پیاز کا چھلکا اتار رہی تھی۔ پیاز چھیلتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو اور ناک سے پانی بہہ نکلا تھا۔

ولی کی آنکھیں بھی بری طرح جل رہی تھیں مگر وہ وہیں بیٹھا رہا۔

جگنو نے اپنی آنکھوں کو مسل کر آنسو صاف کرتے ہوئے ولی کو دیکھا، جو اپنے آنسو صاف کر رہا تھا۔

"آپ اندر چلے جائیں، ابھی بہت پیاز باقی ہے۔ آنکھیں جلتی رہیں گی۔" جگنو نے ولی سے کہا تھا، اصل میں تو وہ بابا اور چاند کی غیر موجودگی میں بہت غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی ولی کے سامنے۔

"اٹس او کے۔" ولی نے لیپ ٹاپ بند کر کے ایل ای ڈی آن کر لی تھی۔ اب وہ ڈے بیڈ پر دراز کوئی سیاسی پروگرام دیکھ رہا تھا۔

نہیں نہیں کرتے بھی دعوت میں کافی اہتمام ہو گیا تھا۔ جگنو نے بیف مندی، مٹن کڑاہی، افغانی بوٹی اور چپلی کباب خود بنائے تھے، میٹھے میں گاجر کا حلوہ اور کنافہ آرڈر کر دیا تھا۔ دعوت میں خوب رونق رہی پورا دن کیسے نکلا پتا ہی نہیں چلا۔ بھرپور پرلطف

www.pklibrary.com

دعوت کے بعد، سب چلے گئے تو جگنو رات گئے تک اکیلی کچن سمیٹتی رہی۔

وہ کافی تھک چکی تھی۔ دوسرے دن وہ معمول کے مطابق نہ اٹھ سکی۔ صبح بہت دیر سے آنکھ کھلی۔ نہایت کسلمندی سے اٹھ کر باہر نکلی تو دیکھا ولی اور چاند دونوں گھر پر تھے۔ کیونکہ بادل موسلا دھار برس رہے تھے ہلکی خنکی سی بھی تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟" چاند نے اسے دیکھا تو طبیعت دریافت کی۔

وہ دونوں بھائی ناشتہ کر چکے تھے۔

"ہاں بس تھکاوٹ سی ہے۔" جگنو نے اپنے لیے چائے کا پانی رکھا تھا۔ وہ بیٹھنا چاہتی تھی۔ ولی تو دیکھ کر وہیں کھڑی چیزیں الٹ پلٹ کرتی رہی، جگنو کے لیے کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا پھر بھی وہ بیٹھی نہیں۔ ولی نے محسوس کیا تو اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

جگنو ہلکا پھلکا ناشتہ کرنے کے بعد دوا لے چکی تھی۔ رات دعوت میں بنا کھانا اتنی مقدار میں بچا تھا کہ آج وہ نہ بھی بناتی تو گزارا ہو جاتا۔ وہ سست روی سے وہیں بیٹھی تھی۔ جب ولی دوبارہ کمرے سے نکلا تھا وہ ٹراؤزر ٹی شرٹ میں ملبوس بہت فریش دکھتا تھا۔

"لگتا ہے بارش تھمے گی نہیں آج۔" ولی نے گہرے بادلوں کو دیکھ کر با آواز بلند موسم کی صورت حال بیان کی۔

"تم کہیں جا رہے تھے ولی؟" چاند نے پوچھا۔

"سوچ رہا تھا فراغت ہے تو گاڑی کی سروس کروالوں، اب لگتا ہے ارادہ ملتوی کرنا پڑے گا۔" ولی اب بھی کھڑکی میں ایستادہ تھا۔

"ولی آج کل ضرورت سے زیادہ تیار نہیں رہنے لگا۔" چاند نے خاموش بیٹھی جگنو سے سرگوشی میں کہا تھا۔

"میں نے غور نہیں کیا۔" وہ اب وہاں سے کھسکنے کی تیاری میں تھی۔

"غور کرو شوہر ہے تمہارا۔" چاند نے مزید آہستگی سے کہا تھا۔ لفظ شوہر سن جگنو کے دل کی دھڑکنیں تھم سی گئیں "شوہر" ایسا استحقاق جو ولی نے اسے دیا ہی نہیں تھا۔ اس نے چپکے سے ایک نظر ولی پر ڈالی۔

ہال میں اس وقت گہری خاموشی چھائی تھی۔ صرف برستی بارش کی آواز آ رہی تھی۔ خاموش فضا میں جگنو کا سیل بجا تو آواز گونج اٹھی۔ جگنو نے اسکرین پر نظر ڈالی تو امتیاز علی کا فون تھا۔ جگنو نے بیزاری سے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔" جگنو کی آواز میں واضح بیزاری تھی۔

ولی نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ اس کے سرد لہجہ کی ٹھنڈک کو ولی نے بخوبی محسوس کی۔

"ٹھیک ہوں جی......" اس کے بعد بھی جو بات ہوئی وہ ہاں ہوں پر مشتمل تھی۔ جگنو بات کرتے کرتے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

امتیاز علی کئی بار جگنو کو فون کیا کرتے تھے وہ اس سے ہمیشہ پوچھتے کہ کیا وہ خوش ہے؟ جگنو سوچتی کہ انہیں یہ پوچھنے کی ضرورت ہی کیوں آتی ہے کیا انہیں اس کا اداسی میں لپٹا چہرہ یا یاسیت میں ڈوبی آواز سنائی نہیں دیتی؟ وہ تو میکے بھی کم ہی جاتی وہ اکثر سوچتی ولی کی بہنیں، بھابھیاں کتنے مان سے اپنے میکے جایا کرتی تھیں جبکہ چھ ماہ کی شادی میں جگنو مشکل سے دو چار بار ہی گئی تھی، وہ بھی محض رسم نبھانے کو۔ سچ ہے میکے تو ماؤں کے دم سے ہوتے ہیں۔

بارش تو آج واقعی تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ آدھی رات میں جا کر کچھ بارش ہلکی ہوئی۔ جگنو پین کلر لے کر جلدی سو گئی تھی۔ سونے کے بعد بھی اسے بے چینی سی لاحق تھی اور اسی کیفیت سے مغلوب ہو کر شدید گھبراہٹ سے اس کی آنکھ کھلی۔ اسے لگا یکدم اس کی سانس رک جائے گی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ابو......امی......امی۔" وہ اندھیرے میں بتی جلانے کے لیے سوئچ ڈھونڈ رہی تھی، اسے اپنے اس نئے گھر میں یکا یک اجنبیت سی محسوس ہوئی تھی وہ

www.pklibrary.com

یہاں کیوں تھی؟ وہ جس کی وجہ سے یہاں تھی وہ کہاں تھا؟ وہ کب تک یہاں رہے گی اس گھر میں؟

جہاں اسے اس کے باپ نے صرف اس لیے دھکیلا تھا کہ وہ خود اپنی زندگی سکون سے جی سکیں۔ وہ یہی سمجھتی تھی۔ ولی کے سلوک کی وجہ سے اسے یہاں اجنبیت محسوس ہوتی۔ یہ احساس اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ وہ اپنے باپ کے گھر میں بھی اسی اجنبی احساس کے ساتھ رہتی آئی تھی۔

کیا اس کا کوئی گھر بھی تھا؟ کیا صرف ماں کے نہ ہونے سے گھر "گھر" نہیں رہتا۔ وہ بے آواز قدموں سے چلتی سٹنگ میں آ گئی تھی۔ وہ اب پوری دل جمعی سے رو رہی تھی۔

بارش کی بدولت ملنے والی فراغت کے باعث ولی بھی ابھی تک جاگا ہوا تھا۔ ولی کافی بنانے کمرے سے نکلا تھا جب اسے سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ جگنو سامنے ہی بیٹھی گھٹنوں میں منہ چھپائے شاید رو رہی تھی۔

کافی بھول کر وہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو؟"

جگنو کو ایک لمحے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کوئی اسے روتے ہوئے دیکھ بھی سکتا ہے اور ولی، ولی کا تو بالکل نہیں آیا تھا اس نے آنسو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ روتی رہی۔

ولی جواب نہ پا کر اسے دیکھتا رہا۔ ملگجا مضمحل وجود۔

"رولو، رونا آئے تو رو لینا چاہیے۔" ولی نے آہستہ سے کہا۔

اور جگنو مزید شدت سے رو دی تھی۔

آنسو کتنی بڑی نعمت ہوتے ہیں کوئی ولی سے پوچھتا۔ وہ کتنے ہی آنسو اندر اتار اتار کر اب اتنا پتھر دل ہو گیا تھا کہ چاہ کر بھی رو نہیں سکتا تھا۔

"رونے کی وجہ تو بتا دو؟" جب وہ بہت دیر چپ نہیں ہوئی تو ولی نے پوچھا تھا۔

"امی یاد آ رہی ہیں۔" جگنو نے بہت ہی آہستہ کہا۔ ولی نے گہری سانس لی۔

وہ جانتا تھا جگنو نے پھپھو کو دیکھا تک نہیں تھا۔

وہ اس کی کیفیت سمجھ سکتا تھا کیونکہ وہ اسی تکلیف سے گزر چکا تھا۔ جگنو کی ماں تو حیات نہیں تھیں لیکن ولی وہ تو اپنی ماں کے جیتے جی ان سے دور ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کے آخری ایام میں بھی ان کے قریب نہیں ہو سکا تھا۔ ولی کے لیے ان کی متمنی نظریں اسے آج بھی اپنے اردگرد محسوس ہوتیں۔ وہ خود کو مجرم سمجھتا۔

"پھپھو بہت خوب صورت، زندہ دل محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ ان کی پرجوش، خوشی سے کھنکتی آواز مجھے آج بھی یاد ہے۔ پورے خاندان میں پھپھو اور امتیاز بھائی کا جوڑا مشہور تھا دونوں ساتھ میں ہوتے تو نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ بس شاید دنیا کی نظر لگ گئی انہیں۔ اگر وہ ہوتیں تو تمہیں تکلیف میں دیکھ کر پریشان ہوتیں۔" ولی نے ٹھہر ٹھہر کر رسان سے کہا تو جگنو نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"گھر کے کاموں میں خود کو اتنا مت الجھاؤ، اپنی ذات کے لیے وقت نکالو، کوئی کورس کر لو۔ چاہو تو پڑھائی شروع کر لو۔ جب کچھ حاصل کر لو گی تو رائیگانی کا احساس ختم ہو جائے گا۔ تم خود کو مضبوط محسوس کرو گی۔ پھپھو کو گزرے زمانہ ہو چکا لیکن تمہارے ابو اب بھی حیات ہیں، وہ تم سے پیار کرتے ہیں، ان سے تعلق بحال کرو۔ میں دیکھتا ہوں جب بھی ان کا فون آتا ہے تم محض ضرورت کی بات کرتی ہو۔ ایسا نہ کرو کہ تم بعد میں پچھتاؤ۔" ولی نے اسے صلاح دی اور اپنا کہیں ذکر تک نہیں کیا اس سب میں جیسے مذہب اور معاشرے نے مجازی خدا کا درجہ دیا تھا۔

"ولی! کیا سب کی زندگی اتنی ہی تلخ ہوتی ہے؟"

پتا نہیں وقت پر اثر تھا یا ولی کا دھیما نرمی کی اوس میں لپٹا لہجہ، جو وہ یوں ولی سے بات کر پا رہی تھی۔

"زندگی ایک امتحان گاہ ہے یہ سب کو ایک جیسا نہیں برتتی۔ یہاں سب کے ہاتھ میں ایک الگ سوالنامہ ہے۔ سب کی مشکلات الگ الگ ہیں۔ ہو سکتا ہے تم کچھ خاص ہو۔ اسی لیے تمہیں ایک خاص

www.pklibrary.com

پیپر ملا ہو۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک بی اے کا کورس پڑھنے والے کو ایم بی بی ایس کی ڈگری دے دی جائے۔ ایم بی بی ایس کرنے کے لیے ہمیں زیادہ پڑھائی کرنا پڑتی ہے۔ زیادہ وقت دینا پڑتا ہے۔ زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ ہوسکتا ہے تمہیں کسی خاص امتحان سے دوچار کرنے کا مقصد یہی ہو کے تمہارے لیے کوئی خاص طے شدہ مقام ہو۔" ولی نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

ولی بات کے دوران دوبار سگریٹ سلگا چکا تھا۔

"تم بہت سگریٹ پینے لگے ہو ولی۔" جگنو اس کو ٹوکے بغیر نہیں رہ سکی۔

"تم نے کب دیکھا، تم تو زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی ہوتی ہو۔" دونوں ہی ایک دوسرے سے باخبر تھے۔

"چاند کو کیوں نہیں ٹوکتی ہو وہ تو چین اسموکر ہے اسے ٹوکا کرو۔"

ولی جانتا تھا چاند جگنو کی بات ضرور سنے گا۔

"وہ کہاں کسی کی بات سنتا ہے؟" جگنو نے افسردگی سے سر جھکا تھا۔

"اور تمہیں ایسا کیوں لگا کہ میں تمہاری بات سننے والا ہوں؟" ولی کا لہجہ اور آواز دھیمے تھے۔ جگنو کو کچھ حوصلہ ہوا۔

"اور ہمارا رشتہ اس کا کیا انجام ہے ولی؟ تم مجھے کب چھوڑ دو گے؟ مجھے کب تک اس سولی پر لٹکے رہنا ہوگا۔" پچھلے چھ مہینوں سے وہ یہ سوال ولی سے کرنا چاہتی تھی۔

ولی نے اسے نظروں کی گرفت میں لیا تھا۔

"میں جلد باز اور جذباتی نہیں ہوں۔ نہ نجومی جو تمہیں مستقبل کا حال بتا سکوں۔ تم سوچتی بہت ہو، کم سوچا کرو۔" ولی نے مبہم بات کی تھی۔ جگنو اسے خائف سی دیکھتی رہی۔

☆☆☆

امید و آس کی چاپ لیے کچھ وقت مزید سرکا تھا۔ ولی سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق چاند اپنے کاموں میں دوبارہ سے دلچسپی لے رہا تھا۔ کئی سالوں کی خود ساختہ نظر بندی کے بعد اس نے دوبارہ گھر سے نکلنا شروع کیا تھا۔ ولی، جو چاند کی زندگی منجمد ہونے کی وجہ سے بہت پریشان تھا اب تھوڑا سکون میں آیا۔ مگر یہ سکون کچھ دیر کا ہی تھا۔ چاند دیگر سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا ایکٹیوسٹ بھی تھا۔ وہ ولی کے بنائے گروپ جو اس کی کمیونٹی کے فلاح و بہبود کے لیے کوشاں تھا۔ اس آفس بھی باقاعدگی سے جانے لگا تھا۔ اس کے جانے سے بہت فرق پڑا تھا۔ اس کے ہونے سے کمیونٹی کے دوسرے اس جیسے کمزور لوگوں کو حوصلہ ملا تھا۔ اور وہ وہاں آکر اپنے مسائل پر سیر حاصل، گفت و شنید و عملی طور پر اقدامات کرنے میں معاونت حاصل کر رہے تھے۔ وہیں کچھ کالی بھیڑیں بھی کھل کر سامنے آئی تھیں جو اپنی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھانے کے عادی تھے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دینے میں پیش پیش تھے خاص کر ان کچے ذہنوں کو جنہیں گھر والوں نے ٹھکرا دیا تھا اور وہ بے یار و مددگار تھے۔

ایک مخنث کی شکایت پر چاند نے انہیں تنبیہ کی تھی۔ سوشل سائٹس پر چاند کی ان سے زبانی کلامی مڈبھیڑ ہوئی تو بات بہت بڑھ گئی۔ چاند کو اب دھمکی آمیز فون کالز موصول ہو رہی تھیں۔ ولی نے اسے سختی سے اکیلے گھر سے نکلنے کو منع کیا تھا۔

اس دن بھی چاند کو ضروری کام سے جانا تھا، ولی مصروف تھا اس نے زوہیب سے کہا تھا چاند کو اکیلا نہ چھوڑے کچھ بھی ہو جائے اسے ساتھ لے کر جائے۔ زوہیب نوعمر تھا، اسے معاملات کی سنگینی کا قطعی علم نہ تھا۔

اس نے چاند سے کہا "چاچو، کل چلیں آج مجھے کسی ضروری اسائنمنٹ پر کام کرنا ہے۔ کل لاسٹ سمیشن ڈیٹ ہے۔" چاند نے مزید اصرار نہیں کیا۔ وہ خود چلا گیا لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

اس جتھے نے اسے اکیلا دیکھ کر زدوکوب کیا تھا۔ وہاں موجود دوسرے لوگوں نے مداخلت کر ان کی

www.pklibrary.com

جان بچائی تھی۔ وہ بمشکل بچ بچا کر آفس پہنچا تو وہاں موجود لوگوں نے اسے سنبھالا اور طبی امداد دی تھی، ولی کو بھی فوراً مطلع کر دیا گیا تھا۔ ولی عریاں غیض و غضب میں پہنچا تھا اس نے فوراً پولیس کمپلین درج کروائی تھی۔

''تمہیں منع کیا تھا اکیلے نکلنے کو، ایسا کیا ضروری کام تھا؟ زوہیب کہاں ہے؟'' ولی نے ایک ساتھ کئی سوالات کیے تھے۔

''وہ زوہیب تو آ رہا تھا مجھے جلدی تھی، زیبا کو لینا تھا (زیبا اسی کی طرح ایک مخنث تھی جسے اس کے علاقے میں ہراساں کیا گیا تھا) میں گھر پر تھا جب آفس سے فون آیا تھا کہ اسے فوراً لینے جانا ہے۔ اس لیے میں نکل گیا۔'' چاند نے زوہیب کے منع کرنے والی بات چھپالی تھی۔

ولی نے چاند سے مزید کوئی بات کیے بغیر اسی وقت زوہیب کو کال ملائی تھی۔

''تمہیں منع کیا تھا کہ چاند کو اکیلا مت چھوڑنا۔ تم بزی تھے تو مجھے کہتے، میں کسی اور کو انگیج کر دیتا۔ چاند تو بہت خودسر ہو گیا ہے اپنے فیصلے خود کرنے لگا ہے۔ کم از کم تم تو مجھے انفارم کرتے۔'' ولی نے زوہیب کو اچھا خاصا ڈانٹ دیا تھا۔

''چاچو! مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ سوری۔'' زوہیب کو واقعتاً افسوس ہوا تھا۔

''تو کیا مصیبت آنے سے پہلے سب کو الہام ہوا کرتا ہے؟ احتیاط اسی کو کہتے ہیں بیٹا۔''

ولی نے مزید کوئی بات کیے بغیر لائن کاٹ دی تھی۔

چاند کو اچھی خاصی چوٹیں لگی تھیں۔ اس کے منع کرنے کے باوجود ولی نے چاند کو گھر چھوڑا تھا۔ اب خود اس معاملے کو نمٹا رہا تھا۔ ولی اسی میں لگا رات گئے گھر پہنچا تھا۔ وہ شدید بےزار تھکا ہوا تھا۔

''چاند کہاں ہے؟'' ولی نے گھر آتے ہی جگنو سے پوچھا تھا۔

''سو رہا ہے۔'' جگنو نے بتایا اور ساتھ کھانے کا پوچھا۔

''میں کھا کر آیا ہوں شکریہ۔'' ولی کہہ کر وہیں بابا کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

''ماموں! میں بی پی اپریٹس لاتی ہوں۔''

جگنو کہہ کر رکی تھیں، ولی نے سامنے ریک پر پڑے بی پی اپریٹس کی طرف دیکھا۔ ولی سمجھ گیا تھا کہ وہ بس یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

ولی اسے چھوڑ کر بابا کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ عموماً ہفتہ وار ہی آتے تھے۔ آج یوں آئے تو کہیں انہیں چاند کے معاملے کا تو پتا نہیں لگا ولی نے سوچا۔

''بابا خیریت ہے سب؟'' ولی نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''ہمم'' انہوں نے ہنکارا بھرا تھا۔ صاف لگ رہا تھا وہ کوئی بات ضبط کیے ہوئے ہیں۔

''کوئی بات ہے؟'' ولی کو تشویش ہوئی تو اس نے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔

''ولی! میں لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا۔ پچھلی بار دعوت میں، میں آیا تو جگنو اور تمہیں دیکھ کر لگا سب ٹھیک ہے۔ میں بھول گیا تھا کہ آخر میں باپ کس کا ہوں۔ اتنی آسانی سے تم مجھے کہاں سکون لینے دو گے۔'' بابا بولے تو لہجہ سخت تھا۔ ولی ان کی باتیں سن کر حیران تھا دن بھر کی خواری کے بعد اب ایک اور عدالت اس کی منتظر تھی اس نے کوفت سے سوچا تھا۔ اس نے پھر بھی خود کو کمپوز رکھا۔

''اب کیا کیا ہے میں نے۔'' اس نے بہت دنوں سے اچھا بننے کا جو چولا پہن رکھا تھا سب سے پہلے وہ اتار کر ایک طرف کیا۔ بلاشبہ یہ دنیا اچھے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔

''کیا کیا ہے تم نے؟'' ان کا لہجہ آگ برسا رہا تھا۔'' ولی اور ان کے تعلقات کبھی معمول پر آ ہی نہیں سکتے تھے۔

''تم کہاں کچھ کرتے ہو؟ یہ تو ہمیں شوق ہے تم سے مغزماری کرنے کا۔'' انہوں نے طنزیہ انداز جاری رکھا تو ولی جی بھر کر بیزار ہوا۔

www.pklibrary.com

''امتیاز بھائی آئے تھے رات میرے پاس۔'' انہوں نے ہلکی تھیلے سے باہر نکالی تھی۔ ولی نے انہیں نا سمجھی سے دیکھا تھا۔

''تو؟'' لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

''تو یہ کہ مجھے بتاؤ کہ مجھے کب تک ذلیل کرواؤ گے؟'' ابرار ولی کے اطمینان پر آگ بگولہ ہی ہو گئے تھے۔

''کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں؟ صاف صاف بتائیں کیا کہا انہوں نے؟'' ولی نے کہا تھا۔

''اس نے مجھے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اس کی بیٹی یہاں خوش نہیں ہے۔''

''ان کی بیٹی تو ان کے گھر پر بھی خوش نہیں تھی۔'' ولی کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

''وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا سب خبر ہے اسے کہ یہاں کیا ہوتا ہے اس گھر میں۔''

''کیا ہوتا ہے؟'' ولی نے اب سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ انداز میں حد درجہ تجسس تھا۔

پتا نہیں ابرار صاحب اسے کیا بتانا چاہ رہے تھے جو کھل کر بات نہیں کر رہے تھے۔

''آپ صاف صاف بات کیجیے پلیز۔'' ولی نے انہیں تذبذب میں دیکھ کر کہا۔

''اسے چھوڑو میں کہتا ہوں اپنے رشتے کو ٹھیک کرو۔''

''بہت ہو چکا ایک سال ہو گیا ہے، میں خود تم سے یہی کہنا چاہتا تھا کہ...... کب تک یوں الگ الگ۔'' ابرار صاحب کی زبان اتنا کہہ کر رک گئی۔ وہ اس سے زیادہ بول نہیں پائے۔

''اوہ۔'' ولی اب سمجھا تھا کہ اصل بات کیا تھی۔

''یہ سب انہوں نے آپ سے کہا؟'' ولی کو یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں انہوں نے کہا اور بھی بہت کچھ جو میں دہرا نہیں سکتا، ان کی بات اپنی جگہ ٹھیک ہے تم سمجھو ان باتوں کی نزاکت کو۔'' ابرار صاحب کہتے کہتے ہانپنے لگے تھے ولی نے انہیں پانی کا گلاس تھمایا۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔'' کہتے ہوئے وہ ان کی کمر سہلا رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ولی نے نا چاہتے ہوئے بھی انہیں تسلی دی۔

ابرار مطمئن ہوئے تھے یا نہیں انہوں نے سر ہلایا۔

اور ولی، جتنا پرسکون ان کے سامنے خود کو ظاہر کر رہا تھا اتنا تھا نہیں، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ باتیں گھر سے باہر کیسے گئیں۔ کیا جگنو نے؟ بابا سے بات کرنے کے بعد، اس کے قدم خود بخود اس کے کمرے کی طرف اٹھے تھے۔ جگنو اپنی الماری میں تہہ کیے ہوئے کپڑوں کی ترتیب درست کر رہی تھی جب اسے آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ مڑی تو ولی سامنے ہی کھڑا تھا۔ وہ کمرے میں بنا دستک داخل ہوا تھا۔

''ولی! آپ یہاں؟'' جگنو کی حیرت بجا تھی شادی کے بعد وہ پہلی بار اس کمرے میں آیا تھا۔

''یہ حیرت کیسی ہے؟ کیا میں یہاں نہیں آ سکتا؟''

''نہیں وہ......'' جگنو لمحہ بھر کو ہڑبڑائی۔ کیا ہو گیا تھا اسے۔

''میں آتی ہوں۔ ماموں کا بی پی چیک کرنا ہے۔'' وہ باہر جانے کے لیے دروازے تک آئی تو ولی کے اور قریب آ چکی تھی۔ دونوں میں ہاتھ بھر کا فیصلہ رہ گیا تھا۔ کوئی ایک قدم بڑھاتا اور دوری ختم۔

''میں نیچے تھا تو تم تو اپریٹس لینے اوپر آئی تھیں اب اوپر آیا ہوں تو تم نیچے جا رہی ہو بی پی چیک کرنے۔ کیا ہے یہ سب؟'' ولی کے انداز میں دھونس تھی۔

''اوہ ہاں۔'' جگنو نے سر پر ہلکے سے ہاتھ مارا جیسے اسے ابھی یاد آیا ہو۔

''حیرت ہے پورا دن گھر میں رہنے کے بعد بھی تمہیں سٹنگ میں بالکل سامنے رکھا اپریٹس نظر نہیں آیا۔''

''وہ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔'' جگنو نے بہانا بنایا

www.pklibrary.com

تھا۔

"یاد نہیں رہا تھا یا مجھے دیکھ کر بھول گئی تھیں اور اب میرے کمرے میں جانے کا انتظار کر رہی تھیں؟" ولی کی نگاہیں جگنو کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ سوال میں چھپا جواب بالکل درست تھا وہ اس کے جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس رات اپنے رشتے کے متعلق پوچھے گئے سوالات پر وہ شرمندہ شرمندہ سی تھی اسے اتنی بے چینی ظاہر نہیں کرنی چاہیے تھی۔

ولی نے اب دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑا۔ ولی کی قربت جگنو کے حواس سلب کیے دے رہی تھی۔

"ولی، پیچھے ہٹیں پلیز۔" جگنو بہت ہی مشکل میں پھنسی تھی وہ ولی کا رویہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"دور ہو جاؤں؟ دور ہوں تو سب سے شکایت کر رہی ہو۔ پاس آیا ہوں تو کہہ رہی ہو دور چلا جاؤں۔ عجیب لڑکی ہو......" ولی نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔

جگنو جز بز ہوئی، اس کا دل چاہا ہاتھ چھڑا کر یہاں کہیں غائب ہو جائے۔ ولی نے اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ محسوس کی تو گہری سانس لے کر اس نے جگنو کا ہاتھ چھوڑا تھا۔

"تم جانتی ہو میری صورت حال، میں چاند کو یوں اکیلا بیچ منجدھار میں نہیں چھوڑ سکتا۔ پتا نہیں سب کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں انسان نہیں ہوں۔ میرے کوئی جذبات نہیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے میں بس کچھ چیزوں کے لیے وقت چاہتا ہوں۔ اسی مقصد کے لیے میں نے پہلے دن سے خود کو تم سے دور رکھا تا کہ وقت کے ساتھ ہم دونوں زیادہ بہتر فیصلہ کر سکیں۔"

ولی ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا جگنو ناسمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کب کچھ کہا ہے؟"

"یہی تو کہہ رہا ہوں اگر کہنا ہی تھا تو مجھ سے کہتیں، کسی اور سے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" ولی کی آواز اب نسبتاً اونچی تھی ہر طرح کے لحاظ سے مبرا۔

"مطلب؟" وہ اب بھی نہیں سمجھی تھی۔

"مطلب یہ کہ تمہارے گھر سے فون آیا تھا بابا کے پاس کہ میرے اور تمہارے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں۔ ہم دونوں الگ الگ۔" ولی نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

جگنو کو لگا اس کا سر گھوم گیا ہو۔ یہ کیا کہہ رہا تھا ولی۔ گھر سے کس نے فون کیا ہوگا ابو نے؟ انہوں نے ایسا کیوں کہا ماموں سے۔ انہیں کیسے پتا لگا؟ کیا ارسلان...... اف میرے خدایا۔ وہ اس سے آگے کچھ سوچ نہ سکی۔

"تو آپ کو لگا یہ سب میں نے ابو سے کہا۔" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

"پھر انہیں خواب آیا ہے؟" ولی نے بھنویں اچکائی تھیں۔

"میں ایسا کیوں کہوں گی جبکہ نہ تو میں مری جا رہی ہوں، آپ کے قریب آنے کے لیے نا ہی مجھے کوئی خوش فہمی ہے آپ کے حوالے سے۔" غصے اور احساس توہین سے جگنو کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔

"آپ کی زندگی میں آنے سے بہت پہلے ہی صبر کر لیا تھا میں نے آپ پر...... نہیں چاہیے آپ کی ہمدردی، کسی کے دباؤ میں آ کر دی ہوئی محبت۔" وہ ایک پل کو رکی تھی۔

"اور آپ کو بہت زعم ہے نا اپنی اچھائی کا، تو جان لیجیے بالکل بھی اچھے نہیں ہیں آپ۔ پچھلے ہفتے ارسلان آیا تھا۔ وہ آدھا دن یہاں رہا تھا، اسی نے دیکھا تھا کہ میرا اور آپ کا کمرہ الگ ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ یہ بات ابو سے کہے گا۔" جگنو نے شہادت کی انگلی اس کے سینے پر مارتے ہوئے کہا تھا۔

ولی خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

"کسی نے بھی کہا، تم مجھے بتاؤ کہ اب کرنا کیا ہے؟" ولی نے جگنو کی باتیں نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کس بارے میں؟" جگنو نے آنسوؤں کو

www.pklibrary.com

روکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بابا نے مجھے سب ٹھیک کرنے کو کہا ہے زندگی میں، پہلے ہی اتنی الجھنیں ہیں میں گھر میں سکون چاہتا ہوں۔ اب بتاؤ تم میرے کمرے میں شفٹ ہو گی یا میں یہاں آجاؤں، تاکہ انہیں یقین آجائے کہ ہم ہیپی کپل ہیں۔" ولی نے آخر وہ بات کی جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" روکنے کے باوجود آنسو ایک قطار کی صورت گالوں پر پھسل رہے تھے۔

"رونا بند کرو، یوں روتے ہوئے بابا کے پاس جاؤ گی تاکہ وہ مزید مجھے برا بھلا کہیں۔" ولی کے لہجے میں پھر تحکم تھا۔

"آپ کی مرضی سے نہیں ہو گا سب، جب جو دل چاہتا ہے حکم صادر کر دیتے ہیں۔ روبوٹ نہیں ہوں میں۔"

جگنو کہہ کر باہر کی طرف نکلی تھی۔ ولی کو مزید کوئی بات کرنے کا موقع دیے بغیر۔

ولی بھی اس کے پیچھے کمرے سے نکلا تھا۔

☆☆☆

دوسرے دن صبح، جگنو سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ جگنو پورا دن روئی روئی کھوئی کھوئی سی رہی۔ پتا نہیں زندگی کے امتحان کب ختم ہوں گے؟ چاند بھی پورا دن گھر پر تھا۔ وہ خود اس واقعے کے بعد بہت شکستہ سا نظر آرہا تھا۔ بابا آج بھی پورا دن یہیں رہے تھے ان کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ مزید، کچھ دن یہیں رکیں گے۔ زوہیب بھی چاند کی عیادت کے لیے آیا ہوا تھا۔ سب کے ہوتے ہوئے بھی گھر میں مکمل سناٹا تھا۔

رات عشاء کے بعد، کھانے کے وقت سب سٹنگ میں جمع تھے۔ ولی نے محض بابا کو دکھانے کے لیے جگنو سے پوچھا۔

"کیا پکایا ہے؟" کھانے کی میز پر برتن رکھتے ہوئے جگنو کے ہاتھ لمحہ بھر کو ٹھہرے تھے۔

"دال مکھنی اور قیمہ مٹر۔" جگنو نے مصروف سے انداز میں بتایا۔

بابا اور زوہیب کوئی بات کر رہے تھے۔ کھانے کا پہلا نوالہ لیتے ہی احساس ہوا کہ مرچیں معمول سے زیادہ ہیں۔

ولی نے بہت قابو کیا کہ چپ رہے مگر زبان پھسل ہی گئی۔

"اب ایسے بدلے لو گی۔ اتنی فراخ دلی سے مرچیں ڈالی ہیں۔" ولی نے پانی پیتے ہوئے کہا تھا۔

"کہاں ہیں مرچیں، ٹھیک ہی تو ہے کیوں بابا......؟" چاند کو یوں ولی کا کہنا اچھا نہیں لگا اسی لیے بابا کو ہم نوا بنا کر بیچ میں بولا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہی ہیں۔" بابا نے بھی چاند کی ہاں میں ہاں ملائی۔

ولی نے حیرت سے دونوں کو دیکھا پھر زوہیب پر سوالیہ نظریں مرکوز کیں۔

"ٹھیک ہیں۔" زوہیب نے بظاہر لاپروائی سے رائے دی وہ دادو اور چاند کی بات سے اختلاف کیسے کر سکتا تھا۔

"کیا واقعی؟" ولی نے خود کلامی کی تھی۔

جگنو خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ مرچیں اسے بھی لگ رہی تھیں۔

"کھانے میں دو ڈشز ہیں، تم دوسری کھالو۔" چاند نے آسان حل بتایا تھا۔ ولی نے تیکھی نظروں سے چاند کو دیکھا۔ اب وہ جگنو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کمال ہے ایک تم ہو تمہاری کوئی بات انہیں بری نہیں لگتی۔ ایک میں ہوں میری کوئی بات کسی کو اچھی نہیں لگتی۔ اب دیکھنا سچ بات بھی سب کو طنز ہی لگے گی۔" ولی نے کہتے ہوئے کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا۔

☆☆☆

"چاچو، میں اس دن کے لیے شرمندہ ہوں۔" زوہیب نے کئی مرتبہ ولی کو فون کیا تھا مگر ولی نے فون نہیں اٹھایا تھا۔ زوہیب خاص کر ولی اور چاند سے اسی لیے ملنے آیا تھا تاکہ معافی مانگ سکے۔

www.pklibrary.com

ولی نے اب زوہیب کی طرف دیکھا تھا۔

"شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری لاپرواہی پر افسوس ہوا۔ مایوس کیا ہے تم نے مجھے۔" ولی کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"افسوس کس بات کا؟ زوہیب کی ذمہ داری نہیں تھی۔ نہ ہی یہ پابند ہے تمہارے یا چاند کے کام کرنے کے لیے وہ جوان بچہ ہے، پروفیشنل پڑھائی پڑھ رہا ہے اس کے اپنے بھی سو کام ہوتے ہیں اور اس کو ان معاملات سے دور رکھو۔ ایسا نہ ہو یہ کسی مصیبت میں پڑے اور اس کی پروفائل خراب ہو۔" زوہیب کچھ دنوں میں بیرون ملک اسٹوڈنٹ ویزا کے لیے اپلائی کرنے والا تھا۔

ولی کی بات کا جواب اسے ابرار احمد سے ملا تھا۔ ولی ان کے طرز تخاطب پر حیران ہوا تھا۔ انہیں ولی پر غصہ کرنے کے لیے بس بہانہ چاہیے۔

"صحیح کہا آپ نے غلطی ہو گئی مجھ سے۔" کچھ توقف کے بعد ولی نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اپنے بھائی کے لیے اگر میں کچھ کروں تو غلط ہے۔ اپنے سگے بھتیجے سے اگر کچھ امید رکھوں تو وہ بھی غلط ہے۔ آپ کی محبتوں کے تمام تر حق دار تو آپ کے رشتے دار ہیں۔ چاند اور چاند سے جڑے ہر کام میں آپ کو لگتا ہے سب مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ پتا نہیں آپ کب مجھے اور چاند کو اپنی اولاد کا درجہ دیں گے۔

زیادہ دن نہیں گزرے جو آپ بھول گئے یہ وہی چاند ہے، جس نے آپ کے بہنوئی کی ہر زیادتی بھلا کر مجھے مجبور کیا کہ میں ان کی بیٹی سے شادی کروں۔ تھوڑا اور ماضی میں جائیے تو آپ کو یاد آئے گا کہ انہوں نے میری بہن کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اپنے سالے سے رشتہ کرتے وقت انہیں چاند یاد تھا کہ اس کی وجہ سے ان کے سسرال میں، ان کی نام نہاد عزت پر حرف آئے گا۔ لیکن اپنی بیٹی کے لیے سوال کرتے وقت وہ بھول گئے کہ میں وہی ولی ہوں ہٹ دھرم، بدتمیز، اسی چاند کا بھائی جس سے انہیں نفرت ہے

بلاوجہ۔"

"ولی، اپنے دفاع کے لیے جگنو کو بیچ میں مت لاؤ پلیز۔" جگنو کا رنگ فق دیکھ کر چاند نے ولی کو ٹوکا تھا۔ جگنو کو کہاں علم تھا کہ اس شادی کے پیچھے امتیاز علی تھے۔ وہ تو مارے خفت کے سن ہو گئی تھی۔

"کیوں؟ کیا میں نے کچھ اپنی طرف سے کہا یا غلط کہا؟" ولی نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا تھا۔ اسے ذرا احساس نہیں تھا کہ اس کی ان باتوں سے جگنو پر کیا گزر رہی تھی۔

"بکواس بند کرو ولی۔" ابرار احمد دھاڑے تھے۔

"تم نے اچھا نہیں کیا ولی! زندگی میں صرف ایک چیز مانگی تھی تم سے، ایک مان نہیں رکھ سکے تم میرا، افسوس ہے۔" چاند نے تاسف سے ولی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تو ہوں ہی غلط، کچھ نیا بتاؤ مجھے۔" ولی کی آواز میں بھی جانے کس بات کا افسوس تھا۔

"ہاں ہو تم غلط۔" ابرار بولے تھے" ایک ایسے مسئلے کو جو ہمارے اختیار میں ہی نہیں تم نے اپنا دردسر بنا کر رکھا ہے بچپن سے۔ کتنا اور کہاں تک بچاؤ گے اسے" انہوں نے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ چاند مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"میں نے اسے جن کے سپرد کیا تھا انہوں نے اچھی طرح اس کی خبر رکھی تھی یہ وہاں خوش تھا ان کی حفاظت میں تھا وہاں، لیکن تم، تم نے اسے اس کی دنیا سے الگ کر دیا اب دیکھو وہ کہیں کا نہیں ہے۔ کہیں اکیلا نہیں نکل سکتا وہ، خود سے دنیا کا سامنا کرنے تک کی ہمت نہیں اس میں۔" آج سب نے ہی ہر لحاظ بھلا دیا تھا۔ جو باتیں چاند کے سامنے کرنے سے گریز کیا جاتا تھا آج بے دھڑک ہو رہی تھیں۔ اذیت، چاند کے چہرے سے عیاں تھی۔

"یہ آپ سمجھتے ہیں۔ وہاں پہ کتنا محفوظ تھا اور کتنا ذہنی سکون میں تھا یہ میں جانتا ہوں۔ کس طرح اسے میں نے سنبھالا ہے یہ آپ کو نہیں پتا۔" ولی چپ نہیں

www.pklibrary.com

رہا۔

"خاک سمجھتے ہو تم۔ چھوڑ دو اسے اس کے حال پر، جینے دو اسے اور خود بھی اپنی زندگی جیو۔ اپنے معاملات سدھارو۔" ان کی باتیں سن کر ولی کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا۔ اسے ان سب باتوں سے بہت تکلیف پہنچی تھی۔

"تم ہر بات کو قابو نہیں کر سکتے۔ ہر بات تمہارے اختیار میں نہیں ہو سکتی۔ خود کو عقل کل سمجھنا بند کرو۔ تمہارا یہی رویہ ہے بچپن سے، تم ہم سب کو بے وقوف سمجھتے رہے۔ تم نے ہمیشہ ہمیں پریشان کیے رکھا۔ اب بتاؤ کیا انقلاب لے آئے تم چاند کی زندگی میں؟ ہم سے، اس معاشرے سے بغاوت کر کے؟ دیکھو اسے۔ تعلیم تک ادھوری ہے اس کی۔ اور تم، تم ہم سے الگ رہے ہمیں اس کے لیے کیا کیا جواز گھڑنے پڑے دنیا کے سامنے اس کا احساس ہوا، تمہیں کبھی؟"

"دادو، ریلیکس۔" زوہیب نے اٹھ کر انہیں پانی کا گلاس تھمایا تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے شدت جذبات سے ہانپ رہے تھے۔

"میں کسی کی زندگی کو کنٹرول نہیں کر رہا، نہ ہی مجھے کوئی انقلاب لانا تھا۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ چاند کو گناہ کی طرح دنیا سے نہ چھپا ئیں اسے دنیا کے سامنے فخر اور خوشی سے نہ سہی رسمی طور پر ہی قبول کریں۔ کہ یہ ہمارا اپنا ہے اور یہی آپ سے چاہا میں نے جو آپ سے نہ ہوا، اگر آپ ایسا کرتے تو آج حالات مختلف ہوتے۔ میں نے جو کیا اس کے لیے مجھے کوئی شرمندگی نہیں پھر بھی، آپ کو جو تکلیف میری وجہ سے ہوئی اس کے لیے مجھے افسوس ہے۔ میں آپ لوگوں کی طرح چاند کو اکیلا نہیں چھوڑ سکا۔ میں تھوڑا بے حس ہوتا تو ہم سب کی زندگی آسان ہو جاتی۔"

"یہ غلط فہمی نکال دو ذہن سے کہ تم بے حس نہیں ہو۔ تم نے ایک سال میں جس طرح جگنو کی طرف سے اپنے فرائض سے چشم پوشی اختیار کی ہے۔ جیتے جاگتے وجود کو نظر انداز کیا ہے۔ اس کے بعد بھی تم خود کو احساس مند سمجھتے ہو؟" دونوں باپ بیٹوں نے آج سب حساب بے باک کر دیے تھے۔

"اور کچھ کہنا ہے آپ کو؟" ولی کے پاس بہت سے جوابات تھے مگر اب وہ مزید بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ ماموں۔" بہت دیر سے خاموش تماشائی بنی جگنو بمشکل مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ جس فیصلے کو کرنے کے لیے جگنو اتنے دن سے کشمکش میں مبتلا تھی، وہ کشمکش آج ولی نے ختم کر دی تھی۔ سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں۔

"میں آپ دونوں کی محبت اور خلوص کی مقروض ہوں۔" جگنو، چاند اور ماموں دونوں سے مخاطب تھی۔ "تمہیں میرے لیے کسی کو مجبور کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اب خود کو مزید کسی پر مسلط نہیں کر سکتی۔" جگنو نے کن اکھیوں سے ولی کو دیکھا تھا۔

ولی کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ اسے افسوس تھا جو اس نے جگنو کے لیے کہا۔ وہ اس کی ہتک نہیں کرنا چاہتا تھا مگر کیا کرتا، سچائی کا راستہ اسی کی ذات سے ہو کر گزرتا تھا۔

ابرار احمد نے تاسف سے ولی کی طرف دیکھا تھا جو چپ سادھے بیٹھا ہوا تھا، جیسے جگنو کے جانے سے اس کا کوئی لینا دینا نہ ہو۔

"مجھے معاف کر دو بیٹا، ہم سب کے ہوتے ہوئے تم اس گھر میں ناخوش رہیں۔" ابرار احمد مایوسی سے بولے تھے۔

"اسے چھوڑ آؤ زوہیب۔" ابرار احمد نے زوہیب کو حکم دیا تھا۔

چاند اسے روکنا چاہتا تھا لیکن وہ کس حیثیت سے روکتا۔

"جی دادو۔" زوہیب نے تابعداری سے کہا تھا۔ ولی ہنوز ہاتھ باندھے خاموشی سے بیٹھا تھا۔ جو نہ کرنے والی باتیں وہ سب کے سامنے کہہ چکا تھا۔ اس کے بعد جگنو کو روکنے کا کوئی جواز نہیں بچا تھا۔ روکنا چاہتا بھی تو ابرار احمد کی خواہش اور خیالات سے ٹکرا ئی اس کی انا اور ضد اسے ایسا کرنے نہیں دیتی۔

www.pklibrary.com

چاند اور بابا ساکت بیٹھے ہوئے تھے۔
فضا میں ایک گھمبیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

☆☆☆

صبح کے ٹھیک پونے نو بجے، دھوپ کی تمازت تیز کرنوں کی صورت شہر بھر کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ وانیہ دیئے گئے ایڈریس پر موجود تھی۔ وہ ایک اہم سرکاری ادارے سے منسلک تھی۔ آج ہی اس کا تبادلہ مرکزی شاخ میں ہوا تھا۔ وہ مختلف بھول بھلیوں جیسی راہ داریوں سے ہوتے ہوئے مطلوبہ سیکشن تک پہنچی۔ میٹنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اس نے سب سے پہلے نظر آنے والے چہرے کی جانب خیر مقدمی مسکراہٹ اچھالی۔ وہ اپنے بیٹھنے کے لیے نشست منتخب کرتی آگے بڑھی ہی تھی کہ وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی اور لڑکھڑا گئی۔

کوئی شخص مڑا تھا۔ مڑنے والے اس شخص نے وانیہ کو گرتے دیکھا تو بے ساختہ آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ اور وہ اسے دیکھتے ہی جیسے پلک جھپکنا بھول گئی تھی۔ وہ بھی اسے ایسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سحر زدہ سی خاموشی طاری تھی کہ اسے تھامنے والا شخص، ولی ابرار احمد ہوش میں آیا اور سیدھا ہو کر باقی سب کی طرف گھوم گیا۔ منتشر دھڑکنیں سنبھالتی وانیہ سیدھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی تو کیفے ٹیریا میں اسے دیکھا تھا، وانیہ عرف جگنو اور ولی احمد آٹھ برس بعد روبرو تھے۔

اس نے سر جھٹکا اور مرکزی نشست کی جانب آیا۔ وہ گزشتہ رات ملنے والا ڈوز اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔

"ہائے ایوری باڈی......" ولی نے اپنے مخصوص دھیمے دلکش انداز میں سب کو مخاطب کیا وانیہ نسبتاً سنبھل چکی تھی۔

"آئی ہوپ آل آف یو آر ڈوئنگ ویل۔"

نیم اندھیرے کیبن میں پروجیکٹر کی تیز روشنی نمایاں تھی۔ ولی نے پروجیکشن اسکرین کی طرف رخ کیا اور بہت تفصیل سے سب کو ان کے کام کی بریفنگ دی تھی۔ تمام معلومات سب کے گوش گزار کر کے ولی نے میٹنگ برخاست کی۔ ولی کے چہرے پر پروفیشنل مسکراہٹ تھی۔

سب اٹھ کر جانے لگے تھے کہ ولی نے باہر نکلتی وانیہ کو پکارا۔

"مس وانیہ......!"

وانیہ لحظہ بھر کو وہاں ٹھہری۔ زمانوں سے ساکت دھڑکنیں اتھل پتھل ہوئی تھیں۔ دونوں کا آخری بار سامنا اعجاز علی کے انتقال پر ہوا تھا۔

"کیسی ہو؟" ولی نے نرمی سے پوچھا تھا۔

"پرفیکٹ......" لہجہ مضبوط تھا۔

"کافی بدل گئی ہو۔" ولی نے مسکراتے ہوئے شائستگی سے کہا تھا۔

"جی سر" ایک لفظ کم نہ زیادہ، نپے تلے لب و لہجے میں بات کرتی وانیہ مزید کوئی بات کیے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔

وانیہ کا یہ انداز دیکھ کر ولی کے دل میں جیسے کوئی انی سی پیوست ہوئی تھی۔

ولی اس کے رویے پر غور کرتا سرد آہ بھر کر وہیں میز کے ایک کونے پر ٹک گیا۔ کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری سادہ و سپاٹ چہرہ۔ وانیہ کے ہر انداز میں گہری اداسی پنہاں تھی۔

کیا وانیہ کی اس حالت کا ذمہ دار وہ تھا؟

ولی بے ارادہ ہی اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اپنے کیبن میں آ کر وہ بے دھیانی سے بیٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ ولی اس ادارے میں جاب کرتا ہے۔ جگنو نے یہ محکمہ غیر ارادی طور پر جوائن کیا تھا۔ اور اسے یہ پتا نہیں تھا کہ ان کی راہیں یوں دوبارہ مل جائیں گی۔ وہ ساڑھے چار سال سے اس ادارے میں تھی مگر یہ اتفاق ہی تھا وہ ادارے کی مین شاخ میں ایک ساتھ ٹرانسفر ہوئے تھے۔

اس کے سامنے خود کو تو سنبھال لیا تھا مگر اس شخص کو دیکھ کر دھڑکنیں کہاں قابو میں رہتی تھیں۔ وانیہ کو وہ وقت یاد آیا جب اس کٹھور شخص کے بغیر ایک پل گزارنا بھی اس کے لیے محال ہوا کرتا تھا۔

www.pklibrary.com

آٹھ سال کی طویل جدائی نے بھی ان کی شادی ختم نہیں کی تھی، لاشعوری طور پر وہ منتظر رہتی کہ کب اسے ولی کی طرف سے کوئی خبر ملے۔ اتنے سال اپنے تمام تر اعتماد اور اس کو بھلا دینے کی ہر تاویل خود کو دیتے ہوئے وہ اس پل کے خوف میں مبتلا رہی تھی کہ کہیں وہ شخص ہمیشہ کے لیے کھو نہ جائے۔

اسے آج بھی وہ دن یاد تھا، جس دن وہ پژمردہ سی گھر واپس آئی تھی اور آتے ہی امتیاز علی سے دیوانہ وار لڑی تھی۔

"میں آپ کے لیے اتنی ہی فالتو تھی کہ آپ نے مجھے گھر سے نکالنے کے لیے خود ماموں کے سامنے سوال کیا۔ انہیں اور ان کے بیٹے کو مجبور کیا کہ وہ مجھے قبول کریں۔ آپ کو مجھے بس کسی بھی طرح اپنے گھر سے نکالنا تھا تاکہ آپ اور آپ کے بیوی بچے سکون سے رہ سکیں۔ آپ نے ایسا کیوں کیا کیوں۔" جو ضبط اس نے ولی احمد کے گھر پر قائم رکھا تھا وہ اپنے گھر میں آ کر ٹوٹ گیا تھا۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا۔"

وہ بے تحاشا روئے جا رہی تھی اور امتیاز علی مجرم کی طرح کھڑے تھے۔ جگنو کی مخدوش حالت دیکھنا ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ وہ اپنی ماضی میں ہوئی غفلتوں کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔ ولی ان کی بیوی کا سگا بھتیجا تھا۔ ابرار سے ان کے تعلقات ہمیشہ مثبت رہے تھے۔ انہیں ذرا سا بھی عار محسوس نہیں ہوا تھا خود اپنی بیٹی کا ہاتھ ولی کے ہاتھ میں دینے کے لیے۔ انہوں نے تو اپنی طرف سے سب اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے کیا تھا انہیں خبر نہیں تھی کہ یہ محبت یک طرفہ ہے۔

امتیاز علی کو شکستہ دیکھ کر درخشندہ بیگم میدان میں اتری تھیں۔

"تم ناشکری لڑکی۔ تمہارے ابو نے جان چھڑانے کے لیے نہیں صرف تمہاری خوشی کے لیے یہ سب کیا، تم ولی کو چاہتی تھیں، اس لیے انہوں نے یہ قدم اٹھایا تھا تاکہ تم خوش رہو۔"

"جھوٹ کہہ رہی ہیں آپ، میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا، آپ نے ابو سے کہا تھا کہ جگنو کی شادی کریں۔ میں اسے اب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔" جگنو نے بدتمیزی سے چلا کر کہا تھا۔

"ہاں میں نے کہا تھا لیکن تمہارے ابو نے تمہاری ولی سے شادی کا فیصلہ میری وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کیا تھا کہ تم ولی کو پسند کرتی تھیں۔ تمہاری ڈائری پڑھی تھی انہوں نے۔" درخشندہ بیگم نے اصل بات بتائی تو جگنو کے گم حواس واپس لوٹے تھے۔ اسے اب بھی یقین کہاں آیا تھا۔

"ابو! آپ نے میرے لیے یہ سب کیا؟ میری خوشی کے لیے اور میں یہ سمجھتی رہی کہ آپ نے مجھ سے جان چھڑانے کے لیے ایسا کیا۔ میں آپ سے دل ہی دل میں نفرت کرتی رہی۔" اس کی آواز میں پچھتاوا ہی پچھتاوا تھا۔

"میں بہت بری ہوں بہت۔ مجھے معاف کر دیں ابو!" معافی مانگتے ہوئے وہ ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"مجھے معاف کر دو، شاید میں نے جلد بازی سے کام لیا تھا، مجھے اس وقت کوئی اور حل نظر نہیں آیا تھا، دکھی نہ ہو ہم نئے سرے سے زندگی شروع کریں گے۔" امتیاز علی خود بھی آبدیدہ ہوتے ہوئے اس کو دلاسا دیتے رہے۔

وہ بہت بکھر گئی تھی بے مقصد ٹوٹی ہوئی۔ وہ شخص جسے حاصل کرنا ہی ایک خواب تھا وہ مل بھی گیا تھا اور اس عزیز شخص کا دل کریوں بچھڑ جانا کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

بہت مدت لگی خود کو سنبھالنے میں، اسے کسی چیز نے جوڑا تو وہ امتیاز علی کی بے لوث بے غرض محبت تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ وہ اس سے محبت کرتے تھے۔ ان کے لیے وہ خود کو بدلنے لگی اس نے عزم کیا تھا۔ اس نے بہت سی ایسی باتیں جنہیں وہ لاپرواہی سے ٹال دیا کرتی تھی۔ ان کے بارے میں سوچنا شروع کیا کہ ایک بار عمل تو کر کے دیکھنا چاہیے۔

www.pklibrary.com

سب سے پہلے اس نے اپنے اندر برداشت اور صبر پیدا کیا۔ یہ بہت کٹھن تھا پر اسے کرنا ہی تھا، اب مزید وہ اپنے آپ کو اور گھر والوں کو کسی الجھن میں نہیں ڈالے گی۔ اس نے تہیہ کیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا تعلیمی سلسلہ دوبارہ جوڑا اور مکمل سنجیدگی سے ارتکاز کیا اسے بہت مشکل ہوئی پر وہ کامیاب ہوئی۔

گھر والوں سے مثالی تعلقات نہ سہی پہلے والی لڑائیاں ختم ہو گئیں۔ وہ اپنا ہر کام مکمل ذمہ داری اور ایمان داری سے کرنے لگی تو کتنی الجھنیں خود بخود ختم ہو گئیں۔ چھوٹے بہن بھائی جو اس سے سہمے رہتے تھے۔ اب اس کے دھیمے سبھاؤ سے رفتہ رفتہ اس پر بھروسہ کرنے لگے تھے۔

اس کی زندگی نے ایک اور موڑ لیا جب امتیاز علی کو اچانک ہارٹ اٹیک آیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ وہ اور اس کے چھوٹے بہن بھائی تنہا رہ گئے۔ جگنو اور ارسلان ہی سمجھ دار تھے۔ جگنو کے لیے یہ وقت بہت کڑا تھا۔ وہ تو ہمیشہ سے اکیلی تھی۔ اب اس کے بہن بھائی بھی اسی درد سے گزر رہے تھے جس سے وہ گزر چکی تھی۔ اس نے اپنے بہن بھائیوں کو اپنی شفقت تلے سمیٹ لیا۔

رخشندہ بیگم بدلی ہوئی جگنو کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ جگنو کس طرح اپنی تکلیف بھول کر اپنے بہن بھائیوں کا خیال رکھ رہی ہے۔ جذباتی مسائل اپنی جگہ مالی مسائل نے سر اٹھایا تو جگنو نے رخشندہ بیگم کو کہا کہ ہمارا گھر ہمارے لیے بہت بڑا ہے کیوں نا ہم آدھا گھر کرائے پر اٹھا دیں اس سے ہر ماہ گھر بیٹھے معقول آمدنی کا بندوبست ہو جائے گا۔

رخشندہ بیگم کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے فوراً عمل کیا۔ سچ ہے اگر جگنو ان کے ساتھ مضبوطی سے نہ کھڑی ہوتی تو ان کے لیے یہ غم برداشت کرنا بے حد مشکل ہوتا۔ گھر کرائے پر دینے کے باوجود اخراجات کی کھینچا تانی سی چلتی رہتی۔ جگنو اور ارسلان نے مل کر کچھ آن لائن کورسز کیے اور پھر گھر بیٹھے ایک سیٹ اپ بنایا جس سے کافی بہتر آمدنی شروع ہوئی۔

یہیں سے جگنو کو کمپیوٹر میں دلچسپی پیدا ہوئی اور ڈیٹا اینالاسٹ والی یہ جاب بھی اسی دلچسپی کی وجہ سے تھی۔

وقت پہلے جیسا اچھا نہیں تو برا بھی نہیں رہا تھا۔ جگنو نے حوصلہ نہیں ہارا نہ ہی کسی اور کو ہارنے دیا۔ ہر ماہ رخشندہ بیگم کے ساتھ راشن، بلوں، بچوں کی فیسوں اور دوسرے اخراجات کا حساب کرتی وہ ان کے بہت قریب آ چکی تھی۔ رخشندہ بیگم حیران ہوتیں کہ یہ وہی جگنو ہے جو ہمہ وقت مرنے مارنے پر تیار رہتی تھی اور آج وہ اپنے گھر والوں کے لیے اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال دیا کرتی تھی۔

وہ اتنی فرض شناسی سے اپنے فرائض ادا کر رہی تھی، غیر محسوس طریقے سے وہ گھر میں اپنے والد کی جگہ لے چکی تھی۔ جس طرح اس نے خود کو اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالا تھا وہ قابل ستائش تھا۔ رخشندہ بیگم بھی اب اپنے گزشتہ رویے پر نادم تھیں۔ انہوں نے جگنو سے باقاعدہ اپنی بدسلوکی کی معافی مانگی۔ جگنو اب اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ اس کو یہ باتیں بہت معمولی لگتیں۔ اس نے خندہ پیشانی سے رخشندہ بیگم کو نا صرف معاف کیا بلکہ ماں بیٹی کے ایک نئے تعلق کی ابتدا ہوئی۔

رخشندہ بیگم جگنو کے لیے سگی بیٹیوں کی سی فکر رکھتیں تو جگنو بھی سگی اولاد سے بڑھ کر ان کا مان رکھے ہوئے تھی۔

دنیا میں کتنے لوگوں کو سہارا دینے والا ہاتھ ملا کرتا ہے؟ چاند خوش قسمت تھا، جو اسے سہارے کے لیے ولی ملا تھا۔ ہر شخص کو ہیرا بنانے کے لیے جوہری نہیں ملا کرتے بلکہ کبھی کبھی وقت ہی نادانیوں، غلطیوں، کوتاہیوں سے گزار کر پتھر کو بھی تراش کر ہیرا بنا دیتا ہے۔

جگنو اس بات پر اپنے رب کی شکر گزار تھی کہ اپنی زندگی میں وہ سہارا لینے والی نہیں سہارا دینے والی بنی تھی۔ بہت کچھ کھونے کے بعد زندگی میں ہر چیز اپنے مدار پر واپس آ چکی تھی ماسوائے جگنو ولی اور اس

www.pklibrary.com

کے دل کے۔

☆☆☆

''سر۔''صرف یہ لفظ ہی نہیں جگنو کے ہر ہر انداز میں بیگانگی اور اجنبیت تھی جیسے وہ ولی کو جانتی ہی نہیں تھی۔ جگنو سے ہر دم محبت کا تفاخر سمیٹنے والے ولی کو اس کی بے رخی بہت کھل رہی تھی۔

ولی رات گئے بھی اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا اس نے موبائل سائیڈ پر رکھ کر ایزی چیئر کی پشت سے ٹیک لگالی۔ آنکھیں موندتے ہی اس کے ذہن کے پردے پر وانیہ کا خوب صورت صبیح چہرہ ابھرا......

پچھلے آٹھ برسوں میں وہ اس لڑکی کو ایک پل کے لیے نہیں بھول پایا تھا۔ اس نے جگنو کی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی کیونکہ وہ اسے اپنی مشکل زندگی سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جگنو کے نازک جذبات اس کی مشکل پسندی سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

وہ تھا ہی اتنا پریکٹیکل اس نے اپنی زندگی کے دو سنہری دور بچپن اور جوانی بھی بہت سمجھ داری سے گزارے تھے۔ اسے ایسا لگتا کہ وہ کبھی بچہ تھا ہی نہیں۔ وہ ہمیشہ سے میچور تھا۔ اور اب اپنی بتیس تینتیس سالہ زندگی میں اسے لگتا کہ وہ کوئی چالیس برس کا انسان ہے۔ ولی کو اس کا بچپن یاد آیا تھا۔ آنکھوں میں بے قراری، انداز میں بے چینی لیے وہ ہمیشہ اس کے آس پاس ہوتی۔ وہ سب یاد آتے ہی وہ بے چین ہوگیا۔ اس کا دل کہیں ڈوب گیا۔

تو ولی احمد تم اتنے کنگال تھے کہ کہ تمہارے پاس اسے دینے کے لیے ایک مسکراہٹ تک نہیں تھی؟ وہ تمہیں آئیڈیل سمجھتی تھی یہ جانے بغیر کہ ولی یا کوئی بھی انسان ہر زاویے سے کبھی بھی مکمل نہیں ہوسکتا۔ زندگی وہ پہیلی ہے جسے مکمل بوجھنا کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے اور ولی کو اپنی ناکامی کا اعتراف تھا۔ اپنی اب تک کی زندگی میں ولی سے دو بہت بڑی خطائیں سرزد ہوئی تھیں۔

دو بے حد قریبی لوگوں کے ساتھ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی بہت زیادتی کی تھی۔ ایک اس کی ماں، جن کے پیار کو وہ ہمیشہ پرکھتا رہا۔ اسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ماؤں کو کبھی پرکھنا نہیں چاہیے۔

نجانے انہوں نے کتنی تکلیف سہی ہوگی۔ ولی کا کام صرف ان سے پیار کرنا تھا، ان کی محبت کو پرکھنا نہیں، زندگی کئی بار ماں کو بھی بہت مجبور کر دیتی ہے۔ وہ ماں کے بارے میں جب سوچتا بہت بے بسی محسوس کرتا۔

مگر دوسری انسان...... وہ دوسری انسان جگنو تھی جو اگر کسی چیز کی مستحق تھی تو وہ ولی کا پیار اور ساتھ تھا اور اس تلافی کے لیے اس کے پاس اب بھی وقت تھا۔

ولی نے چاند کو منزل پر پہنچانے کا جو بیڑا اٹھایا تھا وہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا چاند کی زندگی میں بھی بہت سی تبدیلیاں آئی تھیں۔ چاند کلینیکل سائیکولوجی میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد پریکٹس کے ساتھ ساتھ اپنے ہم جیسے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے این جی او بھی چلا رہا تھا۔ اس کی لڑائی فرد واحد کی لڑائی نہیں تھی بلکہ یہ معاشرہ تھا۔ اسے معاشرے کو یہ باور کروانے کے لیے کہ۔

''مرد، عورت کی طرح مخنث بھی اس معاشرے کا حصہ ہیں۔'' ابھی بہت جدوجہد کرنی تھی۔ جس کے لیے وہ مسلسل کوشاں تھا۔ وہ اپنے مقام اور منزل کا تعین کر چکا تھا۔ اب وہ ناصرف خود کو بلکہ دوسرے بے سہارا لوگوں کو سہارا دینے کے قابل ہو چکا تھا۔ اس لیے ولی کو اب لگتا کہ وہ اپنی زندگی کو بے فکر ہو کر شروع کرسکتا ہے۔

☆☆☆

''مجھے آفس میں جگنو ملی تھی۔'' چاند خاموشی سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھا جب ولی نے اسے بتایا۔

نوالہ بناتا چاند کا ہاتھ وہیں ساکت ہوا تھا، ولی کے منہ سے جگنو کا ذکر سن کر چہرے پر تعجب پھیلا تھا۔

''وہ کافی بدل گئی ہے۔'' چاند کو خاموش پا کر ولی

www.pklibrary.com

نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"کیا تمہیں اب پتا چلا؟ ان سب باتوں کو تو عرصہ ہوا۔ میری بات ہوتی رہتی ہے جگنو سے۔" بتاتے ہوئے چاند کے انداز میں بے نیازی تھی۔

"اچھا تم نے بتایا نہیں کبھی۔" بظاہر ولی کا لہجہ سرسری تھا۔

"اصولاً تمہیں مجھ سے زیادہ باخبر ہونا چاہیے اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے بھول تو نہیں گئے ہو؟" ولی سے بات کرتے ہوئے چاند کے لہجے میں خود بخود طنز در آتا۔

"بابا کیسے ہیں؟" ولی نے اس کے طنز نظر انداز کرتے ہوئے بابا کے بارے میں استفسار کیا۔

"کیا بات ہے، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آج تمہیں سب کی بہت یاد آ رہی ہے۔ تم انہیں تو فون کر ہی سکتے ہو۔ یا بابا سے بات کرتے بھی تمہاری انا آڑے آتی ہے؟" چاند میز سے برتن اٹھا کر سنک میں رکھ رہا تھا۔ ولی کو نرم پڑتا دیکھ وہ آج سب کہہ دینا چاہتا تھا۔

"بہت کمزور ہو گئے ہیں زوبیہ بھابھی زوہیب کے پاس گئی ہوئی ہیں۔ کچھ دن میں واپس آ جائیں گی۔ زیان، زبیر بھائی خیال تو رکھتے ہیں لیکن دونوں معروف رہتے ہیں۔ حفصہ بلاتی ہیں اپنے پاس مگر وہ بیٹیوں کے یہاں قیام کو مناسب نہیں سمجھتے۔ انہیں مناسب دیکھ بھال کی ضرورت ہے میں انہیں یہاں لے آتا اگر یہاں۔" چاند پوری تفصیل بتاتے ہوئے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

وہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر جگنو یہاں ہوتی تو بخوشی وہ یہاں رہتے ہمارے پاس۔

"چاند! میں بابا کے پاس جا رہا ہوں ابھی، کیا تم چلو گے؟" ولی بابا کی طبیعت اور اکیلے پن کا سن کر بے چین ہو گیا تھا۔ وہ بہت عرصے سے ان سے نہیں ملا تھا۔

"کھانا تو کھا لو۔" چاند نے اس کی بے قراری دیکھ کر ٹوکا تھا۔

"بس کھا لیا۔" ولی کھڑا ہوا تھا۔ "میں گاڑی نکال رہا ہوں تم آؤ باہر۔" ولی کہتا ہوا باہر نکلا تھا۔

چاند بھی ہاتھ خشک کر اس کے پیچھے لپکا تھا۔

اور بابا یوں بے وقت ولی کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ وہ کتنی مدت سے ولی سے تقریباً قطع تعلق کیے ہوئے تھے۔ خاص موقعوں پر ملنا ہوتا وہ بھی سرسری۔ ولی نے جگنو کے جانے کے بعد ان کی ناراضی محسوس کر لی تھی۔ پر کبھی کچھ کہا نہیں۔ گزشتہ سالوں میں ان کا ملنا بہت محدود ہو گیا تھا۔ ان کی طبیعت بگڑی تو ہسپتال دیکھنے گیا تھا۔ انہوں نے وہاں بھی صحیح طرح بات نہیں کی تھی۔

"راستہ تو نہیں بھول گئے ہو؟" سلام کا جواب دیتے ہوئے بابا نے ولی سے کہا تھا۔ آواز میں اب بھی ناراضی کا اظہار تھا۔

"مجھے معاف کر دیں بابا!" ولی نے قدموں میں بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھاما تھا۔

اپنے مضبوط ترین شخصیت کے مالک، بلند حوصلہ بلند خیال بیٹے کا جھکا ہوا سر ابرار احمد کو اچھا نہیں لگا۔ انہوں نے اسے فوراً سینے سے لگا لیا تھا۔ ولی کو لگا برسوں کی کڑی مسافت کے بعد کسی نے اسے چھاؤں میں لا کھڑا کیا ہو۔ وہ دل کا برا نہیں تھا صرف سب سے مختلف تھا۔ وہ ہمیشہ وہی کرتا تھا جو کرنے کی ضرورت ہوتی۔ بس اس کی مخالف سمت میں چلنے کی عادت نے اسے سب سے دور کر دیا تھا۔ اور ولی سے مل کر ابرار احمد جیسے پھر سے توانا ہو گئے تھے۔ شکستہ وجود میں گویا جان پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

"چاند پالک گرائنڈ کر لی ہے؟ دیکھو گوشت گل گیا ہے تو پالک ڈال کر خوب بھنائی کرو، بھنائی سے ہی پالک اور گوشت یکجان ہوں گے۔" بابا کی فرمائش پر چاند نے پالک گوشت بنایا تھا۔ اور اب چاند بابا کی ہدایتوں پر عمل کر رہا تھا۔

"لاؤ سبزیاں، میں کاٹ کر اسٹیمر سیٹ کروں۔" بابا رات کھانے کے ساتھ ابلی ہوئی سبزیاں بھی لیا

www.pklibrary.com

کرتے تھے۔

"بابا میں کاٹ لیتا ہوں آپ رہنے دیں۔"
چاند نے کھانے میں چمچہ چلاتے ہوئے بابا کو جواب دیا تھا۔

"میں فارغ ہی ہوں مجھے جگنو نے ایک ریسپی بھیجی تھی مکس ویجیٹیبل کی، میں وہ دیکھتا ہوں بہت لذیذ لگ رہی تھی شکل سے۔" بابا نے چاند کو بتایا تھا۔

"مجھے دیکھنے ہسپتال آئی تھی جب سے فون پر رابطہ رکھتی ہے۔ میں نے کئی بار بلایا زبیر کے گھر بلانا چاہا کبھی نہیں آئی، ارسلان کے ہاتھ کھانے بنا کر بھیجتی ہے باقاعدگی سے ہر ہفتے۔"

بابا کے لہجے میں جگنو کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ چاند بابا کو جواب دینے گھوما تو خاموش ہو گیا سامنے ولی کھڑا تھا۔ ولی آگے آیا تو بابا چپ ہو گئے۔ بابا اب چپ چاپ سبزیاں کاٹنے میں مگن ہو گئے تھے۔ جیسے ولی کے سامنے جگنو کا ذکر کرنا ممنوع ہو۔ ولی کو عجیب لگا مگر یہ ساری صورت حال اس کی اپنی پیدا کردہ تھی۔ اس کی وجہ سے ان دونوں کا بھی جگنو سے ملنا جلنا نہیں رہا تھا۔ اس نے بلاوجہ ہی گلا کھنکھارا۔

"لائیں بابا! میں بھی آپ کی مدد کرتا ہوں۔"
ولی نے اسٹینڈ سے دوسری چھری لی اور بابا کے سامنے بیٹھ کر کاٹنے کے لیے ایک گاجر اٹھائی۔

"بابا! آپ کچھ کہہ رہے تھے؟" ولی نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

بابا اور چاند نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا تھا مگر بظاہر دونوں نے چہرے پر سنجیدگی طاری رکھی۔

ہر بات دو ٹوک صاف کرنے والا ان کا انا پرست بیٹا، دل کی باتوں سے کتنا انجان تھا۔ وہ اس کے دل کی بات سمجھ گئے تھے مگر اب ان دونوں نے طے کیا تھا کہ وہ جگنو کو لانے میں اس کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ جگنو صرف اس کی وجہ سے گھر چھوڑ کر گئی تھی تو لانے کی ذمہ داری بھی اسی کی تھی۔

☆☆☆

ولی نے کئی بار اشاروں کنائیوں میں بابا کے سامنے جگنو کا ذکر کیا تھا۔ مگر انہوں نے جیسے سنی ان سنی کر دی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ بابا اس موضوع پر اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ بہت سوچ و بچار کے بعد اس نے جگنو سے خود بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ساحل سمندر پر ولی کی ٹیم کا ایک ان آفیشل لنچ تھا۔ کھانے کے بعد ٹیم کے لوگ الوداعی کلمات ادا کر رہے تھے جب سمیعہ اور احد نے جگنو سے پوچھا تھا۔

"میڈم! آپ ہمارے ساتھ ہی چلیں گی؟"
سمیعہ اور احد نے ہی اسے پک اپ بھی کیا تھا۔

"میں چھوڑ دیتا ہوں۔" اس سے پہلے کہ جگنو کوئی جواب دیتی، ولی نے جواب دیا تھا۔

ان دونوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا وہ دونوں ہاتھ ہلاتے آگے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

گو کہ آفس میں روز سامنا ہونے کی وجہ سے اب ان کے مابین جھجک کچھ کم ہو گئی تھی پھر بھی وہ اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر اس کے سامنے زبان جیسے گنگ سی ہو گئی تھی۔ وہ بغیر کچھ کہے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ کان میں اڑسی ہوئی کچھ آوارہ لٹیں ہوا کے سبب بار بار اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔

پارکنگ تک آنے کے لیے وہ ساحلی پٹی سے گزر رہے تھے۔ جگنو کی نگاہیں کہیں دور افق پر ڈوبتے والی سورج کی اور تھیں۔

ساحل کا ڈوبتا سورج اور اس شخص کا ساتھ کتنی پرانی خواہش تھی۔ جگنو کے دل میں لایعنی سی ہلچل ہوئی تھی۔

"جگنو۔" ساتھ ساتھ چلتا وہ اسے نگاہوں کی گرفت میں لیے ہوا تھا۔ یکدم چلتے چلتے، سامنے آ کر پکارا تھا۔

"میں چلی جاتی۔ آپ نے خوامخواہ زحمت کی۔" اسے سامنے دیکھ کر خود بخود منہ سے نکلا تھا۔

"جگنو! تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں مجھے لگا یہ موقع اچھا ہے۔"

www.pklibrary.com

جگنو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"میں نے تمہیں بہت درد دیے نا ہمیشہ......"
ولی نے تمہید میں وقت ضائع کیے بغیر کہا تھا۔
اور ولی کے منہ سے یہ غیر متوقع بات سن کر جگنو کی آنکھوں میں نمی سی ٹھہر گئی۔ جب درد دینے والا یہ سوال پوچھے تو شاید درد بھی مسکرا اٹھتے ہیں۔ وہ اعلا ظرف لڑکی نم آنکھوں اور مسکراتے لبوں کے ساتھ نفی میں سر ہلانے لگی۔
"نہیں اتنا بھی نہیں میں تو سب بھول چکی ہوں۔" اور ولی اس کی آنکھوں میں بھی نمی تھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ مفقود تھی۔ وہ کیسے مسکراتا؟ ولی نے گہری سانس خارج کی......اب وہ مزید کچھ اور سوچنا نہیں چاہتا تھا۔
اب وہ اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا تھا کسی قیمت پر۔
"تم کچھ نہ کہو۔ میں جانتا ہوں میں نے تمہیں ہمیشہ پریشان کیا ہے، میری زندگی میں واپس آ کر سب حساب کتاب برابر کر دو میں وعدہ کرتا ہوں اف نہیں کروں گا۔ کیا تم مجھے یہ موقع دو گی؟"
سب وہ کیا کہہ رہا تھا۔ جگنو بے یقینی سے ولی کو دیکھ رہی تھی گویا پلکیں جھپکانا بھول گئی ہو۔ ولی کا سوال بہت ہی اچانک اور غیر متوقع تھا۔ یہ اعتراف محبت تھا یا احساس جرم وہ سمجھ نہیں سکی۔
ایک پل کے لیے جگنو کو لگا کہ پوری کائنات اور اس کے دل کی دھڑکن بھی تھم جائے گی۔
اسے اس جنگ کی فتح کا مژدہ سنایا گیا تھا جس کا میدان وہ برسوں پہلے چھوڑ چکی تھی۔
وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شاید احساس جرم، جگنو خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ جگنو نے رکی ہوئی سانسیں بحال کی۔
"آپ کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں، میں بہت آگے آ چکی ہوں۔" جگنو نے کہہ کر نظر جھکائی تھی۔
"تم انکار کر رہی ہو؟" ولی نے اس کو اپنی نگاہوں کی گرفت میں لیتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں......ہاں وہ۔" جگنو کو الجھن نے آن گھیرا تھا۔
"ہاں یا ناں؟" ولی سے دامن بچانا اتنا آسان کہاں تھا۔ جگنو نے چاہا انکار کر دے دل نے عین وقت پر دھوکا دیا۔ زبان پر قفل پڑ گئے تھے۔
ولی نے پھر کوئی سوال نہیں کیا خاموشی کا مطلب ہاں ہوتا ہے۔
چلتے چلتے دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔
"میں تم پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرنا چاہتا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم جو فیصلہ کرو گی میں بخوشی قبول کروں گا۔"
ولی کے دھیمے لہجے میں حلاوت تھی، جگنو باہر آتے جاتے نظارے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

"شان کے لیے لڑکی دیکھی ہے ماہم نے، جگنو تم کس دن فارغ ہو گی تو دیکھنے چلنا ہے۔ ماہم کہہ رہی تھی کہ جگنو سے پوچھ کر دن اور وقت طے کریں۔" توے پر روٹی ڈالتی رخشندہ جگنو سے پوچھ رہی تھیں۔
"کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے۔" کچن میں ہی لگے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا کھاتی جگنو نے اتنی اہم بات سن کر بھی کوئی گرم جوشی نہیں دکھائی تھی انداز سے بھی وہ سست لگ رہی تھی۔ رخشندہ کو تشویش ہوئی۔
"ٹھیک ہوں۔" جگنو نے بشاشت سے جواب دینے کی کوشش کی تھی۔
"جگنو! میں کہہ رہی تھی کہ......" وہ رکیں ان کے انداز میں جھجک تھی۔ "تم بھی کوئی فیصلہ کرو اب تا کہ تمہارے فرض سے بھی سبک دوش ہو سکوں میں۔ ابرار بھائی سے بات کرنے کا سوچا ہے میں نے دو ٹوک بات کروں گی ان سے اور ولی سے۔ اتنے سالوں سے لٹکا کر رکھا ہے۔" وہ پھر توقف دے کر بولی تھیں۔ "مجھے بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" رخشندہ نے آخری روٹی ہاٹ پاٹ میں ڈالی اور اب خود اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

www.pklibrary.com

جگنو انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"ولی ملا تھا مجھے۔" جگنو نے حوصلہ مجتمع کر کے انہیں بتایا تو وہ حیران ہی ہو گئیں۔
"ولی نے مجھ سے جواب مانگا ہے۔ آپ ماموں سے کہہ دیں کہ وہ آگے بڑھ سکتا ہے۔ میں اپنی زندگی میں خوش ہوں۔" جگنو نے نہایت آرام سے انہیں بتایا تھا۔
"ہیں ہیں کیا کہہ رہی ہو؟ کہاں ملا وہ تمہیں؟" جگنو نے انہیں آفس میں ولی کے ہونے کا نہیں بتایا تھا۔
"جہاں تبادلہ ہوا ہے آفس میں وہاں ہوتا ہے وہ سینئر ہے میرا۔" جگنو نے اٹکتے ہوئے بتایا تھا۔
"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ اس نے تم سے ساتھ چلنے کو کہا؟" رخشندہ کے چہرے پر خوشی چھائی تھی۔ لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔ جگنو نے انہیں گھور کر دیکھا۔
"جی اسی نے کہا۔ آپ ماموں سے کہہ دیں، بہت دیر ہو چکی وہ آگے بڑھ سکتا ہے۔" جگنو نے ماں کے جوش کو ہوش میں بدلنے کے لیے اپنی بات دہرائی۔
"تو تم کیا کرو گی؟ طلاق لو گی؟" رخشندہ بیگم کو جگنو کی بات بری لگی تھی۔
طلاق کے نام پر جگنو کا چہرہ متغیر ہوا تھا۔
"نہیں، لیکن مجھے ولی کی ہمدردی نہیں چاہیے۔ میں بہت آگے آ گئی ہوں۔" جگنو نے چہرہ چھپانے کو رخ موڑا تھا کہ دل کی اذیت چہرے سے عیاں تھی۔
"میں تمہیں ہرگز کوئی بے وقوفی کا فیصلہ کرنے نہیں دوں گی جگنو! مانا بہت دیر ہو گئی ہے، پر اتنی بھی نہیں کہ معاملات ٹھیک نہ ہو سکیں پھر ولی نے۔ خود کہا ہے تمہیں تو اب تمہارا اعتراض بلا جواز ہے۔" رخشندہ بیگم تو گویا پہلے سے ٹھان چکی تھیں کہ جگنو کو رخصت کر کے ہی دم لیں گی۔ ان کے لہجے سے صاف عیاں تھا کہ کسی بھی طرح جگنو کو منانا چاہتی تھیں وہ۔
"صاف صاف کہیں تنگ آ گئی ہیں آپ مجھ سے۔" جگنو نے انہیں چھیڑا تھا۔
"یہی سمجھ لو بس اب میں تمہاری ایک نہیں سننے والی بہت من مانی کر لی۔ میں ارسلان سے بھی مشورہ کرتی ہوں اس بارے میں۔"
"امی پلیز آپ ابھی نہ کریں میں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔" جگنو نے عاجزی سے کہا تھا۔
"اور کتنا وقت......؟" ان کا جملہ ادھورا ہی تھا جب ان کا سیل فون بجا۔ ابرار احمد کا فون تھا انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے فون اٹھایا۔
جگنو سانس بھر کر رہ گئی۔ رخشندہ ہاں ہوں، جی بھائی صاحب میں جواب دے رہی تھیں۔ ان کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ کب سے چاہتی تھیں کہ وہ اپنے گھر واپس چلی جائے اور اس کی زندگی پر چھایا جمود ختم ہو جائے۔
"ابرار بھائی! امتیاز علی اپنی زندگی میں یہ شادی کر کے گئے تھے۔ مجھے خود اس نسبت سے یہ رشتہ بہت عزیز ہے۔ مگر میں جگنو کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کروں گی۔ اسے منانا مشکل ہوگا۔"
رخشندہ بیگم نے کہہ کر بات سمیٹی تھی۔ رخشندہ نے کہتے ہوئے جگنو پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔ زندگی نے اچانک یہ کیسا موڑ لیا تھا۔ تمام راستے بند تھے کہ وہ منزل کی سمت سفر کرے۔
"جگنو! ابرار بھائی نہایت عاجزی خلوص سے تمہیں واپس لانے کا کہہ رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے ولی نے خود ان سے بات کی ہے کہ تمہیں واپس لانے کی۔" جگنو چپ چاپ سن رہی تھی۔
"میں نے انہیں تو ٹال دیا ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ تم کوئی مثبت فیصلہ کرو۔ میں تمہیں اپنے گھر میں بستا دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہارے ابو کی بھی یہی خواہش تھی۔ بیٹا! وہ ہوتے تو یہی فیصلہ کرتے۔" رخشندہ بیگم نے جیسے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی۔
رخشندہ نے اسے باپ کا حوالہ دے کر اس کی مشکل آسان کی تھی۔ انہیں پتا تھا انا کے ہاتھوں اس کے لیے فیصلہ لینا مشکل تھا۔

www.pklibrary.com

باپ کا ذکر سنتے ہی دل جیسے مٹھی میں آیا تھا۔
پھر "رخصتی" ایک عمر لگی تھی اسے اپنے گھر میں رچنے بسنے میں اور اب اسے پھر سے ٹھکانا بدلنا ہوگا۔ وہ رخشندہ کے گلے لگ کر بری طرح رو دی تھی۔

☆☆☆

ہفتے بعد ابرار احمد کا فون آیا تو انہوں نے اسے رخصت کرنے کا عندیہ دیا تھا۔

وانیہ کی آنکھیں تحیر سے پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر احساس اجنبی لگ رہا تھا۔ پہلے وہ جس گھر سے جان چھڑایا کرتی تھی آج اس گھر کو چھوڑتے ہوئے وہ ماں کے گلے لگ کر بری طرح رو رہی تھی۔

ایک چھوٹی سی گھریلو تقریب میں ولی باقاعدہ وانیہ کو لینے آیا تھا۔ ولی نے وانیہ کے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔ پتا نہیں وہ خوش تھا یا نہیں؟

آج اتنے برسوں بعد اس گھر میں رونق دیکھ کر ابرار احمد نے اطمینان کا سانس لیا تھا اور سب سے بڑھ کر اپنی بھانجی کو دوبارہ زیادہ مستحکم انداز میں دیکھ کر وہ آج دل سے خوش تھے۔

ولی اور وانیہ دونوں ہی اپنے اپنے سفر میں بہت دور سے لوٹ کر ایک دوسرے کے پاس آئے تھے۔ دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے محبت تھی۔ محبت کو اظہار کے لیے ایک راستہ چاہیے تھا، جسے دونوں کے اندر کی جھجک نے روکا ہوا تھا۔ دونوں نے بیتے سالوں میں خود کو جس طرح ایک خول میں مقید کر رکھا تھا ان کے لیے اس خول سے یکدم باہر نکلنا اتنا آسان نہ تھا۔

شادی کے کئی دن گزرنے کے بعد بھی بابا اور چاند کو لگتا کہ اب بھی ان کے تعلقات معمول پر نہیں تھے۔ حالانکہ ولی بہت کوشش بھی کر رہا تھا کہ کسی طرح جگنو اور ولی کے بیچ کھڑی دیوار کو ختم کر سکے پر ولی کی کوشش کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی سب کو ان دونوں کے بیچ کا فاصلہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

ولی بہت دیر سے کروٹیں بدل رہا تھا مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ نجانے کیوں ایک عجیب سی بے چینی نے اسے گھیر رکھا تھا۔

ولی بیتے سالوں کی بہت سی باتیں جگنو کو بتانا چاہتا تھا۔ اس نے جگنو کو دھیرے سے پکارا۔ جواب نہ پا کر ولی کا ہاتھ بے ساختہ پہلو میں سوئی، جگنو کے ہاتھ پر چلا گیا۔ وہ اس کا ہاتھ پیار سے تھپتھپانے لگا۔

اس نے جگنو کو خود سے قریب کرنا چاہا مگر ولی کی پیش قدمی سے پہلے جگنو نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس سے پیشتر کہ وہ کچھ کہتا، جگنو جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ ولی حیرانی سے یہ سب دیکھتا رہ گیا۔

وہ گھبرا کر سٹنگ میں آ بیٹھی تھی۔ اور اب ولی کے رویے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جگنو کو اب بھی لگ رہا تھا کہ ولی محض احساس جرم مٹانے کو یہ سب کر رہا ہے۔ یہی سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی، بابا اور چاند ناشتہ کر رہے تھے۔ جگنو کو شدید شرمندگی نے آن گھیرا۔

"وہ اصل میں مجھے کچھ کام تھا رات میں۔ ولی ڈسٹرب نہ ہوں اس لیے میں یہاں آ گئی۔"

جگنو نے پہلے سے میز پر دھرے اپنے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود ہی صفائی دی۔

چاند نے سر ہلایا۔ بابا اخبار میں گم رہے۔ جیسے سنا ہی نہ ہو۔

کچھ دیر میں ولی ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھا۔

اور ولی حیران رہ گیا جب بابا اور چاند اس کی موجودگی کو نظر انداز کر کے آپس میں بات کرتے رہے۔

"چاند؟" ولی نے انتظار کے بعد چاند کو پکارا تو اس نے عجیب سی نظر سے ولی کو دیکھا تھا۔

"پتا نہیں کیا کر دیا ہے میں نے اب؟" ولی نے خود کلامی کی تھی۔ پہلے ہی عجیب و غریب صورت حال سے دوچار تھا۔

چاند نے اسے دیکھا پھر اس کی نظریں جگنو کی

www.pklibrary.com

سمت اٹھی تھیں۔ ولی نے چاند کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو وہ بات کی گہرائی سمجھ چکا تھا۔ پتا نہیں بابا اور چاند کیا سمجھ رہے تھے۔ بابا اور چاند کے سامنے مجرم بنا وہ خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔

☆☆☆

جگنو نے آفس سے کچھ دن کی چھٹیاں لے رکھی تھیں۔ وہ آگے چل کر جاب جاری رکھے گی یا نہیں اس کا فیصلہ اس نے آنے والے کل پر اٹھا رکھا تھا۔ فی الحال وہ اپنے گھر اور زندگی پر پوری توجہ مرکوز رکھنا چاہتی تھی کہ یہی اس کے لیے سب سے اہم تھا۔

"ولی! آج کھانے میں کیا پکاؤں؟" صبح والی خفت مٹانے کو جگنو نے بطور خاص بابا کے سامنے ولی کو پکارا تھا۔ وہ بس آفس کے لیے نکلنے کی تیاری میں تھا۔

"بابا اور چاند سے پوچھ لو یا تمہیں جو سمجھ میں آئے بنا لو۔" ولی نے مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"اوہ ہاں مجھے یاد آیا میرے پاس ایک یو ایس بی ہے آپ احد کو دے دیجیے گا۔" جگنو نے بلا ارادہ ہی بات کی تھی۔

"ہاں لے آؤ میں دے دوں گا۔"

بظاہر لاتعلق سے بنے بابا کے کان ان دونوں کی گفتگو کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔

"چلو میں چلتا ہوں اللہ حافظ" مشترکہ سب کو کہتے ہوئے وہ باہر کی جانب نکلا تھا۔

جگنو نے بابا کے سامنے بلاوجہ ولی کو کئی بار آفس کال کی وہ پورا دن باتوں ہی باتوں میں بابا کو یہ باور کرواتی رہی کہ ان دونوں کے درمیان سب ٹھیک ہے۔ سب کے سامنے تو بہانے چل گئے تھے لیکن رات ہوتے ہی ان دونوں کے بیچ کی کشمکش پھر سے سامنے کھڑی تھی۔ ولی اور وانیہ دونوں کمرے میں موجود تھے، جگنو بے انتہا تذبذب کا شکار تھی۔

آج اسے یہیں رہنا چاہیے یا باہر چلے جانا چاہیے؟

وانیہ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ ولی اپنی چیزیں اٹھائے کمرے سے باہر جانے لگا۔ صبح بابا اور چاند کا رویہ ولی کے ساتھ دیکھ چکی تھی وہ جلدی سے گڑبڑا کر اس کے سامنے آئی تھی۔

"نہیں ولی! آپ مت جائیں پلیز۔" وانیہ نے جلدی سے کہا تھا۔ خوب صورت کشتی کشتی گہری آنکھیں، کشتی ہی سلکی گھنے بال۔ ستواں سی ناک جس میں پڑی سونے کی بالی چمک رہی تھی۔ دیکھنے کا انداز بدلا تو ولی نے محسوس کیا وہ واقعی ہی اتنی خوب صورت تھی کہ اس کی نظر اتاری جائے۔

"مجھے جانے دو، میرے ہونے سے تم یہاں کمفرٹ ایبل نہیں ہو۔" ولی نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔" جگنو فوراً بولی وہ ولی کے پیار بھرے نرم رویے سے پریشان ہوئی تھی۔

"تو کیا تم میرے ہونے سے کمفرٹ ایبل ہو؟" ولی نے توقف دے کر کہا۔ ولی کا انداز سنجیدہ جبکہ لہجے میں بے پناہ شرارت تھی۔

"نہیں...... ہاں وہ۔"

جگنو نے کب ولی کو خود سے ایسے بات کرتے دیکھا تھا وہ بری طرح الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔

"ہاں یا ناں......؟ کمفرٹ ایبل ہو یا نہیں ہو؟"

جگنو نے نظریں جھکالی تھیں وہ اب برملا ہر بات کا اظہار کرنے والی جگنو کہاں رہی تھی۔

"اگر کسی بات سے انکار ہو تو جواب دینا چاہیے کیونکہ خاموشی کا مطلب ہاں ہوتا ہے۔" ولی نے سب فاصلے سمیٹتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

ولی کی قربت زندگی بھر کا ساتھ، محبت سے لبریز نرم رویہ، اتنا کچھ مل گیا تھا زندگی سے، شکر کے آنسو اپنے آپ آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔ ولی نے انگلی کی پور سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔ جگنو کو لگا آج پوری کائنات سمٹ کر اس کی پناہوں میں سما گئی ہو۔ محبت میں کی تمام مناجاتیں آج رنگ لائی تھیں۔

☆☆

www.pklibrary.com

سونیا تابانی

سفید موتیوں کی مالا

کبھی کبھی ہوتا ہے کہ راہ چلتے چلتے اچانک کچھ ایسا نظروں کے سامنے آ جاتا ہے کہ انسان پل بھر میں سب بھول جاتا ہے کہ وہ کہاں ہے، کیوں ہے اور کیا کر رہا ہے۔

کئی بار کوئی چھوٹی سی بے جان چیز بھی ہمارا راستہ روک لیتی ہے۔ ہمارا ہاتھ تھام لیتی ہے۔

جیسے کہ عرصے کے بعد ملا کوئی پرانا ساتھی۔ بچپن میں کوئی ہوئی کھوئی انمول چیز، یا پھر ماضی سے جڑی کوئی یاد۔ امشال سحر کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

وہ مری کے مال روڈ کے ایک طرف اس نو، دس سالہ لڑکے کے پاس کھڑی کہیں کھوئی گئی تھی۔ وہ بھول ہی گئی تھی کہ اس کے گھر والے سب گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں۔ وہ مری جیسی خوب صورت جگہ پہ تین دن گزار کر اب واپس جا رہے تھے۔ تو بڑی نند کے کہنے پہ وہ ان کی شال لینے کی خاطر، مال روڈ سے نیچے کی طرف آئی تھی اور اب وہ شال پسند کر کے واپس گاڑی کی طرف جا رہی تھی، جب سڑک کنارے کھڑے لڑکے کے اسٹال پہ اس سفید موتیوں والی مالا نے اسے رکنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ دور کھڑی ان سفید موتیوں کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ لڑکا بیزار سی شکل بنائے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"باجی، تم کو کچھ لینا بھی ہے یا پھر صرف دیکھتی ہی رہو گی؟"

وہ حال میں لوٹی تھی اور پھر فوراً شہریار کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ پیچھے دو دکان میں ہی کھڑا تھا۔ جب وہ شال پسند کر کے نکلی تھی مگر اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے پاس نہ موبائل تھا اور نہ والٹ۔ دونوں وہ اپنے پرس میں چھوڑ آئی تھی جو گاڑی میں رکھا تھا۔ تب ہی اسے شہریار نیچے کی جانب سے آتا نظر آیا۔

مگر چار قدم چل کر ادھر ہی رک گیا اور وہیں سے آوازیں دینے لگا کہ جلدی آؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔ مگر وہ وہیں کھڑی رہی تو اسے ہی آنا پڑا۔

"اب یہاں کیوں کھڑی ہو۔ ہم نے پہلے ہی اتنی دیر کر دی ہے۔ جبکہ صبح صبح نکل جانا چاہیے تھا۔"

"شیری مجھے یہ مالا لینی ہے۔" اور شہریار نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جو سڑک کنارے لگے اسٹال سے مالا لینے کی بات کر رہی تھی۔

"تم پاگل تو نہیں ہو۔ کیا کرو گی یہ بے کار چیزیں ہیں ساری۔"

"شیری! پلیز مجھے صرف یہ سفید موتیوں والی مالا لے دو۔ میرا والٹ گاڑی میں پڑا ہے۔ ورنہ میں اب تک لے چکی ہوتی۔"

"پتا ہے امشال! کبھی کبھی تم بالکل پاگلوں والی حرکت اور بات کرتی ہو۔"

وہ جیسے ہار گیا اور والٹ نکالتے ہوئے اس لڑکے کو مالا اتارنے کو کہا۔ وہ کچھ دوسری مالائیں اتار اتار کر دکھا رہا تھا۔ جب وہ بولی۔

"یہ سفید موتیوں والی دو۔"

شہریار نے جب قیمت پوچھی تو وہ چالاک سا لڑکا مالا ہاتھ میں لیے بولا "صرف ہزار روپے۔" شہریار کا تو حیرت سے منہ کھل گیا۔

"خان! پاگل تو نہیں ہو۔ یہ کیا خود سمندر سے

www.pklibrary.com

نکال کر مالا بنائی ہے۔ سو روپے بھی اس کے زیادہ ہیں۔ رکھو اپنے پاس ہی۔"

"مگر شیری! مجھے ہر حال میں لینی ہے۔ تم دے دو نا میں گاڑی میں جا کر واپس کر دوں گی۔"

لڑکے کو لگا کہ وہ ہر حال میں لے کر جائے گی۔ اور ایسا ہی ہوتا جو اس کے پاس پیسے ہوتے۔ مگر شہریار اس کا ہاتھ تھام کر وہاں سے چل ہی پڑا۔ جب پیچھے سے وہ آوازیں دیتا رہا۔

"اچھا پانچ سو دے دو۔ چلو دو سو میں لے لو۔" شیری نے رک کر صرف اتنا کہا۔



www.pklibrary.com

"اب مفت میں بھی دو تب بھی ہم نہیں لیتے۔"

وہ اس کے ساتھ بے بس سی پیچھے دیکھتی چلتی جا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ کچھ بہت خاص پیچھے رہ گیا ہے۔ کچھ بہت انمول، ہاتھ بھر کی دوری سے پھر اس کے ہاتھوں سے کھو گیا ہے۔

"ارے یہ لڑکے بڑے تیز ہوتے ہیں۔ وہ بے کار چیز تم تو ہزار میں لے لیتیں۔ جو میں نہ روکتا۔ پیسے بڑے مشکل سے کمائے جاتے ہیں۔ یوں بے کار خرچ نہیں کرتے۔" اور امشال سحر کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔

☆☆☆

صرف سات برس پہلے۔

جب ایک شام خالہ نسرین اس کے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ اسے تو جیسے آگ ہی لگ گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خالہ کو ہی سنا ڈالے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی کیونکہ خالہ بھی اسے امی کی طرح پیار کرتی تھیں وہ خالہ سے تو کچھ نہ کہہ سکی۔ مگر یہ ضرور سوچ لیا تھا کہ اب جب بھی گجرات کی اس حویلی جانا ہوا۔ جہاں پہ ساتھ کھیل کر وہ سب بڑے ہوئے تھے۔

تو وہ خالہ کے گھر جا کر اس بدذات عفی کی عقل ضرور ٹھکانے لگائے گی۔ اس کی اتنی ہمت ہو گئی کہ اس نے شادی کا سوچا وہ بھی امشال سحر سے۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر نانا کی حویلی چلی جائے اور اس کی خوب خبر لے مگر رات جب خالہ نسرین کی بات اس کے کانوں میں پڑی تو اس کا غصہ کم ہو گیا۔

خالہ امی سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ تو ہماری بچی کی مرضی پہ ہی بات آگے جانی ہے۔ تم بھائی صاحب سے پہلے اس سے پوچھنا۔ یہ تو میری آرزو تھی۔ میں نے سوچا کہ گھر کی بات ہے۔ میرے عفی کو تو خبر ہی نہیں ہے کہ میں اس لیے آئی ہوں۔ اگر امشال کی مرضی نہ ہوئی تو یہ بات ہم دونوں ادھر ہی دفن کر دیں گے۔"

دروازے کے باہر کھڑی وہ سوچ رہی تھی کہ بات تو دفن ہو چکی ہے خالہ! اب تو صرف مٹی ہی ڈالنا باقی ہے۔ اس نے پہلا کام گجرات سلمٰی کو کال کرنے کا کیا تھا اور ساری کتھا سنا ڈالی تھی۔ دوسرے ہی دن اس کی کزن اور دوست سلمٰی بھی چلی آئی۔ ممانی اور ماموں بھی ساتھ تھے۔

انہوں نے بڑی محبت سے امشال کا رشتہ مانگا تھا۔ امشال کی خوشی دیکھتے ہوئے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ خالہ بھی اسے بچپن سے جانتی تھیں اور اس کا لہجہ بھی خوب سمجھتی تھیں۔ اس لیے چپ چاپ ایک طرف ہو گئیں۔ بیٹے کی خواہش پہ آئی تھیں۔

مگر یہ یہاں آ کر انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ ان سے غلطی ہوئی۔ جب ہی بیٹے کی خواہش کو اپنی آرزو بنا ڈالا۔ مگر بیٹے کی خواہش ادھوری رہ گئی تھی کی وہ وجہ جاننا چاہتی تھیں اور وجہ دوسرے روز ہی ان کو مل گئی۔ جب اپنے بھائی اور بھابھی کو اتنے پھل اور مٹھائی کے ساتھ آتے دیکھا۔ اسی شام رشتہ بھی پکا ہو گیا تھا۔ جب امی نے اس کے سامنے عفی اور شیری کا نام رکھا اور بتایا۔

"باجی کی بھی بڑی خواہش ہے اور اب تمہارے ماموں بھی اسی وجہ سے آئے ہیں۔ میرے لیے تو دونوں برابر ہیں مجھے تو دونوں بچے عزیز ہیں۔ مگر میرے پاس بیٹی ایک ہی ہے۔ تو فیصلہ بھی تم پہ چھوڑا ہے۔ کسی ایک کو تو نہ کرنی ہے۔"

وہ تو فیصلہ بہت پہلے کر چکی تھی۔ کہاں شیری اور کہاں وہ عفی۔ جس نے ابا کی دکان پہ ہی بیٹھنا تھا۔ اور ساری زندگی وہیں پہ گزارنی تھی اس چھوٹے سے گھر میں اور کہاں شیری۔ اتنی بڑی حویلی کا اکیلا مالک۔ مگر پھر بھی کہتا تھا کہ شہر میں اپنے لیے خوب صورت سا گھر بناؤں گا۔ جس کے بڑے بڑے خواب تھے۔ جو خود اپنے زور بازو پہ کچھ کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے وہ دبئی گیا تھا۔

ان دونوں میں فیصلہ کرنا کچھ مشکل تھوڑی تھا۔ پھر اس نے کئی بار شیری کی آنکھوں میں اپنی تصویر دیکھی تھی۔ پھر کیا مقابلہ تھا شیری اور عفی کا۔ جو اگر وہ سامنے بھی جاتی تو فوراً نظریں کیا سر بھی جھکا لیتا تھا۔

☆☆☆

www.pklibrary.com

عجیب بات تھی۔ اس کے پاس سب کچھ تھا۔ بہت اچھا اور بہت بڑا خوب صورت گھر۔ گاڑی پیسہ وہ سب کچھ جو اس کی آرزو تھی۔ مگر اب اس کی خواہشیں بڑی عجیب اور انوکھی ہو چکی تھیں۔ جو پیسے سے پوری نہیں ہو پا رہی تھیں۔

اور شیری اس کی ایسی باتوں کو ہنسی میں اڑا دیتا تھا۔

"تم پاگل ہو۔"

اس کے جانے میں صرف گیارہ روز باقی تھے۔ جب ایک دن امشال نے کہا۔

"میرا جی چاہتا ہے ہم گجرات والی حویلی جائیں۔ باہر بڑے صحن میں بیٹھیں۔ اور ہمارے سامنے اپنے باغ کے مالٹے پرات میں کاٹ کر رکھے ہوں۔ اور ہم سب کالا نمک ڈال کر کھا رہے ہوں۔"

تب بھی وہ مسکرایا اور اسے پاگل کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ مگر اس بار وہ سوچ چکی تھی۔ کہ اس نے حویلی میں باہر صحن میں بیٹھ کر، باغ کے مالٹے ضرور کھانے ہیں۔ اس لیے اس نے ماہ روش کو آگے کیا۔

"پاپا! مجھے دادو کے بڑے گھر جانا ہے۔" وہ فوراً مان گیا۔ یوں آج وہ گجرات کے سفر پہ تھے۔

ممانی بھی ساتھ آئی تھیں ان کو بھی حویلی عزیز تھی۔ مگر شہریار کی ضد کی وجہ سے حویلی کو چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ ماموں کے بعد وہ سب اپنی مرضی سے کرتا تھا۔

حویلی آئے تو حیرت ہوئی اسے علم نہ تھا کہ کچھ عرصے سے خالہ ادھر ہی رہ رہی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے گھر کی نئے سرے سے تزئین و آرائش کروا رہے تھے۔ اسے دکھ ہوا کہ اتنا عرصہ بیت گیا۔

اس نے اس حویلی کا رخ ہی نہ کیا جبکہ نانا، نانی کے بعد وہاں اس کی خالہ کا گھر بھی تھا، مگر نہ جانے کیوں شہریار سے شادی کے بعد اسے کچھ عرصے کے لیے سب کچھ ہی بھول گیا تھا۔ مگر آج جیسے حویلی میں قدم رکھا تو بچپن کی ایک، ایک بات، ایک ایک یاد ہاتھ تھامنے کو بے چین کھڑی تھی خالہ اتنے پیار سے ملیں، کھانا بھی سب اس کی پسند کا بنایا۔ اسے حیرت ہوئی کہ خالہ کو اس کی پسند ابھی تک یاد تھی۔ رات کے لیے بھی خالہ اس کی اور شیری کی پسند سے بنانا چاہتی تھیں۔

"ماہ روش کیا شوق سے کھاتی ہے؟"

"خالہ امی! اس کو تو رہنے ہی دیں۔ وہ باہر کے کھانے شوق سے کھاتی ہے یا پھر پیزا، برگر کھا لیتی ہے۔"

"چلو کل باہر سے لے آئے گا عفی۔ آج پھر گھر کا کھانا ہی کھانا پڑے گا اسے۔"

اور عفی کے نام پہ اسے یاد آیا کہ وہ ابھی تک نظر نہیں آیا۔

"خالہ امی، عفی ہے کہاں؟ ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی اس سے۔"

"وہ بے چارہ بھی کیا کرے۔ اسے ٹائم ہی نہیں ملتا ہے۔ کبھی کبھی تو آدھی رات ہو جاتی ہے اسے گھر آتے آتے۔ صبح پہلے ٹائم اپنے ابا کے ساتھ دکان کو دیکھتا ہے، پھر اپنی بیکری کو دیتا اور گھر بھی چکر لگانا پڑتا ہے کہ مزدور کام ٹھیک سے کر بھی رہے ہیں یا پھر نہیں۔ خیر میں نے فون کر دیا تھا کہہ رہا تھا کہ جلدی آ جاؤں گا۔"

خالہ امی اٹھ کر ممانی کی طرف چل دیں۔ اور وہ اٹھ کر باہر نکل آئی۔ جہاں پہ ماہ رو کھیل رہی تھی۔ ساتھ ہی پیپل کے بڑے سے درخت پہ وہ جھولا ابھی موجود تھا۔ جو ہر وقت آباد رہا کرتا تھا۔ بچوں کا رش لگا رہتا تھا۔

"ماہ روش جھولے پہ آؤ ناں۔"

"نہیں ماما، مجھے ایسے جھولے سے ڈر لگتا ہے۔ گر جاؤں گی۔" اس نے ماہ روش کو کہا تھا۔ وہ اپنا بچپن تلاش کر رہی تھی۔

مگر ماہ روش نے انکار کر دیا تو یوں ہی جھولے کے پاس کافی دیر کھڑی رہی۔ شیری تو جب سے آیا تھا۔ اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلا تھا۔ نہ جانے کیا کر رہا تھا۔

اسے بے خیالی سی تھی کہ سامنے سے آتے اس شخص کو دیکھ ہی نہ سکی۔ جب قریب آ کر اس نے سلام کیا تو جیسے ہوش میں آئی۔ سامنے کھڑا وہ شخص تو بالکل ہی بدل گیا تھا یہ تو اس عفی سے بہت مختلف تھا۔ جس کو وہ جانتی تھی۔

www.pklibrary.com

"کیسی ہو؟ شہریار بھی آیا ہے؟"
وہ پوچھ رہا تھا۔ جبکہ امشال ابھی تک حیران تھی۔
"ہاں شیری آیا ہے ناں، اوپر اپنے کمرے میں ہے۔"
"اور تم کیسی ہو؟"
وہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ اس کا حال بھی پوچھ رہا تھا۔
"ہاں میں بالکل ٹھیک تمہارے سامنے ہوں دیکھ لو۔"
مگر دوسرے ہی لمحے وہ عفان سے عفی بنا اور نظریں جھکا کر یہ کہتا ہوا اندر کی طرف چل پڑا۔
"میں شہریار سے مل لوں۔"
شاید سامنے کھیل رہی ماہ روش اسے نظر ہی نہیں آئی۔

☆☆☆

"انکل کیا یہ اتنا بڑا باغ سچ مچ میں ہمارا ہے؟"
ماہ روش نے کوئی تیسری بار بھی یہی سوال پوچھا تھا۔ جبکہ باغ پہلے جیسا رہا بھی نہ تھا، بہت سارے درخت سوکھ گئے تھے۔ ہاں امرود اور مالٹے کے درخت موجود تھے۔
"شیری مجھے حویلی میں بیٹھ کر اپنے باغ کے مالٹے بھی کھانے تھے۔"
جب وہ باغ سے نکلنے لگے تھے۔ تب ہی اسے خیال آیا۔
"تو بی بی کچھ ٹائم پہلے آنا تھا ناں۔ نظر نہیں آ رہا ہے کہ مالٹے ختم ہو چکے ہیں۔"
شہریار نے مسکرا کر کہا۔ امشال نے بے اختیار درختوں کی طرف دیکھا۔ جو سچ مچ خالی ہی تھے۔ کسی کسی پہ ایک۔ دو مالٹے نظر آ رہے تھے۔
"وہ سامنے دیکھو۔ چار مالٹے لگے ہیں۔ دور ہیں شاید اسی لیے بچوں سے بچ گئے۔ یا پھر ان پہ میرا نام لکھا تھا۔"

"پاگل ہو گیا؟ اتنی اونچی جگہ پہ لگے ہیں۔ پھر اوپر سے مالٹے کے کانٹے یہاں پہ لگتے ہیں تین روز درد ہی نہیں جاتا۔ اس لیے مجھے معاف کرو۔ بازار سے آ جائیں گے مالٹے تم حویلی میں بیٹھ کر کھا لینا۔"
شہریار نے بات ہی ختم کر دی۔ "مجھے یہی کھانے ہیں تم۔"
ابھی بات اس کے منہ میں تھی۔ جب وہ ذرا غصے سے بولا تھا۔
"حد ہوتی ہے امشال، تم بچوں جیسی باتیں کیوں کرتی ہو۔ چپ چاپ گھر چلو۔" امشال کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ ہمیشہ ایسا کیوں کرتا تھا؟
"تم یہ میری چادر اور چشمہ پکڑو۔ میں مالٹے اتار کر لاتا ہوں۔"
جب وہ مڑنے لگی تو عفی نے اپنی چادر اور چشمہ اتار کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ اور پھر نہ اسے وہ مالٹے دور نظر آئے اور نہ کانٹوں کا درد محسوس ہوا۔ پانچ منٹ میں وہ چھ سات مالٹے اتار کر نیچے اترا۔ تو ہاتھوں اور چہرے پہ کافی جگہ کانٹے لگ چکے تھے۔ مگر پرسکون سا اس کے ہاتھوں سے چادر اور چشمہ لیتا ہوا آگے چل پڑا۔
وہ بے جان سے ہاتھوں میں مالٹے کا شاپر تھامے پیچھے تھی، شہری تو پہلے ہی فون پہ بات کرتے ہوئے باغ سے نکل گیا تھا۔ وہ عفی کے پیچھے پیچھے ماہ روش کا ہاتھ تھامے چل رہی تھی۔ اور وہ ماہ روش سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہا تھا۔ جبکہ جانے پہچانے راستے جیسے امشال کا دامن تھام کر اس کا حال پوچھ رہے تھے۔
"تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں، ماہ روش گڑیا! وہ سامنے بڑا سا بیری کا درخت کا دیکھ رہی ہو؟ اس پہ پریاں رہتی ہیں۔" اور امشال سحر کا سانس رک گیا۔ پاؤں زمین نے پکڑ لیے۔
"کیا سچ مچ کی پریاں رہتی ہیں انکل؟"
"ہاں بالکل ہمیں ہماری نانی نے بتایا تھا۔ بے شک اپنی ماما سے پوچھ لو۔" اب وہ امشال کی طرف

www.pklibrary.com

دیکھ رہی تھی، جس نے صرف سر ہلا دیا۔

''اور اس سے بھی زیادہ مزے کی بات یہ ہے کہ پریوں کو جو بچی پسند آ جاتی ہے۔ وہ اسے گفٹ میں سفید موتیوں کی مالا دیتی ہیں۔ وہاں اوپر رکھ دیتی ہیں۔ پھر وہ مالا اس بچی کو نظر آتی ہے۔ تو وہ اتار لیتی ہے۔''

''مگر انکل بچی کیسے اتارے گی۔ میں تو نہیں اتار سکتی ہوں۔''

''ہاں پھر کوئی شہزادا آتا ہے اور وہ اوپر جا کر اتار لاتا ہے۔ پھر اس بچی کو دے دیتا ہے۔

ابھی پریاں تم کو دیکھ رہی ہیں۔ اگر تم ان کو پسند آ گئیں تو کیا پتا تم کو بھی دے دیں۔''

ماہ روش مالا کے چکر میں بڑی خوب صورت مسکراہٹ سجائے درخت کو دیکھ رہی تھی۔

امشال سحر کے کانوں میں آوازیں آ رہی تھیں کہیں دور سے۔

''تم پاگل ہو۔ اس درخت پہ سایہ ہے۔ نہ بابا میں نے مرنا تھوڑی ہے، جو وہ موتیوں کا ہار اتار کر لاؤں۔''

نانی کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔ اس درخت پہ کانٹے بھی بہت تھے۔ ''مشی تم دودھ کی بالٹی پکڑو۔ میں اتار کر لاتا ہوں۔''

اور دو منٹ بعد وہ سفید موتیوں کی مالا اس کے ہاتھوں میں تھی، جس کو بل دے کر گلے ڈالا تو خود کو سچ مچ رانی سمجھا تھا۔ مگر رات کو ہی نانی اماں نے اس کے سونے کے بعد وہ مالا غائب کر دی۔ اور صبح کہا کہ پریاں لے گئیں۔

''انکل! اگر مجھے مالا نظر آئی تو آپ میرے لیے اتار لاؤ گے۔'' ماہ روش پوچھ رہی تھی تو وہ مسکرا کر رہ گیا۔

''میں کوئی شہزادہ تو نہیں ہوں۔'' ماہ روش کا چہرہ اتر گیا۔ وہ آگے آئی۔ پھر بولی۔

''ماہ روش! میرے لیے بھی ایک شہزادے نے مالا اتاری تھی۔ میں مالا میں کھو گئی اور شہزادے کو پہچان ہی نہ سکی پھر مالا بھی مجھ سے کھو گئی اور شہزادہ بھی چپ چاپ کہیں چھپ گیا۔ اور آج اتنے برسوں کے بعد موتیوں کی مالا کے درخت کے نیچے وہ مجھے ملا۔ میرے ہاتھوں میں نہ مالا ہے اور نہ ہی شہزادے کو کچھ کہنے کا حق۔''

میرے پاس تو کچھ بھی نہ رہا۔ ماہ روش! دیکھو میرے ہاتھ خالی ہیں۔''

وہ پتا نہیں بے خیالی میں کیا کیا کہہ رہی تھی لیکن اس کے لب خاموش تھے وہ ان دونوں کے قریب چلی آئی تھی۔

''چلو ماہ روش! گھر چلتے ہیں۔ اس درخت پہ سایہ ہے وہ ہم سے ہمارا کچھ نہ کچھ چھین لیتا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ پھر خاموش ہو گئی لیکن پھر بھی اندر سرگوشی سی ابھری تھی۔

''جیسے کہ میرا مان اور بھرم آج چھین لیا اس نے۔''

وہ بیٹی کا ہاتھ تھامے چل پڑی اور وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ اس کے قدموں میں مالٹوں والا شاپر پڑا تھا۔

تو یہ رہی حاصل اور لاحاصل کی کہانی۔

برسوں پہلے بھی وہ پاگل تھی۔ اور شیری کو کانٹے سے درد ہوتا تھا اور آج بھی وہ پاگل تھی اور شیری کو مالٹے کے کانٹے سے ڈر لگتا تھا۔ تب بھی اس نے مالا اتار کر دی تھی اور آج مالٹے بھی، اس نے مڑ کر دیکھا وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا اکیلا۔ وہ کافی دور نکل آئی تھی، واپسی ناممکن تھی۔

ہاں اس بار گجرات میں نانا ابو کی حویلی سے جاتے ہوئے ـــــ اس کا ہم سفر پچھتاوا تھا عمر بھر کا پچھتاوا۔

☆☆

www.pklibrary.com

صوفیہ بٹ

احد

کچھ احد کے بارے میں

ہماری قارئین کے ذہنوں میں احد کے بارے میں بہت سے سوالات اٹھ رہے ہیں۔

کہانی اس موڑ پر تھی کہ احتل کسی طور پر ہندو دھرم کو نہیں مانتی تو گائتری دیوی اسے آزاد کردیتی ہیں کہ تم جہاں جانا چاہو جا سکتی ہو۔ اسود اس سے کہتا ہے کہ تم مجھ سے شادی کرو گی۔ اسود سے شادی کے لیے ہامی بھر لیتی ہے۔

یہاں کہانی کے پہلے حصہ کا اختتام ہوتا ہے۔ نیا باب شروع ہوجاتا ہے جس کا عنوان ہے۔

وفا ہے کہ جفا ہے

جس رات احتل اپنا گھر چھوڑتی ہے۔ یہ اس سے ڈیڑھ سال آگے کی کہانی ہے۔ اس میں کچھ نئے کردار بھی ہیں اور کچھ پرانے بھی ہیں لیکن ابھی آپ انہیں پہچان نہیں پائیں گے۔ لیکن آخری باب میں یہ سب کردار واضح ہوجائیں گے اور ان سے احتل کا تعلق بھی......اور احتل کی کہانی بھی وہیں سے شروع ہوگی جہاں پہلے حصہ کا اختتام ہوا تھا۔

سولہویں قسط

عباس سندھی بھنگڑے کے اسٹیپس لینے لگا تو ہر طرف واہ واہ مچ گئی۔ وائٹ شرٹ، بلو جینز اور کندھوں پہ اجرک۔ اس حلیے میں وہ بڑا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ پھر خولہ کا ماموں زاد بھی اس کے ساتھ شروع ہوگیا۔

''تو آپ ہمیں چھپ چھپ کر دیکھ رہی تھیں۔''

سب کا دھیان عباس اور فیضان کی طرف تھا جب ضامن مصطفیٰ نے تھوڑا اس کی طرف جھک کر اسے چھیڑا۔

اس کا چہرہ دھنک رنگی ہوگیا۔ جواب کیا دیتی، مسکراتی رہی۔

اس سے پہلے کہ وہ اسے مزید تنگ کرتے، زید کارڈلیس لیے ان کے پاس آیا۔

''آپ کے گھر سے فون ہے۔''

ضامن مصطفیٰ نے زید کے ہاتھ سے کارڈلیس لیا اور نسبتاً خاموش گوشے میں جا کے بات کرنے لگے۔ واپس آئے تو بہت خوش لگ رہے تھے۔

''خولہ! مجھے جانا ہوگا میری بہت خاص مہمان آئی ہیں۔''

اس کا دل تو نہیں چاہا کہ وہ ابھی جائیں پھر بھی مسکرا کر سر ہلایا۔ باقی سب یہ جان کر کہ دولہا والے

www.pklibrary.com

واپس جا رہے ہیں، چیخ اٹھے۔

"بھاؤ! ابھی رک جائیں ناں کچھ دیر اور۔" مُرک کا بھی جی نہیں چاہ رہا تھا ابھی سے جانے کو۔

"میں اکیلا جا رہا ہوں۔ آپ لوگ بعد میں آجانا۔" انہوں نے کہا اور پروفیسر زید ابصار سے اجازت لینے کے لیے ان کی طرف گئے۔

"کون مہمان آیا ہے؟" مصطفیٰ امین نے بیٹے کے چمکتے چہرے کو دیکھ کر پوچھا مگر انہوں نے باپ کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

انہوں نے مڑ کر ایک نگاہ ہنستی مسکراتی خولہ پہ ڈالی اور گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

مکمل ناول



www.pklibrary.com

ماما بابا کے ساتھ ساتھ وہ کچھ اور چیزوں کو بھی اپنی آئندہ آنے والی زندگی میں بہت مس کرنے والی تھی۔ ان میں سے ایک یہ بیل تھی۔ سفید و گلابی پھولوں سے ڈھکی، مہکی مہکی سی۔

ان پھولوں کو ملائمت سے چھوتے ہوئے وہ اداس ہونے لگی۔ آج کل وہ دو کیفیات میں گھری ہوئی تھی۔

بہت خوش اور بہت اداس۔

جس گھڑی اداسی غالب آتی، اس کے مسکراتے چہرے پہ بھی سیاہ آنکھیں بھیگ اٹھتیں اور جس پل خوشی اداسی سے زیادہ اثر دکھاتی، وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا اٹھتی۔

تازہ ہوا کے جھونکے نے پھولوں سے چرا کر خوشبوئیں اس پہ نچھاور کیں۔ پلکوں پہ چمکتے موتی اپنی انگلی کی پور پہ سجاتے ہوئے اس نے سوچا۔

''پتا نہیں، اُس گھر میں یہ بیل ہوگی یا نہیں۔ اگر نہ ہوئی تو میں ضامن سے کہہ کر لگوالوں گی۔''

''تم سوئی نہیں ابھی تک۔'' وردہ آنکھیں ملتی ہوئی آئی۔ ''چاندنی رات میں تم جس کے تصور سے باتیں کر رہی ہو وہ تمہارے خوابوں میں بھی آجائے گا۔ فکر مت کرو۔ نیند پوری ہونے سے صبح فریش بھی لگو گی۔ اس لیے سو جاؤ۔''

اس نے مسکراتے ہوئے تابعداری سے سر ہلایا تو وردہ جمائیاں لیتی ہوئی واش روم چلی گئی۔

اس نے کمرے میں جاتے ہوئے ایک بار پھر ہر شے پر محبت بھری نگاہ ڈالی۔ کل اس نے چلے جانا تھا اور یہ لان میں لگے پودے، ان پہ کھلے پھول، گیٹ، دیواریں، یہ ٹیرس سب یہیں رہ جانا تھا۔ ہاں یہ بدلیوں سے جھانکتا چاند اس کے سنگ جاتا۔

''شکر ہے اے چاند! تم وہاں بھی میرے ساتھ ہو گے۔ کل میں تمہیں اپنے ضامن کے سنگ دیکھوں گی۔ تم بھی ہمیں دیکھنا۔ پر دیکھو۔ جلنا مت ہم سے۔ سمجھے۔'' وہ دیوانی مدھم سروں میں ہنستے ہوئے کمرے میں آئی۔

بیڈ پر آ کر لیٹی تو حسب عادت ایک نظر موبائل پہ ڈالنی چاہی، وہ تو بند تھا۔ صاحبہ جب سے یہ موبائل ماما کے کمرے سے اٹھا کر اسے پکڑا کر گئی تھی، تب سے اس نے اسے یونہی بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ اب سوچ آن کیا تو چوبیس میسجز تھے اور مسڈ کالز نوٹیفکیشن میں ضامن مصطفیٰ کی گیارہ کالز تھیں۔

''اف۔'' اس نے اپنے ماتھے پہ ہاتھ مارا اور جلدی سے ان باکس کھولا۔ ان ریڈ میسجز پہ نگاہ ڈالی۔ ضامن مصطفیٰ کا ایک میسج بھی تھا۔ اس نے جلدی سے کھولا۔

''دل نہیں چاہ رہا تھا تمہیں وہیں چھوڑ کر آنے کو۔ خیر دل کو بہلا رکھا ہے۔ ایک رات کی بات ہے۔ پھر نہ ہمیں آپ کے بغیر اکیلے واپس آنا پڑے گا نہ ہی آپ کو ہمیں چھپ چھپ کر دیکھنا پڑے گا۔''

''توبہ ہے۔'' وہ نچلے لب کا کونہ دانتوں میں دبائے مسکرائی۔

ضامن نے اس کی چوری جو پکڑ لی تھی۔ اب لگتا تھا کہ اسے چھوڑنے والے نہیں۔

''یہ کس کا میسج پڑھ کر اتنا شرمایا جا رہا ہے، مسکرایا جا رہا ہے۔'' وردہ واش روم سے نکلی تو بغور دیکھ کر پوچھا۔

''کس کا ہو سکتا ہے؟'' خولہ نے شوخی سے اسی سے سوال کیا تو وہ ہنس دی۔

''قسم سے خولہ! مجھے کیا ہم کزنز میں سے کسی کو بھی نہیں لگتا تھا کہ خولہ کو کسی سے یوں محبت ہو سکتی ہے۔'' وردہ نے بیڈ پر لیٹ کر اس کی طرف کروٹ لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی نہیں لگتا تھا۔'' وہ مسکرائی۔

''ویسے کافی مغرور سا بندہ لگ رہا تھا تمہارا ضامن مصطفیٰ۔''

''اچھا۔ مجھے تو نہیں لگتے۔'' وہ مسکرائی۔

''ظاہر ہے تمہیں کیوں لگیں گے۔ ہاں اس کا

www.pklibrary.com

بھائی اچھا تھا۔ ہنس مکھ، نرم خو۔ زندہ دل۔"

"بس۔ بس یہ تم نے عباس کو کچھ زیادہ ہی غور سے نہیں دیکھ لیا؟"

"ہاں۔ تو اسی کو دیکھنا تھا۔ تمہارے مغرور ہیرو کو غور سے دیکھ کر میں نے کیا کرنا تھا۔"

"مغرور نہیں ہیں ضامن۔ بس ذرا ریزرو رہتے ہیں۔"

"تم سے بھی؟"

وہ مسکرا دی۔ اس کے لیے تو ضامن مصطفی کی شخصیت کا ایک الگ ہی رنگ تھا۔ جس پہ بقول ان کے صرف اس ہی کا حق تھا۔

"بس بس۔ تمہارے مکھ کی لالیاں اور مسکراہٹیں دیکھ کر ہی جواب مل گیا ہے۔" وردہ نے چھیڑا تو وہ ہنس دی۔

اس پل اس کا موبائل گنگنایا۔ یہ رنگ ٹون تو اس نے ضامن کے لیے سیٹ کی ہوئی تھی۔ اس نے حیرت سے گھڑیال پہ نظر ڈالتے ہوئے موبائل اٹھایا۔

"ضامن بھائی کا ہے؟"

"ہوں۔" اس نے سر ہلا کر جواب دیا۔ وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

"صبح کے ساڑھے تین بجے بھی انہیں چین نہیں۔ اب تو مجھے مکمل جواب مل گیا۔ موصوف تمہارے لیے کیا مزاج رکھتے ہیں۔"

وردہ کی بات پہ ہنستے ہوئے اس نے کال اٹینڈ کی۔

"مجھے سونے دو۔ جا کر ٹیرس پہ باتیں کرو۔" وردہ نے چادر اوڑھتے ہوئے حکم دیا تو وہ تابعداری سے سر ہلاتے ہوئے ٹیرس پہ آ گئی۔

پھر تیرہویں کے چاند نے فجر کی پہلی اذان تک اس مہ جبیں کو تکا تھا۔ جس کے رخساروں پہ سرخ گلاب کھلے تھے، جس کی آنکھوں میں گگن کے سارے تارے بھرے تھے اور جس کی ہنسی نغمے سناتی تھی۔

☆☆☆

آئینہ اس کا وہ روپ دکھا رہا تھا جس میں وہ خود بھی اپنے آپ کو پہچان نہ پا رہی تھی۔ زیادہ تر سادہ سے حلیے میں رہنے والی خولہ بنت زید آج اس بھاری کامدار جوڑے اور سونے کے زیورات پہن کر، ماہر مشاطہ کے ہاتھوں سے سج بن کر دلہن کے روپ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔

"ضامن بھائی کی خیر نہیں آج۔" وردہ نے دل تھاما۔ وہ مسکرا دی۔

"تمہارا برائیڈل ڈریس، تمہاری جیولری تمہارے جوتے، تمہارا میک اپ سب کچھ پرفیکٹ۔ سب کچھ شاندار۔ لیکن جانتی ہو وہ کیا شے ہے جو تمہیں اتنا حسین بنا رہی ہے؟" بیوٹیشن بیلا نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا اور اس کو نظر بھر کر دیکھنے سے بھی احتراز کیا مبادا اس کی نظر نہ لگ جائے۔

خولہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اچھا اور من پسند ہم سفر پا لینے کا احساس۔" سر جھکا کر اپنے کنگن سے کھیلتی خولہ بنت زید کے لبوں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

خولہ کی آج تک بیلا سے زیادہ بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ جس پارلر ہیئر کٹنگ کے لیے جاتی تھی، بیلا اسی پارلر میں دلہنیں تیار کرتی تھی۔ اپنے کام میں مگن رہنے والی بیلا اتنی گہری بات بھی کر سکتی ہے، اس کا اندازہ اسے آج ہوا تھا۔

بیلا نے قریب آ کر اس کا جھومر ٹھیک کیا۔

"ایسے ہی مسکراتی رہو ہمیشہ۔"

"جزاک اللہ۔ آپ کھانا کھا جایے گا۔"

"بہت شکریہ۔ آپ کی دعوت ضرور قبول کرتی مگر کیا ہے کہ مجھے ایک اور برائیڈ تیار کرنی ہے۔ بس میں نکلتی ہوں۔"

بارات آ گئی تھی۔ وردہ بھاگ کر باہر چلی گئی۔

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ مسکراہٹ کی

www.pklibrary.com

جگہ اب کچھ گھبراہٹ نے لے لی تھی۔ یہ وہ گھبراہٹ تھی جو ہر لڑکی اس وقت پہ محسوس کرتی ہے۔ نئے رشتے میں بندھتے وقت اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ ہوتی ہے، لب پھڑپھڑاتے ہیں اور بھیگتی آنکھیں سپنے بننے میں لگی ہوتی ہیں۔

کچھ دیر بعد بابا اندر داخل ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پیپرز تھے۔ اس کا دل رکا اور پھر تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا، ہاتھوں میں کپکپاہٹ اتر آئی۔ اس نے دیکھا بابا کے ہاتھوں میں بھی کپکپاہٹ ہے۔

کیا باپ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ کسی اور کا نام جوڑتے ہوئے اسی کیفیت سے گزرتا ہے؟

وہ سوچ رہی تھی۔

"خولہ!" اس کے باپ کی آواز بھی مرتعش تھی۔

اس کے باپ کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔

وہ ان کے قریب چلی آئی۔ اور مسکرانے کی کوشش کی۔ وہ ان کا ہاتھ تھام کر انہیں حوصلہ دینا چاہتی تھی۔

وہ کون سا بہت دور جا رہی تھی، یہیں اسی شہر میں تو تھی۔ روز ان سے ملنے آجایا کرے گی۔

"خولہ!"

بابا نے اس کی طرف دیکھا۔ کیا تھا ان کی آنکھوں میں، کیا تھا ان کے لہجے میں کہ خولہ کو ایک دم خوف سا محسوس ہوا۔

نہیں۔ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ اسے ہی کوئی وہم ہوا ہے۔ بابا کی آنکھوں میں صرف اس کو وداع کرنے کا سوچ کر نمی ہے۔ بابا کا لہجہ اس سے بچھڑنے پہ مرتعش ہوا جاتا ہے۔

"خولہ۔"

اور پھر ان کے منہ سے جو الفاظ نکلے تھے وہ... وہ قیامت تھے۔ اسے وہم نہیں ہوا تھا۔ واقعی قیامت آئی تھی۔

دلہن بنی خولہ بنت زید نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

"وہ کہتا ہے نکاح نامے پہ سائن کرنے سے پہلے اس پیپر پہ سائن کرو۔ ورنہ۔ ورنہ۔" ایک باپ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل

چلمن

نادرہ خاتون

بزدلی

نسیم سحر قریشی

دست کوزہ گر

فوزیہ یاسمین

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.pklibrary.com

پہ یہ کیسا وقت آیا تھا کہ لفظوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

"ورنہ کیا بابا۔" وہ اپنا پلو سنبھالتی باپ کی طرف بڑھی۔اس کی چوڑیاں بج اٹھیں،شاید کوئی گیت گا رہی تھیں۔

"ورنہ وہ بارات واپس لے جائے گا۔"

اسے آج پتا چلا تھا کہ سر پہ آسمان گرنا کسے کہتے ہیں۔آج شاید وہ کچھ کچھ اندازہ لگا سکتی تھی کہ صور اسرافیل کیسا ہوگا۔

پروفیسر زید البصار جن کی سب سے بڑی متاع سب سے بڑی دولت ان کی عزت تھی۔رشتہ دار، دوست احباب،شاگرد،قاری ان کی عزت کرتے تھے،محلے داران سے جھک کر ملتے تھے۔وہ آج جھکی نظروں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے تھے۔

مر کیوں نہ گئی وہ یہ دن چڑھنے سے پہلے۔

اپنی وجہ سے اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر اس نے سوچا۔

"خولہ۔خولہ۔ضامن بھائی اتنے غضب کے لگ۔" وردہ کمرے میں داخل ہوئی تھی اور جوش میں بتاتے بتاتے تایا کو سامنے پا کر زبان دانتوں تلے دبالی۔

"نکاح ہو رہا ہے۔" اس نے پیپرز دیکھ کر اندازہ لگایا۔

"ماتم ہو رہا ہے۔" خولہ نے سوچتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔ایسی ہی ایک کوشش اس کے باپ نے بھی کی تھی۔

"گواہ کہاں ہیں؟" وردہ نے کمرے میں نظر دوڑائی۔صورتحال سمجھ میں نہ آئی تو بہتر جانا کہ کمرے سے نکل جائے۔

باپ بیٹی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور نظر چرالی۔

"خولہ!تم مجبور نہیں ہو،بااختیار ہو۔"

اس وقت خولہ کے دل نے کسی کی طرح زمین کے شق ہونے کی خواہش کی تا کہ وہ اس میں سما جائی۔اس کے باپ نے "میں نہ کہتا تھا" جیسا کچھ نہ جتایا تھا۔اس نے "بھگتو اب" کہہ کر اس کے سر پہ سے ہاتھ نہ اٹھایا تھا۔

گھومتے سر اور خالی آنکھوں کے ساتھ اس نے باپ کے دیے گئے اختیار پہ غور کرنا چاہا مگر سر نفی میں ہلا۔

پروفیسر زید البصار کی بیٹی کی بارات واپس چلی گئی تو ان کے سامنے جھکی نگاہیں ان پہ اٹھنے لگیں گی۔لوگ ان کی ہنسی اڑانے لگیں گے۔لوگوں کی زبانیں نشتر بن جائیں گی۔موت اپنے وقت پہ آئے گی اور زندگی حرام ہو جائے گی۔

وہ یہ نہیں دیکھ سکتی تھی کہ اس کا بوڑھا ہوتا باپ اپنی باقی ماندہ زندگی اتنی اذیت میں گزارے،نہیں۔ہرگز نہیں۔اور یوں پروفیسر زید البصار کی بیٹی نکاح نامے سے پہلے ایک معاہدے پہ دستخط کرنے کے لیے جھکی۔اس کی چوڑیاں بج اٹھی تھیں۔شاید کوئی گیت گا رہی تھیں،نہیں شاید کوئی نوحہ پڑھ رہی تھیں۔

جب اسے ضامن مصطفیٰ کے ساتھ لا کر بٹھایا گیا،ہر نگاہ میں ستائش جھلملائی ہر زبان پہ تعریف اتری۔

سب اسے بتا رہے تھے کہ ضامن مصطفیٰ دولہا بن کر بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ کاش جو نگاہ ان پہ سے ہٹتی نہ تھی، آج ان پہ اٹھی نہ تھی۔جھکی نظروں کے ساتھ ان کے پہلو میں آ بیٹھی۔دل میں کوئی ہلچل ہوئی نہ لب آپ ہی آپ مسکرا اٹھے۔جو کچھ بھی تھا، دکھاوا ہی تھا۔

"لگتا ہے ایک خوبصورت اتفاق اور ہونے والا ہے۔"

مسکراہٹ میں لپٹی ایک سرگوشی سی۔

پتھر بن کر بیٹھی بیٹھی خولہ بنت زید کو آج سمجھ میں آ رہا تھا کہ بے وقوف کیسے بنایا جاتا ہے اور بے وقوف کیسے بنا جاتا ہے۔وہ سارے حسین اتفاقات۔

"واہ ضامن مصطفیٰ۔تم تو بڑے اداکار نکلے۔میں خولہ بنت زید جو آج تک اپنے آپ کو بڑا سمجھدار، بندہ شناس سمجھتی رہی،گھنٹہ بھر پہلے منہ کے بل گری اور ایسی گری کہ شاید بھی اٹھ نہ پاؤں۔" اسے اپنے آپ پر غصہ،بے تحاشا غصہ آیا۔

"ضامن بھائی!ڈریں مت،پی لیں۔دودھ ہی ہے۔" وردہ دودھ پلائی کی رسم کرتے ہوئے کہہ

www.pklibrary.com

وہ جو کچھ کر چکے تھے، اس کے ردعمل میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ انہوں نے سیاہ شیروانی کے بٹن بند کرتے ہوئے سر پہ سرخ کلاہ رکھتے ہوئے، یہ تک سوچ لیا تھا کہ بارات جب واپس آئے گی تو دلہن کے بنا آئے گی۔ انہوں نے پروفیسر زید ابصار کو تنہائی میں بلاتے ہوئے، خود کو ان کا تھپڑ کھانے کے لیے بھی تیار کر لیا تھا۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ انہیں آج پتا چلا تھا کہ بیٹی کی بارات والے دن باپ صرف باپ ہوتا ہے، کوئی اصول پسند پروفیسر نہیں، کوئی حق سچ کی بات کرنے والا قلم کار نہیں، وہ صرف باپ ہوتا ہے۔

ہاں ٹھیک ہے، انہوں نے ہر طرح کے ردعمل کا سوچا تھا پھر بھی۔ پھر بھی انہیں افسوس سا ہوا۔ کیا وہ انہیں کچھ کہنے کا ایک موقع بھی نہیں دینا چاہتی تھی۔ ڈریسنگ روم میں زمین پہ پڑے عروسی جوڑے کو دیکھ کر بھی جھٹکا سا لگا۔ اس کی کئی چوڑیاں ان کے قدموں تلے آ کر شور مچانے لگیں۔ کئی چوڑیاں اور زیورات وہ ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑے بھی دیکھ چکے تھے۔

انہوں نے جھک کر عروسی لباس اٹھایا اور اسے سلیقے سے وارڈ روب کی زینت بنایا۔ لباس تبدیل کر کے وہ کمرے میں آئے تو وہ یونہی اسی زاویے پہ لیٹی تھی۔ وہ بھی بیڈ پر لیٹ گئے۔

رات لمحہ لمحہ بیتنے لگی۔ دونوں جانتے تھے کہ دونوں جاگ رہے ہیں۔ ضامن نے کروٹ بدلی۔ وہ ان کے اتنے قریب تھی کہ اس کی سانس کا زیرو بم محسوس ہوتا تھا۔ ضامن مصطفیٰ کے لیے بہت مشکل ہوا کہ وہ اس سے دور رہ سکیں۔

"خولہ!" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر آنکھوں پہ رکھا اس کا بازو ہٹایا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کچھ مردانگی نکاح کے وقت دکھالی، باقی اب دکھالیں ضامن مصطفیٰ!" یخ لہجہ، انگارے جیسے لفظ۔

ضامن مصطفیٰ جان گئے تھے کہ بے شک منہ پہ پروفیسر زید ابصار کا تھپڑ نہیں پڑا، بارات دلہن کو لے کر واپس آئی تھی مگر آگے کے مرحلے برف کا وہ گلیشیر تھے جس کو پگھلانے کے لیے عمر درکار تھی۔

انہوں نے خولہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

☆☆☆

وہ بہت دیر سے یہاں کھڑی تھی اور دور ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ سویرا کس ساحل پر طلوع ہوا تھا، جہاں طوفانی موجیں آئیں اور اپنے سنگ ہر مسرت، ہر امنگ ہر امید بہا کر لے گئیں اور کنارے پہ بکھری رہ گئیں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں۔

"کنوار (دلہن) کو ہمارا سلام۔"

وہ چونکی اور مڑ کر پیچھے دیکھا۔ مُرک کمرے کے وسط میں کھڑی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے پلٹنے لگی جب نگاہ ریلنگ کے نچلے حصے سے جھانکتے سبز پتوں پہ پڑی۔ وہ ٹھٹک گئی۔ گلابی اور سفید پھولوں کی بیل بس پہلی منزل تک پہنچنے کو ہی تھی۔ کچھ دیر کو سانس رکی پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے وہ بیڈ روم میں چلی آئی۔

"کیسی ہیں بھابی! ہمارے بھاؤ نے زیادہ تنگ تو نہیں کیا۔" مُرک کے انداز میں شوخی اور شرارت تھی۔ وہ ایسے سوالوں کا جواب دے سکتی تھی اور نہ ہی شرما سکتی تھی۔ مسکرانے کی کوشش کر سکتی تھی، وہ اس نے کی۔

"بھاؤ کہاں ہیں؟" اس سوال کا جواب بھی وہ نہ دے سکتی تھی کیونکہ جب وہ جاگی تھی تو ضامن مصطفیٰ کو کمرے میں نہ پایا تھا۔

"او۔ اچھا۔ سمجھ گئی کہاں گئے ہوں گے۔" مُرک نے خود ہی اندازہ لگایا اور وارڈ روب کی طرف چلی آئی۔

"بھابی! میں آپ کے لیے ڈریس نکال رہی ہوں۔ اچھا سا تیار ہو جائیں۔"

"کیوں؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کیوں! کمال کرتی ہیں بھابی۔ کنوار ہیں بھئی آپ تو کنوار دکھنا بھی چاہیے۔"

"مجھے سمپل ڈریس ایزی رہتا ہے۔" مُرک کے ہاتھ میں شیفون کا عنابی رنگ کا کامدار سوٹ دیکھ کر وہ چکرائی۔

"ارے بھابی! کچھ دن تو ہمیں بھی اپنے چاہ

www.pklibrary.com

پورے کر لینے دیں، پھر پہن لیجیے گا جو آپ کا دل چاہے گا۔ گوٹھ سے مہمان پہنچنے والے ہیں، ان کو بتانا تو نہ پڑے کہ کنوار کون سی ہے۔" مُرک اب زیورات کے ڈبے کھول رہی تھی۔

"میں یہ سب نہیں پہن سکتی۔" اس نے مرا مرا سا احتجاج کیا۔ اسی لمحہ ضامن مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوئے۔

"بھاؤ۔ کہاں چلے گئے تھے آپ؟"

انہوں نے مُرک کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور صوفہ پہ بیٹھ کر جاگرز کے تسمے کھولنے لگے تھے

"قبرستان گئے تھے؟"

اب بھی کوئی جواب نہ ملا تھا۔ مُرک کو شاید عادت تھی ضامن کے ایسے رویے کی، اس لیے وہ برا مانے بغیر انہیں گوٹھ سے آنے والے مہمانوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"میں بھابی سے کہہ رہی ہوں کہ اچھا سا تیار ہو جائیں اور یہ ہیں کہ نخرے دکھا رہی ہیں۔ ہیں ناں آپ کی کنوار۔ آپ جیسی ہی ہیں۔" مُرک اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"مصطفیٰ امین اور ان کے خاندان کے لیے نمائش بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو اس کا جی چاہے وہی پہنے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ کہہ کر واش روم چلے گئے۔

"دونوں ایک جیسے۔ آپ سے تو امید تھی مگر شادی ہوتے ہی آپ نے بھی نظریں پھیر لیں۔" مُرک زیورات کے ڈبے واپس کرتے ہوئے ملول سے انداز میں بولی تو خولہ مزید بے نیاز نہ بنی رہ سکی۔

"تم جو کہو گی، میں وہی پہنوں گی۔ خفا مت ہو۔"

"جی نہیں جو آپ چاہیں گی، وہی پہنیں گی، سائیں کا حکم ہے۔" وہ پھر ویسے کی ویسی۔ اس کے لیے یہ ہی بہت تھا کہ خولہ نے چاہے اس کا دل رکھنے کو کہا، کہا تو سہی۔

"تم کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو۔ ناشتا کس نے بنانا ہے۔" عباس نے دروازے پہ دستک دی اور اب وہیں ایستادہ مُرک کو گھور رہا تھا۔

"زلیخاں بنا رہی ہے؟"

"زلیخاں۔ وہ تمہاری گوٹھ سے لائی ہوئی خادمہ۔ وہ بنائے گی بھابی کے لیے ناشتہ؟ پہلے اسے ٹریننگ تو دو۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ آتی ہوں۔"

"آتی ہوں نہیں، جاتی ہوں بولو۔ اور جاؤ۔ معدہ پراٹھے اور قیمے کو ترس رہا ہے۔"

"مجھے پہلے ہی پتا تھا، بھابی کا تو صرف نام ہے۔ پیٹ میں چوہے تو تمہارے دوڑ رہے ہوں گے۔" مُرک بڑبڑاتی ہوئی اٹھی۔

"اب چوہے بے چارے گھر میں بھی نہ دوڑیں، پیٹ میں بھی نہ دوڑیں۔ وکیل صاحبہ انصاف ہے بھلا یہ کوئی۔" اس نے ایک طرف ہو کر مُرک کو جانے کا رستہ دیا اور خود چوہوں کے لیے انصاف مانگا۔ خولہ بے اختیار مسکرا دی۔

"اف مسکراتی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہیں آپ۔ بھاؤ پہ بھی ذرا ہوم ورک کر لیجیے گا۔"

خولہ کو اپنی مسکراہٹ برقرار رکھنا مشکل ہوا۔ وہ سامنے رکھا ہوا زیور کا ڈبہ یونہی کھولنے اور بند کرنے لگی۔ ضامن باتھ لے کر نکل آئے تھے، اور تولیہ کندھے پہ ڈالے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔

"بابا انتظار کر رہے ہیں، ناشتا آپ دونوں کے ساتھ کریں گے۔" عباس اصل میں جو پیغام دینے آیا تھا، وہ دے کر جانے کو مڑا۔

"انہیں ہمارا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"بابا ڈائبیٹک ہیں، انہیں زیادہ انتظار مت کروائیے گا۔" عباس نے پلٹ کر کہا، اس نے جیسے ضامن کی بات سنی ہی نہ تھی۔

انہوں نے سختی سے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر آئینے میں اس یار من کے عکس پہ جو نگاہ پڑی تو چپ رہے۔ عباس جا چکا تھا اور وہ زیورات کے ڈبے پھر سے کھول کر ان میں سے کوئی نسبتاً چھوٹا سیٹ دیکھ رہی

www.pklibrary.com

تھی جو وہ ابھی پہن کر مُرک کو خوش کر سکے۔
ضامن مصطفیٰ کے ہاتھ بالوں میں چل رہے تھے اور نگاہیں اسی پہ تھیں۔

☆☆☆

مصطفیٰ امین کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھی خولہ، ضامن مصطفیٰ کا امتحان لے رہی تھی۔ سنہری گوٹے کے ہلکے سے کام والے پیازی رنگ کے پیور شیفون کے لباس میں سونے کا چھوٹا سا سیٹ پہنے وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ ان کی نگاہیں بے خود ہو کر اس پہ اٹھتیں اور ہٹانا بے حد مشکل ہو جاتا۔ خولہ کی نگاہ جب بھی ان پہ اٹھی، انہیں اپنی طرف دیکھتے پایا مگر دل میں کوئی ہلچل نہ مچی۔ کل نکاح کے وقت ان کے بیچ رشتہ جڑا تھا اور اس کے دل اور ضامن مصطفیٰ کے بیچ رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔

''غلام نبی۔ چلتے ہو گوٹھ؟'' مصطفیٰ امین نے اس شخص کو پکارا جو میز پہ برتن لگا رہا تھا۔

''غلام نبی کہیں نہیں جائے گا۔'' ضامن نے فوراً سنجیدہ لہجے میں کہا۔

غلام نبی نے باری باری ان دونوں کا چہرہ دیکھا۔ اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ پھر اس کی گھر والی کو بھی بلوا لو۔ اب تو کنوارا آ گئی ہے۔ اس کو بھی ضرورت ہو گی۔'' مصطفیٰ امین کا لہجہ اتنا ہی نرم اتنا ہی پیار بھرا رہا۔ ضامن خاموش رہے۔

''میری بڑی خواہش تھی کہ ولیمہ گوٹھ میں ہوتا۔ لیکن خیر۔ شہر میں رہنے والوں کو گوٹھ کا ماحول اور انتظامات مطمئن نہیں کرتے۔''

ضامن نے ہونٹ بھینچے۔ اور مصطفیٰ امین کی طرف دیکھنے سے احتراز کیا ورنہ انہیں آنکھوں میں تحریر یہ سوال واضح نظر آتا۔

کیا واقعی وجوہات یہی ہیں جو آپ بتا رہے ہیں؟ ہمت ہے تو میری دلہن کو سچ بتا کر دیکھیں۔

''خیر سے ولیمہ ہو جائے تو آنا۔ اب میں حویلی میں اپنی بہو اور بیٹے کی راہ دیکھوں گا۔'' مصطفیٰ امین نے بھی بیٹے کی طرف نہ دیکھا تھا، اور خولہ کی طرف متوجہ رہے تھے۔ جو اس خواہش کے اظہار پہ محض مسکرا کر رہ گئی تھی۔

گوٹھ سے کئی گاڑیاں آئی تھیں۔ مصطفیٰ امین کی دو بیویاں، بچے، بہن بھائی اور ان کے بچے۔ اس کے علاوہ ان کے خاندان برادری کے اور مہمان بھی تھے جن کے ٹھہرنے کا انتظام کسی گیسٹ ہاؤس میں کیا گیا تھا۔ مصطفیٰ امین کی چھوٹی بیگم ناراضی کے اظہار کے طور پر نہیں آئی تھیں کہ انہیں شادی میں کیوں نہیں لے جایا گیا۔ اب ولیمہ اٹینڈ کرتی ہے ان کی جوتی۔

ضامن کے دونوں بڑے بھائی اور ان کی والدہ بھی نہیں آئے تھے۔ یہ سب اسے مُرک کے ذریعے پتا چلا تھا۔

مُرک کی والدہ پہلے کی طرح چپ چاپ سی بیٹھی تھیں، اس کی دونوں بہنیں اپنے بچوں میں مگن تھیں مگر مُرک کی طرح خوش اخلاقی کے ساتھ ملی تھیں۔ عباس کی والدہ بیمار تھیں، وہ آتے ہی اس کے سر پہ پیار دے کر آرام کرنے چلی گئی تھیں۔ عباس کی ایک بھابھی اور بھائی بھی آئے تھے۔

ناشتا کرنے کے بعد اس نے کافی وقت ان کے بیچ گزارا۔ سادہ سے لوگ تھے۔ کوئی ملمع نہیں تھا چہروں پہ۔ پسندیدگی بھی صاف جھلک رہی تھی اور ناپسندیدگی بھی۔ یہ وہ لوگ تھے، وہ خاندان تھا جس کے بارے میں بابا بہت سے خدشات کا شکار تھے جن کے ریت و رواج سے وہ ڈرتے تھے۔ جن کی نام نہاد غیرت انہیں دہلا دیتی تھی۔ آج اسے ان سب کو دیکھ کر، ان کے بیچ بیٹھ کر احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب اتنے برے نہیں ہیں، اتنے خطرناک نہیں ہیں جتنے برے اور خطرناک ضامن مصطفیٰ خود ہیں۔

☆☆☆

ولیمہ شہر کے بہترین بینکوئٹ ہال میں ہو رہا تھا۔

آج اس نے تیار ہوتے ہوئے بھی آئینے میں اپنے آپ کو بار بار دیکھنے کی جستجو نہ کی تھی۔ اپنے آپ کو بیوٹیشن کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا تھا۔ مُرک نے کسی اور

www.pklibrary.com

بیوٹیشن سے اپائنٹمنٹ لیا تھا اور نہ اس کا ارادہ پہلے یہی تھا کہ وہ ولیمے کے لیے بھی بیلا سے تیار ہو گی۔ اب وہ دل میں شکر کر رہی تھی کہ بیلا اسے تیار نہیں کر رہی تھی ورنہ آج خولہ بنت زید کا چہرہ اسے کوئی اور کہانی سناتا۔

عباس اسے اور مُرک کو پارلر چھوڑنے آیا تھا، اسے لگا کہ لینے بھی وہی آئے گا۔ مگر ضامن مصطفیٰ کو دیکھ کر ایک پل کے لیے اس کے قدم وہیں رکے تھے۔ موبائل پہ کسی سے بات کرتے ہوئے ضامن بھی وہیں سرپرائز ہوئے۔

"کیسی لگ رہی ہیں میری بھابی۔" مُرک شوخی سے پوچھنے لگی۔

نرم سی مسکراہٹ ضامن کے ہونٹوں کو چھو گئی تھی۔ رستے بھر بھی ان کی نگاہیں پچھلی سیٹ پہ بیٹھی اپنی دلہن پہ بھٹکتی رہیں۔ ہال پہنچ کر انہوں نے گیٹ کھول کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ وہ یہ ہاتھ تھامنا نہیں چاہتی تھی، اس ہاتھ نے اسے بے دردی سے اندھیری کھائی میں دھکیلا تھا۔ وہ یہ ہاتھ ہرگز تھامنا نہیں چاہتی تھی مگر ضامن نے اسے فیصلے کا موقع نہ دیا تھا۔ انہوں نے اس کا بازو تھام لیا تھا۔ وہ گاڑی سے باہر آئی تو مُرک نے پاس آکر دونوں کا تنقیدی جائزہ لیا۔

ضامن اس کا ہاتھ تھام کر بینکوئٹ ہال میں داخل ہوئے تھے۔ ہر نگاہ ان پہ جم گئی تھی، ہر زبان سے بے اختیار "ماشاءاللہ، واؤ، زبردست، چاند سورج" جیسے الفاظ نکلے تھے۔

یہ دن یہ وقت خولہ بنت زید کا بڑا دن تھا، اس دن کی سوچ نے خیال نے ہی ہزار ہا بار اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیری تھی مگر آج جب وہ وقت وہ لمحے اس کے ساتھ تھے تو وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اس شخص کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ وہ ایسا ہی کرتی اگر وہ صرف ضامن مصطفیٰ کی بیوی ہوتی مگر وہ پروفیسر زید ابصار کی بیٹی تھی اور پروفیسر زید ابصار کی بیٹی یہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ نہیں سکتی تھی۔ اسے اپنے باپ کی جھکی نگاہیں جھکے کندھے ہرگز قبول نہ تھے۔

لوگ اسے بتا رہے تھے کہ وہ گرے اور ٹیل بلیو ڈریس میں بہت خوب صورت لگ رہی ہے اور وہ مسکرا کر تعریفیں وصول کر رہی تھی۔ وہ پاپا اور بابا کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ انہیں دیکھ لینا چاہتی تھی اسے اس وقت توانائی کی ضرورت تھی اور ماما بابا کے چہرے سے زیادہ اس کے لیے توانائی کا منبع بھلا اور کہاں ہو سکتا تھا۔ ہال میں بکھرے یہ سب لوگ تو اسے ضامن مصطفیٰ کے لوگ لگ رہے تھے یہاں تک کہ آج اسے اقصیٰ بھی اپنی نہ لگ رہی تھی۔ وہ اس قدر بدگمان ہو رہی تھی کہ اسے لگ رہا تھا کہ ضامن مصطفیٰ کے ڈرامے میں اس نے نہیں تو تیمور نے تو کوئی رول ضرور ہی پلے کیا ہے۔

ماما، وردہ، ماموں، مامی، تائی اور پھوپھو وغیرہ آگئے تھے، اس کی نگاہیں بابا کو تلاشتی رہیں مگر وہ تو آئے ہی نہیں تھے۔

"زید تھک گئے تھے بہت، اور تمہارے تایا کے پاس بھی تو رکنا تھا ناں کسی کو۔ تمہیں تو پتا ہے ان کی طبیعت جب سے آئے ہیں ٹھیک نہیں ہے۔ تمہی کی شادی نہ ہوتی تو وہ بھلا نکلتے اس حال میں گھر سے۔" پاپا کی دی ہوئی توجیہہ اس کے حلق سے نہ اتری تھی۔ اسے تایا سے زیادہ بابا کی فکر تھی۔

"بابا ٹھیک تو ہیں ناں؟" اس نے وردہ سے بھی مامی سے بھی پوچھ لیا اور پھر پھوپھو سے پوچھا۔

"کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ان کی۔ تمہاری رخصتی کے بعد سے کمرے میں چپ چپ سے پڑے ہیں۔" پھوپھو نے اصل بات بتا دی تھی اور اس کا اتنے بڑے ہال میں دم گھٹنے لگا تھا وہ سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں ان کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی۔

ثروت، مصطفیٰ امین کی جس بیوی کے بارے میں سوچ سوچ کر ولیمہ کی تقریب میں آنے سے گھبرا رہی تھیں، وہ تو آئی ہی نہیں تھیں۔ مُرک کی والدہ ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھی رہیں اور عباس کی والدہ دوسرے کونے میں۔ زرق برق سوٹ پہن کر سونے چاندی کے بھاری زیورات پہن کر بھی وہ شہر کے

www.pklibrary.com

پڑھے لکھے لوگوں میں آ کر احساس کمتری کا شکار ہونے لگے تھے۔

وہ مامی کے کسی سوال کا جواب دے رہی تھی جب وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"ہیلو بھابھی!"

یہ آواز وہ با آسانی پہچان سکتی تھی، یہ آواز ان میں سے ایک تھی، جو وہ کبھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

"ہوپ یو آر فائن، ہیپی اینڈ سرپرائزڈ۔"

وہ خباثت بھری ہنسی ہنسا۔ وہ اس کا منہ نوچ لینا چاہتی تھی۔

"ہمارے بیچ ایک رشتہ ہے، آپ نے تو کبھی بتایا ہی نہیں۔" اس کے ہر انداز سے کمینگی ٹپک رہی تھی۔

خولہ بنت زید زندگی میں کبھی اتنی بے بس نہ ہوئی تھی جتنی اس محبت کے پیچھے ہوئی تھی۔ اب ایسے ایسے گھٹیا، بیچ لوگ اس کے منہ لگنے تھے جن کو وہ اپنے پیروں تلے رکھتی آئی تھی۔ اس کا صبر جواب دینے لگا۔ ولیمہ کے اختتام پر وہ ماما کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوگئی۔

"ہم کل آ جائیں گے۔" ضامن نے شائستگی کے ساتھ کہا۔

"نہیں۔ مجھے ابھی بابا کے پاس جانا ہے۔"

ماما نے بیٹی کو تنبیہی نگاہ سے دیکھا۔

"ٹھیک ہے تم بھلے جاؤ۔" ضامن نے اجازت دی تو پھوپھی مامی نے ایک بار پھر بہت رشک کے ساتھ خولہ کی طرف دیکھا۔ مامی نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ وہ بھی اپنی بیٹی کو وکیل بنائیں گی۔ اس کی قسمت بھی سنور جائے گی۔

ثروت اسے اپنے ساتھ لے جانے میں متامل تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ضامن اپنی پوری رضامندی کے ساتھ اسے بھیجیں یا خود لے کر آئیں۔۔ بھلے دو چار دن بعد ہی سہی۔

خولہ ان کی تنبیہی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ضامن کو ٹیکسٹ کیا تھا۔

"میرے بابا کو کچھ بھی ہوا تاں ضامن مصطفیٰ، تو یاد رکھیں میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

☆☆☆

ایک دن میں اس کا باپ بوڑھا ہو گیا تھا۔

اسے ضامن مصطفیٰ سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ بڑے سے بڑے اثر و رسوخ رکھنے والے بندے کو منٹوں میں اس کی اوقات دکھا دینے والی بڑے سے بڑے غنڈے بدمعاش سے نپٹ لینے والی نہ جانتی تھی کہ ایک دن ایک شخص شرافت و نجابت کا لبادہ پہن کر آئے گا اور باپ بیٹی کو ہلا کر رکھ دے گا۔

"بڑی قسمت والی ہے خولہ ہماری۔ اتنا اچھا خوبصورت، پڑھا لکھا دولہا ملا۔"

"اتنے پیسے والا خاندان۔ سنا ہے ضامن مصطفیٰ کی اپنی فیکٹری ہے اور اتنی ساری زمینیں۔"

"ان کی ہر عورت نے اتنا زیور پہن رکھا تھا جتنا ہمارے پورے خاندان کا ملا کر نہ ہو۔"

اس کی پھوپھی، مامی اور تائی سب کے نزدیک وہ بہت خوش قسمت تھی۔ اس کی خوش نصیبی کو جانچنے کے پیمانے سب کے الگ الگ تھے۔ ماما یہ تبصرے سن کر بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ اور بابا خاموشی کے ساتھ سن رہے تھے۔ اس نے بابا کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ پتا نہیں یہ ان کو تسلی دینے کا طریقہ تھا یا خود اسے سپورٹ کی ضرورت تھی۔

"خولہ! آپ تھک گئی ہوں گی۔ آرام کر لیں۔" بابا نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے اس مشکل سے نکالا اور باقی سب کو بھی آرام کرنے کی تاکید کرنے لگے جنہیں صبح سویرے واپسی کے لیے نکلنا تھا۔

وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ گرے اور ٹیل بلیو اس کے ولیمے کا قیمتی جوڑا یونہی بیڈ پہ پڑا تھا۔ اس جوڑے کو بنواتے وقت اس کے ساتھ بہت سے جذبات وابستہ تھے۔ جب بن کر آیا تھا تو مسکراتے ہوئے بہت نرمی سے اس پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کپڑے کی اور اس پہ ہوئے کام کی نفاست کو محسوس کرتے ہوئے اس نے اس منظر کا تصور کیا تھا جب ضامن مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام رکھا ہوگا اور وہ کسی

www.pklibrary.com

راج کماری کی طرح سج سج کر قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی ہوگی۔ ہر نگاہ ان دونوں پہ ہوگی مگر ان دونوں کو ایک دوجے کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا ہوگا۔

وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو دی تھی۔ گھٹنوں پہ بازوؤں کا ہالہ بنائے ان میں سر دیے نیچے صوفے کے پاس بیٹھی وہ بہت دیر تک روتی رہی۔

یہ کیا ہو گیا تھا اس کے ساتھ۔ خود کو چہرہ شناس سمجھنے والی خود کو زمانہ شناس کہنے والی بری طرح سے مار کھا بیٹھی تھی۔ سچ کہتے ہیں غرور راس نہیں آتا کسی کو۔ اور وہ مغرور تھی یہ اور بات کہ وہ اسے اپنا غرور نہیں اعتماد کہتی تھی۔

نگاہ اٹھا کر بندے کو پہچان لیتی تھی یہ بابا۔

صد شکر کہ اس کی ذہنی حالت ابھی صحیح تھی ورنہ خود پہ یونہی قہقہے لگاتی۔

دروازہ بہت آہستگی کے ساتھ کھولا گیا تو اس نے جلدی سے سر اٹھا کر اپنی آنکھیں اور بھیگا چہرہ صاف کر کے اندر داخل ہونے والے کو دیکھا۔ سامنے بابا تھے۔ اس کی نظریں خود بخود جھک گئیں۔ اس نے اس پیارے شخص کو بے بسی کے ایسے مقام پر لا کھڑا کیا تھا جہاں انسان خود کو لحد میں پاتا ہے جہاں اس پہ مٹی بھر بھر ڈالی جاتی ہے۔

بابا آہستہ آہستہ چلتے اس کے پاس وہیں نیچے آ بیٹھے۔ کچھ دیر یونہی بیٹھے رہے۔ وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتے تھے مگر لفظ تھے۔ زبان سے ادا نہ ہو پاتے۔

وہ یونہی نگاہ نیچی کیے بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اپنے سر پہ ایک ہاتھ محسوس کیا۔ اس ہاتھ کی تاثیر ایسی تھی کہ جب بھی اس کے سر پہ پھیرا گیا تھا، اس کی ہر فکر ہر کلفت دور ہوئی تھی۔ جب بھی اس ہاتھ نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اسے ایک نئی طاقت ملی تھی اور جب بھی اس نے خود اس ہاتھ کو تھاما تھا، اسے مشکل میں ایک نئی راہ سجھائی دی تھی۔

وہ سر پہ رکھے اس ہاتھ کو تھام کر چومنے لگی، رونے لگی۔ اور جب درد حد سے بڑھنے لگا تو ان کے سینے سے جا لگی۔ اس سینے سے وہ جب بھی لگی تھی، ہر غم سے بے غم ہوئی تھی۔

"میں تمہیں کبھی اس رات قلم نہ چلانے دیتا۔ لیکن ڈر گیا تھا۔ خولہ! میری بچی۔ تمہارا باپ ڈر گیا تھا۔ ایڈووکیٹ خولہ بنت زید کی بارات واپس چلی گئی تو۔ اس کے سامنے جھکی نگاہیں اس پہ اٹھنے لگیں گی۔ لوگ اس کی ہنسی اڑانے لگیں گے۔ لوگوں کی زبانیں نشتر بن جائیں گی۔ موت اپنے وقت پہ آئے گی اور زندگی حرام ہو جائے گی۔"

خولہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"میں یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ میری بیٹی اپنی باقی ماندہ زندگی اتنی اذیت میں گزارے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

وہ انہیں دیکھتی رہی۔ گو کہ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے کچھ واضح نظر نہ آتا تھا، پھر بھی وہ انہیں دیکھتی رہی۔

اس رات بیٹی نے اپنے باپ کی خاطر اپنی موت کے نامے پہ قلم چلایا تھا اور باپ نے بیٹی کے لیے زہر کا پیالہ پیا تھا۔

"خولہ اب تم واپس نہیں جاؤ گی۔"

اسے بابا کی بات سمجھ میں نہیں آئی تو آنکھیں صاف کیں تاکہ پانی کا پردہ ہٹے اور وہ ان کا چہرہ صاف دیکھ کر اندازہ کر سکے کہ انہوں نے کیا کہا ہے۔

"تم ضامن مصطفیٰ سے طلاق لے لو۔" بابا کا لہجہ چٹان سا تھا اور وہ آنسو پونچھنا بھول گئی تھی۔

☆☆☆

ثروت کے بھائی، بھابیاں اور ان کے بچے، اور پروفیسر زید البصار کے بڑے بھائی بمعہ اہل و عیال علی الصبح چلے گئے تھے۔ ان کی بہن اور اس کے میاں نے شام کی ٹرین سے نکلنا تھا۔ ناشتا کرنے کے بعد ثروت نند کے ساتھ کوئی مارننگ شو دیکھنے لگیں تو پروفیسر صاحب حسب عادت اخبار لے کر بیرونی باغیچے میں چلے آئے تھے۔ اخبار تو بس یونہی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ہر خبر ہر تصویر بیٹی کا چہرہ بنی ہوئی تھی۔

"کاش پرسوں کا دن میری بیٹی کی زندگی سے

www.pklibrary.com

نکل جائے اور زندگی پھر سے اس کے لیے پہلے جیسی ہو جائے۔" وہ پریکٹیکل بندہ آج معجزوں کی دعا کر رہا تھا۔ آنکھ میں پانی بھر آیا اور سیاہ لفظ دھندلانے لگے تو چشمہ اتار کر وہ اپنی آنکھیں صاف کرنے لگے۔ اسی وقت ضامن مصطفیٰ کی گاڑی سامنے آرکی تھی اور اب وہ اتر کر ان کی طرف آرہے تھے۔

پروفیسر زید ابصار یہ شکل دوبارہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ کبھی بھی نہیں۔

"السلام علیکم۔"

سلام کا جواب فرض نہ ہوتا تو وہ کبھی جواب نہ دیتے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر ضامن مصطفیٰ کی طرف دیکھا نہیں تھا اور نہ ہی انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی تھی۔ وہ خود ہی سامنے پڑی کرسی پہ بیٹھ گئے تھے۔

"اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"

پروفیسر زید ابصار نے اب کے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

سامنے بیٹھا شخص یوں نارمل بیٹھا تھا جیسے پرسوں کا دن اس کی زندگی میں آیا ہی نہیں تھا یا وہ کوئی اور ہی ضامن مصطفیٰ تھا۔ جس نے نکاح نامے کے ساتھ ایک اور کاغذ ان کی طرف بڑھایا تھا اور ایک باپ کی مجبوری کا فائدہ اٹھایا تھا۔

ضامن نے انہیں خود کی طرف یوں دیکھتا پا کر نگاہیں جھکا لیں۔ پرسوں بھی انہوں نے یہ نگاہیں جھکائی تھیں مگر کیا فائدہ، ان کا مسخ چہرہ تو سامنے تھا ناں۔ بہتر یہ ہوتا کہ وہ اس چہرے سمیت کہیں روپوش ہو جاتے۔

"میں خولہ کو لینے آیا ہوں۔" ضامن آہستہ سے بولے۔

"یہ خولہ کا فیصلہ ہے، وہ تمہارے ساتھ جائے گی یا نہیں۔" ان کا لہجہ چٹان جیسا سخت تھا۔

"کیا مطلب؟" ضامن اس جواب کی امید قطعی نہیں رکھتے تھے۔

"ضامن مصطفیٰ! آج میں اتنا مجبور نہیں جتنا پرسوں تھا۔"

ان کے لہجے اور انداز سے ضامن کو خوف محسوس ہوا۔ پرسوں والا مجبور اور لاچار باپ ان کے سامنے نہیں بیٹھا تھا۔ جس کے ہاتھ اور ٹانگیں اس خوف سے کانپ رہی تھیں کہ اس کی بیٹی کی بارات واپس چلی گئی تو کیسی قیامت آئے گی۔ اس وقت ان کے سامنے وہ پروفیسر زید ابصار بیٹھا تھا۔ جو اتنا مجبور و لاچار ہرگز نہیں تھا جتنا ایک بیٹی کا باپ آخری دم تک ہوتا ہے۔

"بیٹی کی بارات واپس چلی جائے تو دنیا بھولتی نہیں، ساری عمر انگلیاں اٹھاتی ہے اس کے چلن پہ مگر شادی کے دوسرے دن لڑکی گھر واپس آجائے تو دنیا انگلی اٹھاتی ہے مرد پہ۔ تم سمجھ رہے ہو ناں ضامن مصطفیٰ کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

پروفیسر زید ابصار کیا کہنا چاہ رہے تھے، دنیا کیا کہے گی، انہیں کیسی استہزاء بھری نظروں سے دیکھے گی، انہیں اس وقت ایسی کوئی پرواہ بھی نہ تھی۔

ڈر۔ اس وقت ایک ہی ڈر ان کی جان لے رہا تھا۔

"میں خولہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑے ہو۔

"وہ سو رہی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کو کوئی بھی ڈسٹرب کرے، کئی راتوں سے جاگ رہی ہے وہ۔" ان کا لہجہ بے لچک تھا۔ اور شاید ارادے اس سے بھی زیادہ بے لچک۔

"میں انتظار کر لیتا ہوں۔"

ضامن گیٹ کی طرف بڑھے۔ پروفیسر صاحب نے اخبار آنکھوں کے سامنے کر لیا۔

ٹی وی دیکھتی ہوئی ثروت داماد کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

"میں تو تمہیں ناشتے پہ بلانا چاہ رہی تھی مگر زید نے کہا کہ تمہاری طرف ابھی مہمان ہیں، اس لیے تمہیں تنگ نہ کروں۔" انہوں نے ضامن کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ضامن کو اب اس گھر میں والہانہ استقبال کی امید نہ رہی تھی اس لیے حیران ہوئے اور دل ہی دل میں شکر بھی ادا کیا۔

"خولہ نے بھی ابھی ناشتا نہیں کیا، تمہارے بابا نے جگانے نہیں دیا۔ میں ناشتا بنانی ہوں۔ تم اسے

www.pklibrary.com

جگاؤ۔ بہت سو لیا۔ دونوں ناشتا کر لیتا۔ دیکھو بھلا میری بھی عقل۔" ثروت نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔" تمہیں خولہ کے کمرے کا کیا پتا۔ تم بیٹھو میں اسے جگا کر آتی ہوں۔"

"نہیں۔ مجھے اندازہ ہے۔ میں چلا جاتا ہوں۔" وہ فوراً بولے۔ انہوں نے عافیت جانی تھی کہ ماما خود انہیں خولہ کے کمرے میں بھیج رہی تھیں۔ وہ اس سے اکیلے میں بات کرنا چاہتے تھے۔ ثروت کے بتانے پہ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئے۔ خولہ کو ٹیرس پہ دو تین دفعہ دیکھا تھا انہوں نے، اس لیے اندازہ تھا کہ اس کا کمرا کون سا ہے۔

انہوں نے آہستگی کے ساتھ ایک دروازہ کھولا۔ کمرے کی لائٹس آف تھیں اور کھڑکیاں پہ پردے تھے جس کی وجہ سے کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ کمرے میں آگئے۔ جب ان کی آنکھیں اس اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو بیڈ کو خالی پایا۔ وہ شاید غلط کمرے میں آگئے تھے، وہ مڑنے لگے جب ان کی نظر سامنے پڑی۔ وہ بیڈ روم صوفہ کے ساتھ ٹیک لگائے سو رہی تھی۔ اس کی گردن ترچھی سی صوفے کی سیٹ کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آگئے۔

گہری نیند سوئی ہوئی وہ بہت پیاری بہت معصوم اور بہت اپنی لگ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے چلے گئے۔

یہ وہ لڑکی تھی، جس سے وہ بہت محبت کرتے تھے، جس کے بنا اب وہ جینے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ پروفیسر زید ابصار نے آتے ہی ان کے دل میں جو ڈر پیدا کر دیا تھا، ماما سے ملنے کے بعد اور یہ چہرہ دیکھ لینے کے بعد وہ ڈر زائل ہونے لگا تھا۔

"خولہ میری ہے اور ہمیشہ میری رہے گی۔ میں اس کے بنا نہیں رہ سکتا تو یہ بھی میرے بنا نہیں رہ سکتی۔"

خوبصورت احساس کے ساتھ وہ دو قدم اور آگے بڑھ آئے تھے اور انہوں نے جھک کر اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔ اور نہایت آہستگی کے ساتھ اس کے چہرے پہ آئے بالوں کو پرے کیا اور نرمی سے اس کے چہرے پہ انگلی پھیری۔ خولہ میں حرکت پیدا ہوئی۔ ضامن پرے نہیں ہوئے تھے، وہ اس پہ جھکے رہے تھے۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دی تھیں۔

اس کے سامنے وہ شخص کھڑا تھا، جس سے وہ بے انتہا محبت کرتی تھی۔ جس کے بنا جینے کا وہ تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔

وہ انہیں دیکھتی چلی گئی۔ بہت سے لمحے بیت گئے۔

"ایسے یہاں غیر آرام دہ طریقے سے کیوں سوئی ہو۔ بیڈ پر آرام سے جا کر سو جاؤ۔" وہ نرمی سے اس کے چہرے پہ انگلی پھیرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"بس رات ایویں! بابا سے باتیں۔" بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھتے ہوئے اسے جھٹکا لگا اور دلفریب خوابوں نے فریب دیا۔ وہ جاگ گئی تھی، وہ ضامن مصطفیٰ کے ٹرانس سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھی تو ضامن بھی سیدھے کھڑے ہو گئے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ضامن مصطفیٰ کی نگاہوں میں نرم سا محبت بھرا تاثر تھا جبکہ خولہ کی نظروں میں اجنبیت تھی۔

پھر وہ مڑی اور واش روم چلی گئی تھی۔ ہاتھ منہ دھو لینے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک وہیں واش روم میں کھڑی رہی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ضامن مصطفیٰ اب جا چکے ہوں گے تو وہ کمرے میں چلی آئی۔ مگر وہ تو سامنے ہی تھے، اس کے بیڈ پر آرام سے نیم دراز۔ وہ انہیں نظر انداز کر کے کمرے سے نکلنے لگی تو انہوں نے اس کا ارادہ بھانپ کر کھڑے ہو کر اس کا راستہ روکا اور اسے بازو سے پکڑ لیا۔

"خولہ! ہمیں بات کرنے کی ضرورت ہے۔"

"آپ کیوں آئے ہیں؟" اس کی آنکھ اور اس کا لہجہ برہم تھے۔

"اپنی بیوی کو لینے۔"

"یہ بات آپ بابا کے سامنے کہیں۔"

"کہہ چکا۔"

"ان سے ملاقات ہوئی آپ کی؟" اس نے غور سے ان کی صورت دیکھی۔

www.pklibrary.com

"جی۔"

"پھر۔ پھر۔ آئی مین کیا بات ہوئی۔"

"بات کیا ہونی ہے، بس اندازہ ہوا ہے۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔

"کیسا اندازہ؟"

"باقی کی عمر باپ بیٹی کی دھمکیاں سن سن کر گزرنے والی ہے۔" وہ مسکرائے۔

"یہ کام آپ کے ہیں۔ ہم دھمکیاں نہیں دیتے۔"

"رات آپ کا میسج تو کچھ ایسا ہی تھا۔"

"آپ نے میری بات پوری سنی نہیں ضامن مصطفیٰ۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ ہم دھمکیاں نہیں دیتے۔ ہم کر گزرتے ہیں۔" لفظوں سے زیادہ اس کے انداز میں کچھ ایسی بات تھی کہ وہ ٹھٹک اٹھے۔ اس سے پہلے کہ وہ خود کو کچھ کہنے کے قابل پاتے، دروازے پہ دستک ہوئی اور ثروت اندر داخل ہوئی تھیں۔

"خولہ اٹھی نہیں۔" اسے سامنے ہی دیکھ کر ان کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"آؤ بیٹا دونوں ناشتا کر لو۔"

"ماما! میں خولہ کو لینے آیا ہوں۔" بات انہوں نے ماما سے کی تھی مگر دیکھ خولہ کو رہے تھے۔

"ضرور بیٹا۔ تمہاری ہے خولہ اب، جب چاہے لے کر جاؤ۔"

ضامن مصطفیٰ مسکرائے، انہوں نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔ اس گھر میں ماما وہ واحد ہستی تھیں، جو ان کو فیور دے سکتی تھیں۔ خولہ سر جھٹک کر کمرے سے نکلی تو وہ بھی ماما کے ساتھ باہر آ گئے۔

☆☆☆

"بھائی جان آپ کا داماد لاکھوں میں سے ایک ہے۔"

ناشتا تو وہ تینوں پہلے کر چکے تھے اب خولہ اور داماد کا ساتھ دینے کے لیے ان کے ساتھ بیٹھے چائے پی رہے تھے، جب بینا پھوپھو نے خوش دلی سے تبصرہ کیا۔ ماما کا سیروں خون بڑھا اور ضامن مصطفیٰ نے خود کو شرمندہ ہوتے ہوئے پایا۔

"میرا داماد اس کرہ ارض پہ ایک ہے۔" بابا کے جواب نے ماما کو ٹھٹکایا۔ جیون ساتھی کے ساتھ عمر کا اتنا حصہ گزرا تھا کہ ان کے چہرے کا ہر رنگ، ان کے لہجے کا ہر اتار چڑھاؤ سمجھ جاتی تھیں جبکہ ماں جائی بھائی کی بات کو ان کا غرور سمجھ کر ہنس دیں۔ ماما نے غور سے سب کی شکلیں دیکھیں۔ خولہ نے مسکرانے کی بھرپور کوشش کی۔ باپ کو اپنی وجہ سے وہ اتنی تکلیف میں دیکھ چکی تھی کہ ابھی ماں کو اس کرب میں دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔

"میرا خیال ہے خولہ اب چلیں۔ تُرک اور عباس انتظار کر رہے ہوں گے۔" ضامن جو ماما کے اصرار پہ خاموشی سے کھائے چلے جا رہے تھے، نے ہاتھ روکا اور بولے۔ جس تُرک جس عباس کو وہ نظر انداز کرتے رہتے تھے، آج انہی کا نام بہانہ بن رہا تھا خولہ کو ساتھ لے جانے کا۔

"ہاں۔ ہاں خولہ۔ جلدی کرو بیٹا۔" ماما نے کہنے کے ساتھ ساتھ خولہ کو آنکھ کا اشارہ بھی کیا۔ وہ بابا کو دیکھے بنا اٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی ان کی نگاہیں جو سوال کریں گی، ابھی اس کے پاس ان کا جواب نہیں۔

کمرے میں آ کر وہ بیڈ پہ بیٹھ گئی۔ وہ سوچنا چاہتی تھی کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر یہ آج شاپنگ پہ جانے یا نہ جانے کا فیصلہ نہیں تھا جو آسانی سے ہو جاتا۔ وہ اضطراب کی حالت میں بیڈ پہ دونوں اطراف رکھے ہاتھوں پہ وزن ڈالے ہل رہی تھی۔ بہت زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بابا کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ جا کر ان سے لپٹ گئی۔ یہ شخص وہ واحد شخص تھا جس کے سامنے وہ کھل کر رو سکتی تھی۔ حالانکہ جانتی تھی کہ اس کے آنسو بابا کے لیے کتنی بڑی آزمائش ہیں لیکن وہ بھی کیا کرے، اسے بھی تو ایک کندھا چاہیے تھا۔

"جتنے آنسو بہانا ہیں، ابھی بہا لو خولہ! اس کے بعد ہمت سے فیصلہ کرو۔" بابا نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"فیصلہ کر چکی ہوں بابا!"

www.pklibrary.com

پروفیسر زید انصار کا ہاتھ اس کے بالوں پہ رکا۔

"میں ضامن مصطفیٰ کے ساتھ جا رہی ہوں۔ میں نے اس شخص کا ساتھ اس حالت میں پایا جب میرا دماغ ماؤف تھا، جب میں ہوش میں تھی اور نہیں بھی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ کیا ہوتا جا رہا ہے۔" اس نے بابا کے سینے سے سر اٹھایا اور اپنے آنسو پونچھے۔ اور جب بولی تو الفاظ اور ان کا مطلب بہت واضح تھا۔

"مگر اس شخص کو چھوڑوں گی میں اس وقت جب پورے ہوش وحواس میں لوٹ آؤں گی اور یہ سمجھ جاؤں گی کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔"

☆☆☆

ہر چہرہ اپنا تھا، ہر چہرے سے جدائی محال تھی۔ مگر یہاں رہنا بھی تو محال تھا۔ بوجھل دل کے ساتھ سب سے الوداع ہو کر وہ انٹرنیشنل ڈپارچر کی طرف مڑا۔ ڈیوٹی پہ موجود اہلکار کی طرف پاسپورٹ اور ٹکٹ بڑھاتے ہوئے اس کا جی چاہا کہ مڑ کر ایک بار ابو، امی کو دیکھے۔ اس نے ہلکی سی گردن موڑ دیکھا تو امی ابو اس کے پیچھے ہی چلے آئے تھے۔

"مت جاؤ بیٹا۔" امی نے وہ جملہ دہرایا جو اس کا ویزا لگ جانے کی خبر سننے کے بعد سے سینکڑوں دفعہ ادا کر چکی تھیں۔

"مت پریشان کرو اسے۔ دعا کے ساتھ رخصت کرو۔" ابو نے امی کو تنبیہ کی۔ وہ سمجھ دار انسان تھے۔ وہ جانتے تھے اب بیٹے کو روک نہیں سکتے۔ اور جانا شاید اس کے لیے بہتر بھی تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ ایک بار پھر ابو کے گلے لگا، امی کو گلے سے لگا کر پیار کیا اور پیچھے کھڑے بہن بھائیوں کو ہاتھ ہلا کر نم آنکھوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔

وہ جا رہا تھا دور۔ یہاں سے بہت دور۔

☆☆☆

گوٹھ سے آئے مہمان ولیمہ کی صبح ہی چلے گئے تھے۔ مصطفیٰ امین، عباس اور مرک خولہ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں آج کا دن اس کے ساتھ گزار کر صبح سویرے نکلنا تھا اور مرک کو اس کے ہاسٹل چھوڑ کر گوٹھ جانا تھا۔

مصطفیٰ امین کی شفقت وہی تھی، مرک کا خلوص وہی تھا، عباس کی مستیاں وہی تھیں مگر ایک شخص کے بدل جانے سے لگتا تھا کہ دنیا بدل گئی۔ ہر چہرہ بدل گیا۔ وہ شرمانا بھول گئی تھی کوئی بات نہیں، سب کو لگا کہ پڑھی لکھی خود اعتماد لڑکی ہے، ایسے یہ رنگ ڈھنگ نہیں آتے۔ مگر وہ مسکرانا بھول رہی تھی یہ بات سب کے لیے اچنبھے کی تھی اور مصطفیٰ امین کے لیے پریشانی کی۔ انہوں نے نرمی سے سبھاؤ سے چند ایک سوال بھی کیے۔ اس نے بمشکل خواہ مخواہ مسکرا مسکرا کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر ایسا تھا کہ مصطفیٰ امین مطمئن ہوئے نہ تھے۔

"ضامن میری اولاد میں سے سب سے الگ ہے۔ اسے سمجھنا کچھ مشکل ہے مگر جب کوئی سمجھ جاتا ہے تو سوائے محبت کے اس کے لیے کوئی اور جذبہ محسوس نہیں کر سکتا۔" وہ پتا نہیں بہو کو کچھ بتانا یا سمجھانا چاہ رہے تھے یا بیٹے کے لیے اپنی دلی کیفیات بیان کر رہے تھے۔ خولہ کو سمجھ میں نہ آئی۔ اس کا تو بس چہرے کا رنگ بدلا یہ سن کر۔

"میں انہیں خوب سمجھ گئی ہوں بابا اور سوائے نفرت کے ان کے لیے کوئی اور جذبہ محسوس نہیں کرتی۔" اس نے سوچا تھا۔

رات عباس نے باربی کیو کا پروگرام رکھ لیا۔ خود ہی اس کے ماما بابا اور اقصیٰ تیمور کو انوائٹ بھی کر لیا۔ بابا بابا تو نہیں آئے جیسا کہ اسے اور ضامن کو امید تھی۔ اقصیٰ اور تیمور بچوں کے ساتھ آئے تھے۔ اقصیٰ نے محسوس کیا تھا کہ خولہ چپ چپ سی تھی۔ مہندی کی رات جو بات بے بات کھلکھلا رہی تھیں، وہ اب نہیں تھیں۔ اس نے کریدنا بھی چاہا مگر سامنے خولہ بنت زید تھی، جب جو جتنا بتانا ہو بتاتی تھی، جب جو جتنا چھپانا ہو، چھپا لیتی تھی۔

صبح ضامن ان تینوں سے ملے بنا گھر سے نکل گئے تھے۔ مرک کی کلاس کی وجہ سے انہیں جلدی نکلنا تھا ورنہ وہ ان کا انتظار کر لیتے۔ مصطفیٰ امین کو اس نے

www.pklibrary.com

جاتے ہوئے بہت آزردہ دیکھا تھا۔ اسے ان پہ ترس آیا تھا۔ آج سے پہلے اسے لگتا تھا کہ باپ بیٹے کے بیچ اگر تعلقات خوشگوار نہیں ہیں تو یقیناً قصوروار مصطفیٰ امین ہوں گے۔ مگر آج اسے ایسا نہیں لگ رہا تھا۔

مصطفیٰ امین نے ایک بار پھر انہیں گوٹھ آنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر ہلایا تھا، وعدہ وہ کر نہیں سکتی تھی۔

"میری چھٹیاں ہوں تو پھر آیئے گا۔ پہلے نہیں۔" ترک نے جلدی سے تاکید کی۔ اس نے پھر سر ہلا دیا تھا۔

ان کو رخصت کرنے کے بعد وہ کمرے میں چلی آئی۔ کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی پھر گلاس وال کی سلائیڈ ہٹا کر بالکونی میں چلی آئی۔ نگاہوں کے سامنے کچھ گھر اور پھر ان سے پرے تاحد نگاہ پھیلا ہوا سمندر تھا۔

ایسا گھر ایسا منظر اس کا خواب تھا۔ پروفیسر زید ابصار جب گھر بنوانے کا ارادہ رکھتے تھے تو اس نے ایسی ہی جگہ پہ پیارا سا گھر بنانے کی خواہش کی تھی مگر پروفیسر صاحب جیسے ایماندار اور تنخواہ دار بندے کے لیے اس پوش علاقے میں گھر بنوانا یا خریدنا ممکن نہ تھا۔ آج وہ شہر کے مہنگے ترین علاقے کی دو کنال کی کوٹھی میں کھڑی تھا۔ من پسند منظر نگاہ کے سامنے تھا مگر وہ خوش نہ تھی۔

اس کی نگاہ نیچے بھٹکتے ہوئے پھر ان سبز پتوں پہ چلی گئی تھی جس پہ سفید اور گلابی پھولوں کے گچھے ابھی بہت کم تھے۔ بیل ٹیرس پہ پوری طرح چڑھی نہ تھی ابھی۔ کیا ضامن مصطفیٰ کو پتا تھا کہ اسے ان پھولوں سے عشق ہے۔

اس نے سوچا اور پھر سر جھٹکا۔

"پتا نہیں یہ بیل پہلے لگی ہو گی یا دھوکے کا رشتہ پہلے شروع ہوا ہو گا؟"

گیٹ کھلا اور ضامن مصطفیٰ کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ ٹراؤزر شرٹ میں آج بھی وہ ہمیشہ کی طرح بہت ہینڈسم لگ رہے تھے مگر دل کی دھڑکن انہیں دیکھ کر معمول کے مطابق رہی۔ نہ تھمی نہ ہی تیز ہوئی۔ دل کا رابطہ اس شخص کے ساتھ واقعی ختم ہو گیا تھا۔ وہ نظریں پھیر کر سمندر کی لہروں کو دیکھنے لگی۔

ضامن نے اسے وہاں کھڑے دیکھ لیا تھا اس لیے کمرے میں داخل ہونے کے بعد سیدھے اس کے پاس آئے تھے۔

"السلام علیکم۔ گڈ مارننگ۔"

وہ ان سے بات نہ کرنا چاہتی تھی مگر تھی تو مسلمان ناں۔ منہ ہی منہ میں سلام کا جواب دیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

اسے حیرت اس بات پہ ہوتی تھی اور پھر غصہ اس بات پہ آتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ یوں مخاطب ہوتے تھے جیسے ان کی وجہ سے ایسا کچھ ہوا ہی نہ تھا جس سے اس کی زندگی میں بھونچال آ گیا تھا۔ وہ اس ڈھٹائی پر دانت پیس کر رہ گئی تھی۔

"ترک چلی گئی؟"

"ترک چلی گئی، عباس چلا گیا اور بابا بھی چلے گئے۔" وہ ان کی طرف مڑی اور کونین جیسے لہجے میں گویا ہوئی۔ "ضامن مصطفیٰ کسی ایک رشتے کے ساتھ تو سچے ہوں گے آپ؟"

"ہوں۔ تمہارے ساتھ۔" جواب میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ ہوئی۔ اس بیان پہ وہ بیخ پا ہوئی۔

"مرتے دم تک ایک ٹانگ پہ کھڑے رہ کر یہ اسٹیٹمنٹ دیں گے ناں تو پھر بھی یقین نہیں کر سکتی۔" وہ پھر سمندر کی طرف دیکھنے لگی۔

"تیمور نے انوائٹ کیا ہے آج۔ یاد ہے ناں۔" انہوں نے موضوع تبدیل کیا۔

"مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ کہیں بھی۔"

"ٹھیک ہے۔ اقصیٰ کو منع کر دو۔" وہ آرام سے کہہ کر کمرے میں چلے آئے۔

"ایک بات پوچھ سکتی ہوں۔" وہ بھی پیچھے پیچھے آئی۔

"اجازت کی ضرورت نہیں۔"

"کہاں سے آئے ہیں آپ؟"

"قبرستان سے۔"

www.pklibrary.com

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ اسی جواب کی امید تھی اسے۔

"اب تو آپ کا مقصد پورا ہو چکا ضامن مصطفیٰ! اب قبرستان جانے کا مقصد؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ڈرامہ کرنے کی اب تو ضرورت نہیں رہی پھر مری ہوئی ماں کو تو بخش دیں۔"

وہ جیسے اس کی بات کی تہہ میں پہنچے تھے۔ ان کا چہرہ سرخ ہوا۔

"وہاں میری ماں ہے۔ میں کوئی ڈرامہ نہیں کر رہا۔ نہ ہی اپنی ماں کے حوالے سے ایسی کوئی بات سن سکتا ہوں۔ آئندہ ایسی بات مت کرنا خولہ!" انہوں نے عین اس کے سامنے آکر سنجیدگی سے کہا تو وہ ہنکارا بھرتی ہوئی پھر ٹیرس کی طرف چلی آئی۔

بڑا آیا سچا۔

☆☆☆

"تمہاری بیوی انسومینیا کا شکار ہے کیا؟" اس کی کولیگ سمیرا نے پوچھا تو چند لمحوں کے لیے مرتضیٰ کچھ بھی بولنے کے قابل نہ رہا۔

"آ۔ ہاں۔ اسے نیند کم آتی ہے۔" وہ ماتھے کو ایک انگلی سے رگڑتا ہوا بولا۔

"اتنے حسین تو تم ہو نہیں کہ اس کی نیندیں اڑا دو۔" سمیرا ہنسی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

"ویسے مسئلہ کیا ہے؟"

مسئلہ۔ مسئلہ وہ اسے کیسے بتا دیتا۔ اس لیے خاموش رہا۔

"میں نے دیکھا اسے اس دن مال میں۔ فریش بالکل نہیں لگ رہی تھی۔ کمزور ہو گئی ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ دو سال پہلے جب اس سے ملی تھی تو اس کی صحت بہت اچھی تھی۔"

"ہاں۔ سلیپ ڈس آڈر کا شکار ہے۔ ٹریٹ منٹ لے رہی ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی۔ تم سناؤ۔ شادی کے بعد جاب کا ارادہ ہے یا نہیں۔ نعمان کیا کہتا ہے۔" مرتضیٰ گفتگو کو اس موضوع پہ لے آیا جس پہ بات کرتے ہوئے سمیرا باقی سب بھول جاتی تھی۔

پندرہ منٹ بعد جب وہ اس کے آفس سے نکلی تو اس نے سر بے اختیار ہاتھوں میں تھاما۔ کئی لمحے یونہی بیٹھا رہا۔

اس ایک حادثے نے ان کی زندگی کو اس قدر ڈسٹرب کیا تھا کہ اس کے اثرات اب گھر سے نکل کر باہر والوں پہ بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔ یہ ٹھیک نہیں تھا۔ بالکل ٹھیک نہیں تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ فائقہ کے ساتھ سنجیدگی سے بات کرے گا۔ بہت ہو گیا پیار محبت کا لہجہ۔ اب اسے سختی کرنے پڑے گی۔ مگر۔ اس نے تھک کے سر کرسی کی پشت کے ساتھ لگایا۔

مگر۔ چیخا چلایا تو وہ ایک بار پہلے بھی تھا۔ پھر کیا ہوا۔ وہ بالکل چپ ہو گئی۔ اس نے ڈر کر چلانا چھوڑ دیا۔ خوف زدہ ہو کر بلک بلک کر رونا چھوڑ دیا۔ سوتے سوتے چیخ کر جاگنا اور پھر کانپنا چھوڑ دیا۔ بلکہ سونا ہی چھوڑ دیا۔ وہ بالکل چپ ہو گئی۔ اب وہ تو اس سے اس حادثے کے بارے میں بات بھی نہیں کرتی تھی۔ بالکل چپ رہتی تھی۔ پھر بھی وہ تکلیف محسوس کرتا تھا کیونکہ وہ، وہ رہی نہیں تھی جو اس کالی رات سے پہلے تھی۔ وہ، وہ ٹوٹا ہوا کانچ کا گلدان ہو گئی تھی جسے جوڑنے کی کوشش میں اس نے اپنی انگلیاں فگار کر لی تھیں مگر وہ اپنی پہلے والی حالت میں آتی نہ تھی۔

☆☆☆

"کون ہے غلام نبی؟" وہ کارڈلیس کاؤنٹر پہ رکھ کر مڑا تو پیچھے ضامن مصطفیٰ کو کھڑے پایا۔

"ماموں۔ کچھ چاہیے تھا اداسائیں؟"

"ہاں۔ چائے ایک کپ۔ اور ماما سے بات کیوں نہیں کروائی میری۔"

"مجھے لگا کہ آپ ابھی مصروف ہیں۔" ضامن مصروف نہ بھی ہوتے تو غلام نبی نے ماما کو یہی جواز دینا تھا بات نہ کروانے کا۔ اس نے سوچ لیا تھا چھوٹے سائیں کی شادی ہونے کے بعد کچھ باتوں پہ سختی کے ساتھ عمل کرنے کا۔

"تمہیں پتا ہے غلام نبی کہ میں کتنا بھی مصروف

www.pklibrary.com

ہوں، مامی سے بات ضرور کرتا ہوں۔"
"ہاں پتا ہے مجھے۔" غلام نبی کی بڑبڑاہٹ اتنی تھی کہ ضامن سن نہ پائے اور کچن سے نکل کر اسٹڈی کی طرف آ گئے۔
اس چھوٹی سی لائبریری میں زیادہ تر کتابیں ان کی ماں کی تھیں، اس لیے انہیں اس کمرے سے عشق تھا۔ خولہ صبح سے اسی لائبریری میں تھی۔ مصطفیٰ امین، عباس اور مُرک کے چلے جانے کے بعد وہ بیڈ روم میں جانے سے احتراز برت رہی تھی۔ رات بھی بہت دیر سے کمرے میں آئی اور آتے ہی سو گئی۔
اندر داخل ہوتے ہوئے ضامن کے کان میں کچھ ایسے لفظ پڑے کہ وہ ٹھٹک گئے۔
"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کس سے بات کر رہی تھیں۔ میں یہ پوچھوں گا کہ کیا بات کر رہی تھیں؟"
بات ختم کر کے خولہ نے موبائل اپنے آگے کھلی کتاب پہ رکھا تو انہوں نے پوچھا۔
"عبدالہادی کے کیس کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ میں نے ایڈووکیٹ معظم ندیم سے ریکویسٹ کی ہے کہ وہ یہ کیس لڑے۔" اس نے اپنے ایک ساتھی وکیل کا نام لیا۔
"خولہ تم اس کیس کو چھوڑ چکی ہو۔"
"ہاں میں اس کیس کو چھوڑ چکی ہوں۔ میں یہ کیسے بھول سکتی ہوں۔ مگر ضامن مصطفیٰ آپ بھی ایک بات یاد رکھیں۔ ایگریمنٹ یہ ہوا تھا کہ میں یہ کیس نہیں لڑوں گی۔ اس ایگریمنٹ میں ایسی کوئی شق نہیں تھی کہ میں اس کیس کے بارے میں بات بھی نہیں کروں گی۔ اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو پھر سے کوئی ڈرامہ رچانا پڑے گا۔"
"میں نے کوئی ڈرامہ نہیں رچایا تھا۔ بار بار ایسے لفظ مت بولو۔"
"ہاہاہا۔ قربان اس جھوٹ پہ۔ کیونکہ بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ ایک ڈرامہ رچایا گیا حسین اتفاقات کا ڈرامہ، محبت کا ڈرامہ۔ میرے باپ کو بلیک میل کیا گیا۔"

"خولہ! ہمیں اس بات کو بھول جانا چاہیے۔" انہوں نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ نرمی سے کہا۔
"بھول جانا چاہیے۔ واہ۔ ضامن مصطفیٰ! بہت آرام سے کہہ دیا آپ نے کہ بھول جانا چاہیے۔ سانپ بن کر ڈستا ہے وہ کاغذ مجھے۔ آنکھ بند کرتی ہوں تو وہ سانپ مجھے اپنے باپ کے ہاتھ میں نظر آتا ہے، جس کے زہر کے اثر سے میرے باپ کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا، جس کے زہر سے میرے خواب، میری خوشیاں، میری امیدیں تڑپ تڑپ کر دم توڑ گئیں۔ آپ کی محبت کی پٹاری سے نکلے سانپ نے ایسا ڈسا کہ پانی مانگنے کا موقع بھی نہ ملا ضامن مصطفیٰ!" وہ نیلی پڑ رہی تھی۔ وہ نفرت، تنفر اور غضب سے نیلی پڑ رہی تھی۔
"خولہ! تمہیں مجھے کچھ کہنے کا موقع دینا ہوگا۔"
ضامن نے خود کو بے بسی کی انتہا پہ پایا۔
"کہیں ضامن مصطفیٰ! میں سن رہی ہوں۔ اب جو جال بچھانا چاہتے ہیں، بچھالیں۔"
اتنی بے اعتباری تھی اتنا تنفر تھا کہ ضامن کو لگا کہ وہ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیں گے پھر بھی اسے اس دل میں اس کی شریانوں میں بھاگتی دوڑتی محبت نظر نہیں آئے گی کیونکہ اس وقت اس کی آنکھوں کے اور ان کے جذبات کے بیچ ایک دبیز چادر تنی تھی۔ بلاشبہ بے اعتباری اور تنفر کی یہ چادر ان کی اپنی بچھائی ہوئی تھی۔ اس لیے اسے ہٹانا بھی اب ان کا کام تھا اور اس وقت اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ جان سکتے تھے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔
"خولہ! میں مجبور تھا۔" انہوں نے ایک کوشش کی۔
"ٹھیک ہے مان لیا ضامن مصطفیٰ! آپ بہت مجبور تھے۔" وہ ہنسی تھی۔ تنفر کی چادر مزید ایک تہہ موٹی ہو گئی۔ "بتائیں گے آپ کہ کیا مجبوری تھی۔ ہاہاہا۔ آپ کی بہن کو اغوا کر لیا تھا کسی نے یا بھائی کی گردن پہ پستول رکھ دی تھی یا پھر آپ کی کوئی ویڈیو لیک کرنے کی دھمکی دے دی تھی؟"
اس کی آنکھوں میں بے اعتباری تھی، تنفر تھا اور ہونٹوں پہ کانٹے دار ہنسی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اس وقت

www.pklibrary.com

لفظوں کی ایک کتاب بھی اس کے سامنے پڑھ دیں تو وہ یقین نہیں کرے گی، اعتبار نہیں کرے گی۔ اس لیے مزید ایک بھی لفظ کہے بنا وہ مڑے اور لائبریری سے نکل گئے۔

☆☆☆

شام کے وقت ضامن مصطفیٰ کسی سے بات کرتے ہوئے آئے تھے اور اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے موبائل تھامنے کے بجائے سوالیہ نگاہ سے انہیں دیکھا۔

''اقصیٰ ہے۔'' انہوں نے بتایا۔ اقصیٰ کی کال کل سے آرہی تھی مگر وہ یکسر نظر انداز کررہی تھی۔ اب بات کیے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے ان کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔ اقصیٰ نے اس کی آواز سنتے ہی اسے بے بھاؤ سنانی شروع کردی تھیں۔

''اقصیٰ میری طبیعت صحیح نہیں ہے۔'' اس نے بودا سا بہانہ بنانے کی کوشش کی۔ وہ بدتمیز ہنس دی تھی۔ اس کی معنی خیز ہنسی پہ اس کا چہرہ لال ہوا۔

''میں فون رکھ رہی ہوں۔'' اس نے دھمکی دی۔

''اچھا رکھ دینا فون پہلے پروگرام کنفرم کرو۔''

''میں نے کہا ناں آج نہیں آسکتے ہم۔''

''تو کل آجانا۔ بس مجھے اور کچھ نہیں سننا۔ پہلی دعوت تم نے ہماری کھانی ہے۔'' دوسری طرف اقصیٰ تھی جس کو نہ پیار سے بات سمجھ آتی تھی نہ دھمکا کر۔

''کل ہمیں کہیں اور جانا ہے۔''

''پھر پرسوں کا ڈن کرو۔''

''اقصیٰ جب ہمیں آنا ہوگا، میں بتادوں گی۔'' اس نے اکتا کر کہا۔

''خولہ! سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' اقصیٰ نے نرمی سے پوچھا۔ وہ ایک دم سیدھی ہوئی۔

''ہاں۔'' بمشکل یک لفظی جواب ادا ہوا۔

''تم کچھ عجیب ہو رہی ہو۔'' اقصیٰ نے کہہ ہی دیا۔ اسے خولہ کا برتاؤ شادی والے دن سے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ برسوں کی دوستی تھی۔ ایک ہی برتن میں کھایا پیا تھا، نظروں اور لہجوں کی تبدیلی فوراً سمجھ آتی

تھی۔ شادی اور ولیمے والے دن ضامن مصطفیٰ کی طرف سے از خود بہت سی ذمہ داریاں ان دونوں میاں بیوی نے لے لی تھیں، اس لیے مصروف رہ کر زیادہ توجہ نہ کی۔ مگر پرسوں رات جب عباس نے بار بی کیو پروگرام رکھا تھا، تب بھی اسے خولہ کی مسکراہٹ میں جان نہ لگی تھی۔

''نہیں۔ تمہارا وہم ہے۔'' بدقت کہہ پائی۔

''وہم ختم کردو۔ پرسوں ڈن ناں پھر؟''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے ہار مانی۔ اب دل کے پیچھے جو خواری ملی تھی، اس کو تو منہ دینا تھا ناں۔

وہ ضامن مصطفیٰ کا موبائل واپس کرنے کمرے میں آئی۔ وہ وہاں نہیں تھے۔ اس نے موبائل ان کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور ٹیرس پہ آگئی۔ سامنے ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ ڈوبتا سورج تھا۔ وہ کافی دیر تک یہ مسحور کن نظارہ دیکھتی رہی۔ یوں لگ رہا تھا کہ سورج آہستہ آہستہ سمندر میں اتر رہا ہے۔

وہ وہاں سے ہٹ آئی اور کمرے سے باہر نکلتے ہوئے ہوئے سامنے والے کمرے کے بند دروازے پہ نظر پڑی۔ کل سب کے چلے جانے کے بعد سے اب تک اس نے گھر کا کافی حصہ دیکھ لیا تھا۔ یہ سامنے والے دونوں بیڈ روم رہ گئے تھے۔ وہ اس کمرے کا دروازہ کھول کر اس میں چلی آئی۔ سلیقے سے نفاست سے سجا بیڈ روم کسی کے استعمال میں نہیں لگتا تھا۔ وہ ایک نظر ہر شے پہ ڈالتی ہوئی باہر بالکونی میں آگئی۔

یہ گھر کا دوسری طرف کا حصہ تھا۔ یہاں سے سامنے گھر نظر آرہے تھے۔ ایک گھر کے سامنے بنے لان پہ اس کی نظر ٹھہری گئی۔ جو خاتون اپنی بلی کو گود میں لیے نظر آرہی تھیں، اسے اس نے پہلے کہیں دیکھ رکھا تھا۔ ذہن پہ ذرا سا زور دینے کے بعد اسے یاد آگیا کہ وہ خاتون ایک شیف ہے اور شام میں کوئی کوکنگ شو کرتی ہے۔ ماما اس کا پروگرام شوق سے دیکھتی ہیں۔

''ماما آئیں گی تو ان کو اس سے ملواؤں گی۔ وہ خوش ہوں گی۔'' اس نے سوچا۔ مگر جلد ہی اسے یہ خیال رد کرنا پڑا۔ بابا ماما کو بھی اس گھر میں نہیں بھیجیں

www.pklibrary.com

گے۔ عباس نے بار بی کیو نائٹ پہ اقصیٰ اور تیمور کے ساتھ ساتھ ماما بابا کو بھی بڑے جوش میں فون کیا تھا مگر وہاں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔

اس نے کبھی ایسے گھر کی خواہش تو نہ کی تھی، جس میں اس کے ماں باپ قدم نہ دھرتے۔ وہ تو بھی یہ بھی سوچا کرتی تھی کہ شادی کے بعد ماما بابا کو اپنے ساتھ رکھے گی مگر پھر سمجھ میں آگئی کہ بابا تو کیا ماما بھی کبھی ایسا نہیں کریں گی۔

"عزت ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے خولہ! ہمیں کھانا نہ ملے، شاید ہم کچھ جی پائیں۔ مگر عزت کے بنا بالکل جی نہ پائیں گے۔ اور بیٹی کے گھر رہ کر عزت نہیں ملتی خولہ!"

"یہ کیا بات ہوئی۔ کئی لوگوں کو دیکھا ہے میں نے بیٹیوں کے ساتھ رہتے۔" اس نے بحث کی تھی۔

"بیٹی کے ساتھ رہنا کسی کی چوائس نہیں ہوتی، مجبوری ہوتی ہے۔ اور دعا کرو کہ اللہ تمہارے ماں باپ کو وہ دن نہ دکھائے۔"

اس دن خولہ کو پتا چلا تھا کہ ماما، بابا سے زیادہ پندار والی ہیں۔ ورنہ دادی اور چھوٹی پھوپھو نے انہیں ہمیشہ سب کے سامنے ہرٹ کیا تھا۔ اور وہ جواب میں کچھ نہ کہتی تھیں۔

"اچھا پھر میں اپنا گھر آپ کے پاس لوں گی تاکہ صبح شام آپ سے مل سکوں۔" اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" ماما نے ہنس کر اس کا بازو چوما۔ لیکن بعد میں وہ اس بات سے بھی منحرف ہو گئیں۔ جب بات طے ہونے کے چند دن بعد اس نے ماما سے کہا تھا کہ ضامن مصطفیٰ کا گھر اس علاقے سے بہت دور ہے۔ وہ ان سے مطالبہ کرے گی کہ وہ ماما بابا کے گھر کے پاس گھر لے لیں۔ ماما نے اس بات کو ناپسند کیا۔

"خواہش کرنا بیوی کا حق ہے مگر ڈیمانڈ کرنا نہیں۔ مجھے پسند نہیں ایسی لڑکیاں جو شادی سے پہلے یا بعد میں بھی ایسے مطالبے سامنے رکھتی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری بیٹی اچھی بیوی بنے۔ وہ کرے جو اس کے شوہر کو پسند ہے، وہاں رہے جہاں اس کا شوہر رکھے۔ ہاں کبھی وہ اس خواہش کا اظہار خود کرے تو سو بسم اللہ۔"

اسے ماما کا منع کرنا برا نہیں لگا تھا، اسے آنے والی نئی زندگی کے حوالے سے ماما کی کی گئی ہر نصیحت اچھی لگی تھی۔ وہ خود بھی ایک اچھی ہم سفر بننا چاہتی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اتنی اچھی بیوی بنے کہ ضامن مصطفیٰ اس کا ساتھ پاکر خود کو خوش نصیب جانیں جیسے وہ خود انہیں پاکر اپنے آپ پر رشک کرتی تھی۔

"تمہارا رشک بھی پچھتاوے میں بدلے گا اور تمہیں بہت اچھی طرح پتا چلے گا ضامن مصطفیٰ۔" اس نے دل ہی دل میں ضامن کو مخاطب کر کے کہا۔ اس کی آنکھوں کی سطح نم ہوئی پھر زیر آب آئی اور پھر پانی چہرہ بھگونے لگا۔ اس نے ایک قطرہ اپنے پور پہ سمیٹا اور اپنی آنکھ کے سامنے کیا۔

یہ آنسو نہ تھے، زہر کے قطرے تھے جو اس نے ضامن مصطفیٰ کے جام میں ملا کر اسے پیش کرنے تھے، اور اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا دیکھنا تھا۔

جب وہ آنے والی زندگی کا لائحہ عمل تیار کر رہی تھی اسی وقت اس نے بیک یارڈ میں وہ چہرہ دیکھا تھا۔ پہلی بار۔

☆☆☆

آج چودھویں کا چاند نہ تھا، سمندر کی وہ دیوانگی نہ تھی۔ اور دو دیوانے بھی تو نہ تھے۔ لگتا تھا کہ ساتھ ساتھ کرسیوں پہ بیٹھے وہ تو کوئی دو اجنبی تھے جنہیں اقصیٰ اور تیمور نے دعوت دے کر بڑی غلطی کر ڈالی تھی۔ اس سے زیادہ شناسا تو وہ اس رات ماہا کی سالگرہ میں لگ رہے تھے۔

ضامن مصطفیٰ تو خوش باش مطمئن جوڑے کی مثال بنے نظر آرہے تھے مگر خولہ ایسا تاثر دینے کی کوئی خاص کوشش نہ کر رہی تھی۔ اقصیٰ تو نہیں مگر تیمور پہ اٹھی اس کی نظروں میں شک کے سائے سے تھے۔ اسے لگتا تھا اس کو زمین میں دھنسانے میں تیمور نے بھی کچھ نہ کچھ تو حصہ ڈالا ہوگا۔

www.pklibrary.com

"اقصیٰ تو گھر میں دعوت رکھنا چاہ رہی تھی مگر میں نے ہی "دودریا" کا پروگرام بنایا۔ سوچا۔ نئے جوڑے کو ذرا رومانوی سا ماحول دینا چاہیے۔"

"کیوں تمہارے گھر میں رومانوی ماحول نہیں بن سکتا تھا؟" ضامن تیمور کی بات سن کر ہلکا سا ہنسے۔

"نہیں شادی کے اتنے سال بعد اب وہاں صرف جنگ کا ماحول بنتا ہے۔" تیمور نے اقصیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے برجستہ جواب دیا تو ضامن ہنس دیے اور اقصیٰ نے تیمور کے کندھے پہ مکا مارا۔

"ہمارے ہاں تو ابھی سے جنگ کا ماحول ہے۔" ضامن خولہ کی طرف تھوڑا سا جھک کر بڑبڑائے۔ آواز اتنی تھی کہ صرف خولہ کی سماعت تک پہنچی۔ وہ گڑبڑا سی گئی اور سامنے رکھے کلچ کو یونہی کھولنے بند کرنے لگی۔ تیمور انہیں یوں سرگوشی کرتے دیکھ کر کھنکارا۔

"کچھ وقت ہمیں بھی دے دیجیے۔ آخر آپ کو ملوانے میں ہمارا بھی کچھ رول رہا ہے۔" شرارت سی شرارت تھی اس کے لہجے میں۔

"کتنا رول رہا ہے آپ کا؟" خولہ نے گہری نظروں سے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ وہ ہنس دیا۔ جبکہ اقصیٰ نے چونک کر خولہ کی طرف دیکھا۔ کچھ تو کہیں غلط تھا۔ غلط نہیں تو عجیب تو ضرور ہی تھا۔

"سارا رول ہی میرا اور میری بیگم کا رہا۔" تیمور سارا کریڈٹ لے جانے کے موڈ میں تھا۔ بے خبر تھا کہ سامنے والی آنکھ اسے کس طرح دیکھ رہی ہے۔ ضامن سمجھ گئے تھے۔

"دے آر انوسینٹ" انہوں نے اسے ٹیکسٹ کیا۔ مبادا وہ کوئی ایسا جملہ نہ بول دے یا ایسا برتاؤ نہ کردے جو اقصیٰ اور تیمور کے لیے پریشان کن ہو۔ خولہ نے میسج پڑھا۔

"اینڈ یو" اس نے ریپلائی میں سوال کیا تھا جسے پڑھ کر ضامن نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی آنکھوں میں چبھن لیے انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ ضامن نے موبائل میز پر رکھ دیا۔ اور خولہ نے نظریں پھیر لیں۔ آنکھوں میں گلابی پن سا اترا۔

"سو۔ نئے جوڑے کا ہنی مون پلان کیا ہے؟" اقصیٰ شوخ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی بہت بے تکلف ہو جانے والی۔

"تاج محل دیکھنے جائیں گے۔" ضامن نے خولہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ خود کو ان کی طرف دوبارہ دیکھنے سے روک نہ پائی۔ اسے بہت کچھ یاد آیا۔ اس نے ہی ایک دفعہ باتوں ہی باتوں میں کہا تھا کہ اسے تاج محل دیکھنے کا شوق ہے۔

"واؤ۔ رومینٹک۔" اقصیٰ کے منہ سے بے اختیار ستائشی انداز میں نکلا۔

"میں بھی تمہارے لیے ایسا ہی مقبرہ بنواؤں گا اقصیٰ۔ مجھے بھی تم سے بہت محبت ہے۔" تیمور کے برجستہ کہنے پہ وہ دونوں ہنس پڑے۔ جبکہ اقصیٰ اسے گھور کر رہ گئی۔

کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر ٹہلنے کے بعد گپ شپ لگانے کے بعد جب ماہا تیمور کے کندھے سے لگی سو گئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو الوداع کیا اور اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ گئے۔

"ہم تاج محل نہیں جائیں گے۔" خولہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا۔ سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہاں محبت کی کوئی یادگار نظر نہ آتی تھی۔

"تمہارا دل چاہتا تھا تاج محل دیکھنے کو خولہ۔" انہوں نے گاڑی ریورس کر کے لین میں سے نکالتے ہوئے گئے دنوں کی کوئی یاد تازہ کرنا چاہی۔

"اب میں چاہتی ہوں کہ لوگ خولہ بنت زید کو دیکھنے آئیں۔ محبت کا ایک عظیم الشان مقبرہ بنا ڈالا ہے جسے آپ نے۔"

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.pklibrary.com

ماہنامہ کرن

اپریل 2024ء کے شمارے کی ایک جھلک



- عید کے حوالے سے شاہین رشید کا سروے،
- رائٹر "سعدیہ عزیز آفریدی" سے ملاقات،
- "تاش گھر" ایمل رضا کا سلسلہ وار ناول،
- "سنگ ریزہ" سنیعہ عمیر کا مکمل ناول،
- "سپاس گزار" میمونہ صدف کے ناولٹ کی آخری قسط،
- "میرے مہرباں" شمائلہ والعباد کا ناولٹ،
- "تو میرا رنگ عید" قرۃ العین خرم ہاشمی کا ناولٹ،
- فرح انیس، جویریہ مریم، مریم شہزادا اور صبا واجد کے افسانے اور مستقل سلسلے،

"کرن کتاب"

"بیوٹی ٹپس، مفید ٹوٹکے اور مزیدار کھانوں کی ترکیبوں کے ساتھ"

اپریل 2024ء کا شمارہ شائع ہوگیا

www.pklibrary.com

نمرہ احمد

مالا

انتیسویں قسط

اسکرین پر وہ اپارٹمنٹ سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ اب وہ ایک کار کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کار کی نمبر پلیٹ غائب تھی۔ ڈرائیور کا چہرہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے سبز اور نیلا ٹائی اینڈ ڈائی لباس پہن رکھا تھا اور اس کی پونی دائیں بائیں جھول رہی تھی۔ آدمی اندھیرے میں تھا۔ وہ ڈرائیونگ ڈور کی طرف چلا گیا۔ پھر اس نے ٹرنک کھولا۔ اس کا بیگ اندر رکھا۔

"وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔" آفیسر نے جتا کے دہرایا۔

فرنٹ سیٹ کے دروازے پر ہاتھ رکھے مالا نے گردن موڑ کے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے ماہر کو لگا وہ اسے دیکھ رہی ہے۔

"وہ مرضی سے نہیں گئی۔ وہ کیمرہ میں دیکھ رہی ہے۔ وہ اسے کسی دباؤ کے تحت لے کر گیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ بعد میں پولیس یہ ویڈیو دیکھے گی۔"

پھر وہ پلٹ گئی۔ اب وہ کار میں بیٹھ رہی تھی۔

"اس آدمی کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔"

"وہ اسے اسلحے کے بغیر بھی بلیک میل کر سکتا ہے۔ واللہ یہ معلوم کرنا تمہاری جاب ہے، وکرم! میری نہیں۔" وہ جھنجھلا کے سیدھا ہوا۔ سارجنٹ میجر نے گہری سانس لی۔

"مرد شادی کیوں کرتا ہے؟ تاکہ اس کی زندگی میں ایک ایسی اچھی اور شریف عورت آئے جو اس کی زندگی کو خوب صورت بنا دے۔"

(مالا کے اپارٹمنٹ پہ صبح طلوع ہو رہی تھی۔ ایک کونے میں حورعین اپنے اسٹرولر میں لیٹی تھی۔ پولیس اہلکار اردگرد گھومتے مختلف چیزوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ چند چیزیں وہ پلاسٹک بیگز میں ڈال رہے تھے۔ ماہی سائیڈ ٹیبل کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسے کچھ دکھائی دیا تھا۔ ایک ننھا سا سفید لفافہ جو کتابوں کے درمیان دبا تھا۔ کیا وہ کوئی خط چھوڑ کے گئی تھی؟ اس نے مڑ کے دیکھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے دھیرے سے لفافہ نکالا اور اسٹرولر کے چھجے میں چھپا دیا۔ وہ اس خط کو باہر جا کے پڑھے گی۔ ان مانیٹرز کے سامنے نہیں۔)

"ایسی عورت جو نہ صرف اپنے مرد کو خوش رکھے بلکہ اس کی نرمی سے اصلاح کر کے اس کو بدل بھی دے۔"

(تہمینہ بیگم کو آکسیجن ماسک لگا تھا۔ وہ آنکھیں جھپکا کے چھت کو دیکھ رہی تھیں۔ اندرانی ان کی پائنتی کے ساتھ بیٹھی ہلکی آواز میں کہہ رہی تھی۔)

"پولیس زیاد کو ڈھونڈ رہی ہے۔" اندرانی نے اسکرب اور ماسک پہن رکھا تھا۔

"مجھے کاغذ اور قلم لا کر دو۔" انہوں نے دھیرے سے ماسک اتارا۔ چہرہ آدھے سے زیادہ گل

www.pklibrary.com

سڑ چکا تھا اور اس سے بدبو اٹھ رہی تھی۔)

"ایسی اچھی عورت جو اپنے شوہر سے برے کام چھڑوا سکے۔ وہ اپنے شوہر کو اپنے جیسا نیک بنادے۔"

(پولیس کے اہلکار یکے بعد دیگرے اس گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ وین کوور میں واقع وہ گھر تھا جسے نگینہ بیگم نے کرائے پر لے رکھا تھا۔ بیسمنٹ کو جاتا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ چند اہلکار چیونٹیوں کی طرح نیچے جا رہے تھے۔

بیسمنٹ کا طویل ہال خالی تھا۔ ایک ستون کے ساتھ ایک کھلی ہتھکڑی گری تھی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔)

"ایسی اچھی عورت جو آخری دم تک اپنے شوہر کا ساتھ نبھائے۔ جو اس کی کمی کوتاہی کے باعث اس کو چھوڑ نہ دے۔ عورت مشکل میں ہی شوہر کا ساتھ نہ نبھائے تو کیا فائدہ اچھی عورت سے شادی کرنے کا؟"

(یہ ایک سفید سی راہداری تھی جو RCMP (رائل کینیڈین ماؤنٹڈ پولیس) کے مسنگ پرسن ڈیپارٹمنٹ کے باہر بنی تھی۔ سنگی کرسیاں قطار میں رکھی تھیں اور وہ دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ حورعین کا اسٹرولر اب وہاں نہیں تھا۔ عباد اس کو لے گیا تھا۔

ماہر نے نگاہ اٹھا کے گھڑی کو دیکھا۔

نو گھنٹے بیت چکے تھے۔)

"میں تمہارے ساتھ وفادار تھا۔ آخری دم تک وفادار، میں نے [illegible] کر دیا۔ روپے پیسے کی تنگی نہیں ہونے دی۔ پھر بھی تم نے مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔"

(نگینہ بیگم بدقت قدرے اٹھ کے بیٹھیں، ایک نوٹ پیڈ پر چند الفاظ گھسیٹ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے قلم چھوڑ دیا۔ وہ نیچے جا گرا۔ اندرانی اسے اٹھانے

مکمل ناول



www.pklibrary.com

کو جھکی۔ پھر دیکھا، ان کے بیگ میں خون آرہا تھا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ وہ اب اپنا ماسک واپس لگا رہی تھیں۔ اس نے نوٹ پیڈ لیا اور سائیڈ ٹیبل پر الٹا کر کے رکھ دیا۔ وہ انگریزی میں لکھا ایک نوٹ تھا۔ وہ اسے نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اسے ڈاکٹر کو بلانا تھا۔)

"عورت تو نسلوں کو سنوار سکتی ہے۔ عورت تو انسانیت کو بدل سکتی ہے۔ پھر تم مجھے کیوں نہیں بدل سکیں؟"

وہ لکڑی کے گھر میں دیوار سے لگی نیچے بیٹھ رہی تھی۔ زیاد نے اسے کوئی انجکشن لگایا تھا اور ساتھ ساتھ وہ کچھ بول بھی رہا تھا۔ مالا نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا، پھر اوپر جھولتے فانوس کو۔

"تم مجھے کیوں نہیں بدل سکیں؟" اس نے دیکھا، زیاد سلطان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

مالا کے خشک ہونٹوں نے دھیرے سے حرکت کی۔

"جس عورت نے تمہیں بدلنا تھا، وہ تمہاری ماں تھی۔"

اور آنکھیں بند کرلیں۔ اب ہر طرف اندھیرا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ ٹھنڈ کے احساس سے کھلی۔ بدقت پلکیں جھپکائیں۔ اندھیرا چھٹتا گیا۔

وہ کراہ کے سیدھی ہونے لگی۔ لیکن زمین ہل رہی تھی۔ زلزلہ آرہا تھا کیا؟

مالا چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔ پھر بدقت کہنی کے بل سیدھی ہوئی۔

وہ ایک سرمئی کمرے کے کونے میں فرش پر گری ہوئی تھی۔ یہ کیسا کمرہ تھا؟

سلور دیواروں والا کمرہ۔

اور وہ ہل رہا تھا۔ وہ کیوں ہل رہا تھا؟

اس نے پھر سے پلکیں جھپکائیں۔ منظر مزید واضح ہوا۔

وہ کمرہ چل رہا تھا، نہیں، وہ کمرہ نہیں تھا۔ وہ کوئی ٹرک تھا۔ یا شاید کنٹینر، وہ سڑک پر دوڑ رہا تھا۔

وہ کسی کنٹینر میں تھی۔

اس نے بدقت دیوار پر ہاتھ مارنا چاہا لیکن ہاتھ میں جان نہیں تھی۔ وہ واپس نیچے گر گیا۔

چند لمحے وہ دیوار سے لگی گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ اس کمرے میں بہت ٹھنڈ تھی۔ اوپر چھت پر ایک وینٹ بھی لگا تھا۔ کیا اس سے ہوا آرہی تھی؟ کیا باہر بھی اتنی ٹھنڈ تھی؟ آج موسم خوش گوار تھا۔ بلکہ گرمیاں آرہی تھیں۔ پھر کیوں؟

اس کے سر کے پیچھے دیوار میں ایک ننھی سی جالی تھی۔ ایک ہاتھ جتنی، وہ بدقت خود کو گھسیٹ کے اس طرف لے جانے لگی۔ اسے اس جالی کے پار دیکھنا تھا۔ چند قدم دور جا کے اس کے جسم کو جھٹکا لگا۔

اس کا پیر ہتھکڑی سے بندھا تھا، اور اس سے ننھی زنجیر دیوار میں لگے لوہے کے کنڈے سے جڑی تھی۔ وہ اس سے آگے نہیں جا سکتی تھی۔

اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے جالی کے پار دیکھنا چاہا۔ اس طرف بھی ویسا ہی چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کنٹینر کا دوسرا حصہ۔

وہاں ایک اور قیدی موجود تھا۔

ایک گھنگریالے بالوں والی لڑکی۔ اس کے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی بندھی تھی۔ اور وہ کروٹ کے بل زمین پر گری تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ کیا وہ زندہ تھی؟

اس نے بغور دیکھنا چاہا۔ اس کا جسم ہل رہا تھا۔ کیا یہ ٹرک کے چلنے کے باعث تھا یا وہ سانس لے رہی تھی؟ نہیں۔ وہ سانس لے رہی تھی۔ وہ زندہ تھی۔ اس کے ہاتھ پیر میلے تھے۔ بہت میلے، ناخنوں میں گند پھنسا تھا اور بال الجھے الجھے تھے جیسے عرصے سے سنوارے نہ گئے ہوں۔ البتہ اس کا چہرہ ملائم اور خوب صورت تھا۔ کسی قسم کے زخم اور خون سے پاک۔ کنپٹی اور تھوڑی پر زخم کے نشان کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔

ایک جھٹکے سے کمرہ ہلا۔ شاید کنٹینر نے کوئی موڑ کاٹا تھا۔ اس نے بدقت خود کو دوسری طرف گرنے سے بچایا۔

www.pklibrary.com

دماغ نے بالآخر جاگنا شروع کر دیا تھا۔

وہ زندہ تھی۔

کیونکہ وہ جانتی تھی زیاد سلطان اسے نہیں مارے گا۔

اس کے پاس وقت تھا۔ لیکن کتنا؟

☆☆☆

اس اونچی چھت والے سفید کاریڈور میں سوگواریت چھائی تھی۔ ہر کونے میں ایک نقلی پودا سجا تھا اور فضا میں سیاہی اور تازہ پرنٹ شدہ کاغذوں کی مہک تھی۔

نشی کرسیوں میں سے ایک پر ماہ بینہ بیٹھی تھی۔ موبائل اسکرین پہ چہرہ جھکائے، وہ اسی ایک ویڈیو کو بار بار دیکھ رہی تھی۔ مالا سبز نیلے لباس میں ملبوس کار میں بیٹھ رہی ہے۔ بیٹھنے سے پہلے اس نے پلٹ کے ایک دفعہ کیمرہ میں دیکھا ہے۔ بار بار آنسوؤں سے اسکرین دھندلی ہو جاتی۔

قدموں کی آواز پہ ماہی نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔ وہ سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ آستینیں پیچھے موڑے، بڑھی شیو اور رت جگے کے باعث گلابی ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ خاموشی سے ساتھ آ بیٹھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں پولیس آفیسرز؟" ماہی نے امید سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ زیاد کی نہ کار ٹریس ہو رہی ہے نہ فون۔ وہ اس شہر میں کھو گیا ہے کہیں۔ اس کے گھر سے بھی کچھ نہیں ملا۔ بیسمنٹ میں..." اس نے تھوک نگلا۔ "کسی انسان کے رہنے کے نشانات ملے ہیں۔ فارنزک ٹیم اس جگہ سے ملنے والے تمام سیمپل اکٹھے کر رہی ہے۔"

"ہلال۔" ماہی نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ اپنی بہن کو ڈھونڈ رہا تھا اور وہ اپنی۔

"اب انہیں یقین آ گیا ہے کہ مالا اپنی مرضی سے نہیں گئی؟"

"زیاد نے اس کا فون ٹریش کین میں ڈالا ہے۔ ظاہر ہے وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی۔" وہ چڑچڑا لگ رہا تھا۔ کہنیاں گھٹنوں پر رکھے، آگے کو جھک کے بیٹھے، اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

"وہ کیسے اس پہ بھروسہ کر سکتی ہے؟"

"آپ نے خود کہا کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی۔"

ماہی نے چہرہ اٹھا کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"لیکن اس نے کسی کو اعتماد میں بھی نہیں لیا۔"

وہ چپ ہو گئی۔ کاریڈور میں دو پولیس آفیسرز آپس میں بات کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔

"وہ کہاں جا سکتا ہے۔" وہ سر ہاتھوں میں گرائے بڑبڑا رہا تھا۔ "وہ مالا اور ہلال کو لے کر کہاں جائے گا؟ ہم اس کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتے۔"

پھر اس نے چونک کر ماہی کو دیکھا۔ "کیا اس نے زیاد کے پاس واپس جانے کا ذکر کیا تھا؟"

ماہی نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ وہ گہری سانس لے کر پیچھے ہو کے بیٹھا۔

"مجھ سے کیا تھا۔ زیاد اس کو واپس حاصل کرنے کے لیے ہلال کو آزاد کر دے گا، یہ اس نے کہا تھا۔"

ماہی نے جواب نہیں دیا۔ لب بھینچ گئے اور آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔ ایک جان قربان کر کے ہم دوسری کو نہیں بچا سکتے۔"

وہ تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ ماہی کے ماتھے کی سلوٹیں برقرار رہیں۔ بس وہ سامنے سفید دیوار کو دیکھنے لگی۔

"زیاد اسے لے کر کہاں جا سکتا ہے؟" وہ بھی اب سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس سفید دیوار کو جس پر ایک بھی دھبہ نہ تھا۔

"کیا ہم کبھی جان سکیں گے؟"

"نمبرز۔ نمبرز کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔" وہ خود

www.pklibrary.com

سے بڑبڑایا تھا۔

ماہی نے جیسے چڑ کے اسے دیکھا۔

"ہم سرخ والٹ نہیں ڈھونڈ رہے، ماہر ہے، جو نمبرز ہماری مدد کریں۔"

"نمبرز ہمیشہ ساری داستان سنا دیتے ہیں۔ مالا نے کھونے سے پہلے کیا کیا، اگر تم اس کی ایک ٹائم لائن بناؤ تو..."

"میں پولیس کو کئی دفعہ بتا چکی ہوں، میری اس سے چار دن سے کوئی بات نہیں ہوئی۔" وہ بے زار ہوئی۔

اور اس وقت... سفید دیوار پر جمی اس کی نظریں بے اختیار ماہی کی طرف مڑیں۔

"اس نے میرے فون سے تمہیں کال کی تھی۔ دو دن پہلے۔ تم نے کال نہیں اٹھائی تھی۔"

"نہیں تو۔ اس نے مجھے آپ کے نمبر سے کیا، اپنے نمبر سے بھی چار دن سے رابطہ نہیں کیا۔"

لیکن وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ وہ موبائل نکال کے کال لاگ دیکھ رہا تھا۔ وہاں سرخ رنگ میں چند غیر شناسا نمبرز تھے۔ ٹیلی مارکیٹرز کی کالز جو امریکہ و کینیڈا میں مسلسل آتی رہتی تھیں۔ ماہر نے تیزی سے فہرست نیچے کی۔ اس تاریخ میں ماہی کا نمبر کہیں نہیں تھا۔

(وہ شیلڈن کے گملے تلے رکھا نوٹ نکال رہا تھا۔ فائنڈ می۔)

"اس کا کریڈٹ نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے تمہیں کال کرنے کے لیے فون مانگا تھا۔"

"مالا کبھی کسی کا فون نہیں مانگا کرتی۔" ماہی کو جیسے برا لگا۔

فون پہ جھکا اس کا چہرہ ساکت ہو گیا۔ انگلیاں ٹھہر گئیں۔

"اور وہ کسی کو شاپنگ پہ ساتھ چلنے کو بھی نہیں کہتی۔" وہ بڑبڑایا۔ پھر تیزی سے چند بٹن دبائے۔

(وہ شیلڈن کے گملے تلے رکھا نوٹ نکال رہا تھا۔ فائنڈ می۔)

اب وہ سی سی ٹی وی ویڈیو اسکرین پر چل رہی تھی جس میں مالا زیادی کی کار میں بیٹھتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے نیلا سبز لباس پہن رکھا تھا۔

"یہ ڈریس... یہ اس نے میرے ساتھ خریدا تھا۔" وہ غور سے اسکرین دیکھ رہا تھا۔ "اس نے مجھ سے میری رائے مانگی تھی۔ میں حیران ہوا تھا۔ وہ مجھے شاپنگ پہ ساتھ لے کر گئی تھی۔ کیوں؟" وہ چہرہ اٹھا کے سفید دیوار کو دیکھنے لگا اور اس کے کونوں میں رکھے نقلی پودوں کے سبز پتوں کو۔

وہ دن کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ وہ دونوں شاپ میں کھڑے تھے۔ مالا ریک پر آویزاں ہینگرز الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ وہ ایک ایک ڈریس باہر نکالتی۔ پھر اس پر ہاتھ سے ٹٹول کے کچھ تلاش کرتی۔ پھر اسے واپس رکھ دیتی۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ وہ ان ملبوسات پر کچھ تلاش کر رہی تھی۔ کیا؟

(وہ شیلڈن کے گملے تلے رکھا نوٹ نکال رہا تھا۔ فائنڈ می۔)

سفید دیوار اب سیاہ اندھیرے میں بدل چکی تھی۔ اس نے اپنی یادداشت کو کھنگالا۔ مالا کے ہاتھوں نے ہینگر واپس رکھ دیے۔ اب وہ الٹے قدموں اس شاپ سے واپس نکلتے دکھائی دیے۔ وہ پیچھے کرتا گیا۔ اب وہ دونوں مال کی راہداری میں کھڑے تھے۔

"جانتے ہو ہر وقت کسی کے ریڈار کے نیچے رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے؟" وہ ایک دکان کی شیشے کی دیوار کے ساتھ کھڑے تھے اور وہ سوگوار سی کہہ رہی تھی۔ شیشے کے اس پار بہت سے جوتے سجے تھے۔ ہائی ہیلز اسٹائیلیٹو۔ ایک کچے سیب کے رنگ کی بھی تھی۔ مالا کی نگاہیں اس پہ جمی تھیں۔

"یہ احساس کہ ہر وقت کوئی آپ کا تعاقب کر رہا ہے۔ آپ کو دیکھ رہا ہے۔"

اور وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں تلے حلقے تھے۔ کیا وہ بیمار تھی؟

"مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ چلو گے؟"

www.pklibrary.com

وہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ پہ چلنے کو کہہ رہی تھی۔ پھر وہ کہاں گئے تھے؟ اس نے اپنی یادداشت کو فاسٹ فارورڈ کیا۔

وہ ونرز گئے تھے۔ ملبوسات لینے وہاں وہ ہینگرز الٹ پلٹ کرتی رہی تھی۔

ہیں۔ وہ ٹھہرا۔

اس سے پہلے... وہ ایک دوسری شاپ میں گئے تھے۔ مالا ایک ریک تک گئی تھی۔ اس نے ایک سفید پیکٹ اٹھایا تھا۔ کاؤنٹر پر بل پے کیا اور اس کی طرف واپس آئی۔

("جانتے ہو ہر وقت کسی کے ریڈار کے نیچے رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے؟ یہ احساس کہ ہر وقت کوئی آپ کا تعاقب کر رہا ہے؟")

وہ سفید پیکٹ اس کے سامنے اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی۔

("یہ احساس کہ ہر وقت کوئی آپ کو دیکھ رہا ہے۔")

وہ پیکٹ بیگ میں رکھے اب ونرز کی طرف جا رہے تھے۔ وہ اب ہینگرز الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ وہ ہر لباس کو باہر نکالتی۔ پھر اس پر انگلیوں سے ٹٹول کے کچھ دیکھتی۔ اسے کسی شے کی تلاش تھی۔ وہ کیا دیکھ رہی تھی۔

"بٹن۔" اس نے آنکھیں کھولیں۔ سفید دیوار، نقلی پودے، اور ساتھ حیران سی بیٹھی ماہی... وہ سب اسے دیکھ رہے تھے۔

"وہ ان ملبوسات پر بٹن تلاش کر رہی تھی۔ موٹے اور چوڑے بٹن۔"

"مگر کیوں؟"

"کیونکہ اس سے پہلے... وہ ایک اور اسٹور تک گئی تھی۔ اس نے سفید پیکٹ والی ایک شے خریدی تھی۔" وہ واپس موبائل اسکرین روشن کرنے لگا۔

(وہ شیلڈن کے گملے تلے رکھا نوٹ نکال رہا تھا۔ فائنڈ می۔

فائنڈ می کے "می" کا ای ٹیڑھا سا تھا۔ وہ ای نہیں تھا۔ اس نے ای کے آخر میں ہلکی سی لائن لگا دی تھی۔ وہ وائی تھا۔)

"کیا؟" ماہی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"اس نے نوٹ پر فائنڈ می نہیں لکھا تھا۔ اس نے فائنڈ مائی لکھا تھا۔"

وہ تیزی سے موبائل اسکرین روشن کر رہا تھا۔ ماہی نے اچنبھے سے اس کے وال پیپر کو دیکھا جس پر ہلال کی تصویر تھی۔ ماہر کا انگوٹھا اسکرین کو دائیں بائیں کرتا ایک ایپ پر ٹھہر گیا۔ فائنڈ مائی۔

"اس نے میرا فون تمہیں کال کرنے کے لیے نہیں مانگا تھا۔ اس نے میرے ساتھ اس اسٹور سے ایک ایئر ٹیگ خریدا تھا۔ اس نے وہ ایئر ٹیگ میرے فون پہ ڈالا تھا۔"

(ایئر ٹیگ ایک ننھا سا آلہ ہے جسے لوگ اپنی چابیوں، والٹ اور ایسی چیزوں میں ڈالتے ہیں جن کے کھونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اور اپنے موبائل سے وہ ان چیزوں کی لوکیشن کو دیکھ سکتے ہیں۔)

"فائنڈ مائی" ایپ کھل گئی تھی۔ سامنے ماہر فرید کی چند ڈیوائسز دکھائی دے رہی تھیں۔ لیپ ٹاپ۔ کمپیوٹر۔ ایئر پوڈز۔ چابیاں۔ وہ فہرست نیچے کرتا گیا۔

وہاں ایک نیا ایئر ٹیگ بھی درج تھا۔ وہ جسے اس نے وہاں درج نہیں کیا تھا۔

اس نئے ٹیگ کا نام "مالا" تھا۔

"وہ زیادہ پہ بھروسا کر کے اس کی زندگی میں نہیں گئی تھی۔" وہ جیسے خود سے بول رہا تھا۔ بے یقین نگاہیں اسکرین پر جمی تھیں۔

"وہ جانتی تھی، وہ ہلال کو واپس نہیں کرے گا۔ خود اس کے لیے بھی نہیں۔ وہ اس کا موبائل بھی کچرے میں ڈال دے گا۔ پولیس اس کو نہیں ڈھونڈ سکے گی۔ اس لیے اس نے وہ لباس خریدا تھا اس کے بٹن تھے۔ ایئر ٹیگ ایک چوڑے بٹن کے سائز کا ہوتا ہے۔ اس نے ایک بٹن کو ٹیگ سے بدل دیا تھا۔ وہ

www.pklibrary.com

زیاد پہ بھروسا نہیں کرتی تھی۔ وہ زیاد کو دھوکہ دے رہی تھی۔ ہم اس کی لوکیشن معلوم کر سکتے ہیں۔"

وہ موبائل لیے تیزی سے اس طرف بھاگا جہاں وکرم کا آفس تھا۔

☆☆☆

اس سرمئی دیواروں والے کنٹینر کے کونے میں بیٹھی کشمالہ مبین نے بازو گھٹنوں کے گرد پھیلا کے، ٹھوڑی ان پر جمائی ہوئی تھی۔ کمرہ اسی طرح چل رہا تھا۔ وہ سڑک پر آگے بڑھ رہے تھے۔ کہاں؟ وہ نہیں جانتی تھی۔

اس نے دو انگلیوں سے گریبان پر لگے بٹن کو چھوا۔ وہ قطار میں نیچے تک آتے تھے۔ بڑے بڑے گول بٹن۔ اس نے تیسرے بٹن پر انگلی رکھی۔ اس کے اندر نتھا، گول سا سلور ائیر ٹیگ چھپا تھا۔

کیا وہ اسے تلاش کر لے گا؟

☆☆☆

"یہ مسئلہ ہوتا ہے ان عام شہریوں کے ساتھ جو پولیس کو انوالو کرنے کے بجائے خود ڈی ٹیکٹو بن جاتے ہیں۔"

اس کمرے میں چند کمپیوٹر اسکرینز رکھی تھیں۔ دو سارجنٹ میجران پر جھکے، ماہر کا فون ساتھ رکھے، کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک کونے میں وکرم کے ساتھ کھڑا تھا۔ بے چینی سے بار بار پہلو بدلتا۔

"ہم اس کو ٹریس کر سکتے ہیں یا نہیں؟" اس نے دوسری دفعہ پوچھا۔

"اگر تمہاری فرینڈ پولیس کے پاس آتی تو زیادہ بہتر تھا۔" وکرم نے افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"ائیر ٹیگ تمہارے فون سے کنیکٹڈ ہے۔ اور ہم اس کی آخری لوکیشن دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ لوکیشن کشمالہ کی بلڈنگ کی ہے۔ کیونکہ..." اس نے وقفہ دیا۔ وہ ایک بازو سینے پر لپیٹے، دوسرے ہاتھ کے ناخن دانتوں سے کتر رہا تھا۔

"کیونکہ ائیر ٹیگ ایک ایسی ڈیوائس ہے جس کو اپنی لوکیشن تمہیں بھیجنے کے لیے ایک چیز چاہیے۔"

"انٹرنیٹ؟"

"ہاں۔ انٹرنیٹ۔ ائیر ٹیگ کے اندر انٹرنیٹ نہیں ہوتا۔ اس کی بیٹری کو چارجنگ نہیں چاہیے ہوتی، بلکہ وہ ایک سال تک چلتی ہے، لیکن اس کے باوجود ائیر ٹیگ اپنی لوکیشن تمہارے فون پہ تب بھیجے گا جب اس کے پاس انٹرنیٹ ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں۔"

مگر وکرم سنے بغیر کہہ رہا تھا۔

"یعنی... اس ائیر ٹیگ کو انٹرنیٹ تب ملے گا جب اس کے قریب کوئی آئی فون یا ایپل ڈیوائس ہوگی۔ وہ خود کو ان کے انٹرنیٹ سے جوڑ لے گا اور ہمیں اپنی لوکیشن بھیج دے گا۔"

"مالا کا فون اس نے پھینک دیا تھا۔ اپنا فون شاید وہ ساتھ لے کر نہیں گیا۔ لیکن ان کے قریب کسی کا تو فون ہوگا۔ کسی راہ چلتے انسان کا۔"

"کہا نا۔ لوگوں کو خود ڈی ٹیکٹو نہیں بننا چاہیے۔" اس نے مایوسی سے شیو کے بال کھجائے۔ "دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ کسی ایسی جگہ پر ہے جہاں اس کے دور دور تک کوئی انسان نہیں ہے جس کے پاس اسمارٹ فون ہو۔"

"اور دوسری؟"

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"یہ کہ زیاد کو معلوم ہو گیا کہ وہ ائیر ٹیگ ساتھ لیے ہوئے ہے۔ اور اس نے اسے کہیں پھینک دیا ہو۔"

"یعنی اب ہم صرف انتظار کریں گے کہ کوئی اسمارٹ فون اس کے قریب سے گزرے؟"

"ماہر! ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ پولیس کے پاس آ جاتی تو بہتر تھا۔"

اس نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلائی۔

"وہ ہر پل اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے کہے الفاظ سن رہے تھے۔ تم نہیں جانتے کہ یہ کیسا ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں۔" وہ شکستگی سے کہہ رہا تھا۔

www.pklibrary.com

"کون؟"

ماہر نے کندھے اچکا دیے۔ وکرم نے گہری سانس لی۔

"تمہارا اشارہ ان چیزوں کی طرف ہے جو زیاد کی بیسمنٹ سے ملی ہیں؟" وکرم نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔ اس کی میز پر ان چیزوں کی تصاویر رکھی تھیں۔ زعفران کے کاڑھے، پتلے، الو کی کھوپڑی، سوئیاں۔

"وہ جادو میں ملوث تھا۔"

"میری ماں بھی ان باتوں پہ یقین رکھتی ہے۔" وکرم نے بچ کی آواز نکالی۔ "لیکن ہم ان چیزوں کا کچھ نہیں کر سکتے، ماہر۔ جادو فری اسپیچ کے تحت آتا ہے۔ اور اس کو اس ملک کے قانون میں پروٹیکشن حاصل ہے۔ ہم کسی کو جادو کرتے پہ گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"اسی لیے وہ تمہارے پاس نہیں آئی۔" وہ ایک افسوس بھری نظر اس پہ ڈال کے دروازے کی طرف بڑھا۔ جب وکرم بول اٹھا۔

"ایک تیسری وجہ بھی ہو سکتی ہے۔"

ماہر چونک کر پلٹا۔ سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"ائیر ٹیگ ایک تیسری وجہ کے باعث بھی اپنی لوکیشن نہیں بھیج پاتا۔"

"کیا؟"

"یہ کہ وہ شدید گرم یا شدید ٹھنڈے درجہ حرارت میں رکھا جائے۔ ایسی صورت میں وہ ضائع ہو جاتا ہے اور اس کو پہننے والے کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔"

ماہر نے میز پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا اور اسکرین پر درجہ حرارت دیکھا پھر شانے اچکا دیے۔ آج موسم خوش گوار تھا۔ نہ زیادہ گرم، نہ زیادہ ٹھنڈا۔

☆☆☆

وہ کنٹینر کا کمرہ اسی طرح چل رہا تھا۔ بنا کسی جھٹکے کے۔ جیسے وہ کسی خالی سڑک پر بنا مقابلے کے چل رہا ہو۔ وہ کونے میں بیٹھی، گھٹنوں پر چہرہ رکھے ہوئے تھی۔ اس کے عقب میں لگی جالی کے پار وہ لڑکی اسی طرح پہلو کے بل بے سدھ گری ہوئی تھی۔ کیا وہ زندہ تھی؟ ہاں وہ زندہ تھی۔ ایسے مت سوچو، مالا۔ اس نے جھرجھری لی۔ وہ تمہیں ڈھونڈ لے گا۔ اپنی بہن کے لیے ہی سہی، وہ تمہیں تلاش کر لے گا۔

وہ جانتی تھی ائیر ٹیگ اپنی لوکیشن تب بھیجے گا جب اس کی رینج میں کوئی آئی فون ہوگا۔ زیاد اسے اپنے ساتھ جہاں بھی لے جائے گا، وہاں کوئی تو دوسرا انسان ہوگا۔ اور اس ملک میں ہر دوسرے شخص کے پاس ایپل ڈیوائس تھے۔ انٹرنیٹ تھا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آس پاس ایک بھی انسان نہ ہو۔ شاید زیاد سڑک کنارے اس ٹرک کو روک دے۔ شاید قریب سے گزرتی کوئی کار بھی رک جائے۔ تھوڑا سا وقت مل جائے اور اس کا ٹیگ کسی راہگیر کے فون سے خود کو جوڑ لے۔

وہ جانتی تھی زیاد سلطان، جو اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا، ہلال کو واپس نہیں کرے گا۔ لیکن وہ اسے ہلال کے پاس لے جائے گا۔ اسے بس اتنا سا وقت چاہیے تھا۔ اور تب تک ماہر اسے تلاش کر لے گا۔

اسے زیاد سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا چاہیے تھا۔ اور یہ صرف تب ہو سکتا تھا جب پولیس زیاد سلطان کو رنگے ہاتھوں پکڑے۔

وہ تب تک محفوظ نہیں ہوگی جب تک وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہیں جائے گا۔ اس نے بے چینی سے اپنے تیسرے بٹن کو چھوا۔

ماہر اسے ڈھونڈ لے گا۔ اپنی بہن کے لیے ہی سہی، وہ اسے ڈھونڈ لے گا۔

اس نے زور سے بازو اپنے گرد لپیٹ لیے۔ اسے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ کیا وہ خوف زدہ تھی؟ کیا خوف ٹھنڈ میں اضافہ کرتا تھا؟

مالا نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔

کنٹینر کی چھت کے قریب ایک وینٹ سا بنا تھا۔ اس سے ہوا نکل رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا۔

باہر ٹھنڈ تھی کیا؟ اس نے بے چینی سے پہلو

www.pklibrary.com

بدلا۔ آج تو موسم درمیانہ تھا۔ پھر اسے ٹھنڈ کیوں لگ رہی تھی؟

☆☆☆

ماہی کافی کا کپ پکڑے کاریڈور میں واپس آئی تو وہ وہاں نہیں تھا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ ماہر کہاں گیا؟

اس عمارت کے باہر ایک روشن دن پھیلا تھا۔ سڑک کے دوسری جانب تاحد نگاہ سبزہ پھیلا تھا اور وہاں سفید پتھریلے بنچ رکھے تھے۔ وہ ایک بنچ پر بیٹھا تھا، سر ہاتھوں میں گرائے۔ خاموش۔

وہ کافی کے دونوں کپ اٹھائے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ پھر ایک کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"کافی؟"

ماہر نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ دن کی روشنی میں اس کی آنکھوں تلے حلقے زیادہ نمایاں تھے۔ کافی دیکھ کے وہ پھیکا سا مسکرایا اور کپ تھام لیا۔ وہ بنچ کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اب ان کے سامنے سڑک تھی اور اس کے پاس پولیس اسٹیشن کی عمارت، اندر باہر لوگ آجا رہے تھے۔ وہ دونوں چند منٹ خاموشی سے انہیں دیکھے گئے۔

"اس نے مجھ پہ بھروسا کیوں نہیں کیا؟" اس کی آواز زخمی سی تھی۔

"آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔ اس کو ڈر تھا کہ زیاد کے سرکار کے جنات اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے کہے الفاظ سن رہے ہیں۔"

"اگر وہ مجھے بتاتی تو ہم شاید کوئی راستہ نکال لیتے۔"

"وہ زیاد کو رنگے ہاتھوں گرفتار کروانا چاہتی تھی۔"

"اور اگر سب ویسا نہ ہوا جیسا اس نے پلان کیا تھا؟ تب؟" ماہر نے چہرہ موڑ کے انہی زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "اس کی جان بھی جاسکتی ہے۔ اور ہلال کی بھی۔ زیاد سے اسے جتنی نفرت ہو، اسے خود کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔"

"محبت اور نفرت ایک سکے کے دو رخ ہیں، ماہر بے۔" وہ بڑبڑائی۔ وہ چونکا۔ غور سے اسے دیکھا۔

"تم کچھ جانتی ہو؟"

ماہی نے کافی کا گھونٹ اندر اتارا۔ کیا وہ اس سفید لفافے کا ذکر کرے؟

"وہ کچھ جانتی تھی۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ سرخ اینٹوں والی روشن عمارت میں لوگ اسی طرح آجا رہے تھے۔ کسی کی زندگی پہ کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"میں نے اس سے کئی دفعہ پوچھا تھا۔ کیا وہ کچھ جانتی ہے؟ لیکن اس نے مجھ پہ بھروسا نہیں کیا۔"

"کیا آپ نے اس پہ بھروسا کیا تھا؟ اس کو سب کچھ بتایا تھا؟"

"ہاں۔ ہر وہ چیز جو میں کین کلر کے بارے میں جانتا تھا۔ میں نے اسے بتائی تھی۔"

"کین کلر کون؟"

"تمہارا بہنوئی۔ اور کون؟" وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ ماہی نے ابرو اکٹھے کرتے ہوئے کپ نیچے کیا۔

"اس کو کین کلر کیوں کہتے ہیں؟"

"کیا مالا نے تمہیں نہیں بتایا؟ وہ جب کسی کو قتل کرتا تھا تو اس جگہ پر قابیل کا نشان چھوڑتا تھا۔ اس کو کالنگ کارڈ کہتے ہیں۔ بہت سے قاتل ایسے کالنگ کارڈز چھوڑتے ہیں۔"

"قابیل کا کوئی نشان بھی تھا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بائبل کے مطابق خدا نے قابیل کے بازو پر ایک نشان بنایا تھا تاکہ وہ پہچان لیا جائے اور کوئی اسے قتل نہ کرے۔ اس کی زندگی اس کی سزا تھی۔" وہ کہہ رہا تھا اور وہ موبائل کھولے گوگل پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ ماہر نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے اسکرین پر دکھائی دیتی تصاویر دیکھ رہی تھی۔

"یہ زیاد کا نشان ہے؟" وہ بولی تو اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔

www.pklibrary.com

"کیاتم اسے پہچانتی ہو؟ یہ نشان سرکار کے بازو پر بھی ہے۔"

ماہ بینہ مبین نے الجھا ہوا چہرہ اٹھایا۔

(وہ دوبا میں اپنے اپارٹمنٹ کے صوفے پر لیٹا تھا۔اس کی آنکھیں غنودگی سے بند ہو رہی تھیں۔کوئی میز پر اس کے قریب آبیٹھا تھا۔وہ اس کے ہاتھ دیکھ سکتا تھا۔جھریوں زدہ ہاتھ۔وہ اسے کچھ کہہ رہا تھا۔

"حور جہاں کی بیٹی جاتی ہے۔")

"یہ نشان... یہ تحمینہ آنٹی کے بازو پر ہے۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔کانوں نے الفاظ سنے۔ذہن نے ان کو پروسیس کیا۔اور دل نے ماننے سے انکار کردیا۔

"زیاد کی ماں؟"

"ہاں۔یہ میں نے اس روز دیکھا تھا جب میرا والٹ کھویا تھا۔"

وہ اسی طرح اسے دیکھے گیا۔ابرو اکٹھے کیے۔ناسمجھی سے۔

"یہ زیاد کی ماں کے بازو پر کیوں ہوگا؟" اس نے سر جھٹکا۔ذہن میں وہ بوڑھی، ہوش سے بے گانہ عورت آئی۔

ایک بے ضرر وجود۔

ماہی نے جواب نہیں دیا۔کبھی وہ اسکرین کو دیکھتی۔کبھی چہرہ اٹھا کے اس کو۔

"مالا نے بھی یہ نشان دیکھا تھا۔کیا اس نے آپ کو نہیں بتایا؟"

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ماہی کے الفاظ آہستہ آہستہ دل میں جذب ہو رہے تھے۔

(وہ استنبول میں ایک ریستوران میں بیٹھے تھے۔ایک میز کے گرد، معید کی شادی سے پہلے فیملی ڈنر۔

زیاد سلطان طنز سے پوچھ رہا تھا۔

"ایسا دلچسپ جادوگر کہاں پایا جاتا ہے؟"

اور وہ سربراہی کرسی پر براجمان کہہ رہا تھا...

"وہ ایک بوڑھا آدمی ہے، تجربہ کار جادوگر۔اس کی ایک کیثر (فرقے کی پیروی) ہے۔وہ اپنا چہرہ کسی کو نہیں دکھاتا۔اسی لیے وہ کبھی پکڑا نہیں گیا۔")

وہ قدم قدم سبزہ زار پر چل رہا تھا۔پیچھے سنگی بنچ پر ماہی تنہا بیٹھی رہ گئی۔وہ اسے پکار رہی تھی لیکن ماہر نے نہیں سنا۔

("پھر وہی کہانی۔" کشمالہ بے زار ہوئی تھی۔

"کیوں کشمالہ بی بی؟ آپ کو یہ سب کہانی لگتا ہے؟")

اس نے کار کا ڈرائیونگ ڈور کھولا۔بے جان ہاتھوں سے سیٹ بیلٹ کھینچی۔اسٹارٹ کا بٹن دبایا۔پولیس اسٹیشن اور ماہی اب بہت پیچھے رہ گئے تھے۔کافی کا کپ شاید راستے میں کہیں گر گیا تھا۔

("تمہارا جادوگر ولن... جس کے کلائنٹس ساری دنیا میں ہیں... اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟" وہ افسوس سے سر ہلا رہی تھی۔

"جانتے ہو دنیا کے بڑے بڑے کلٹ لیڈرز (فرقے کے رہنما) کی پہچان کیا ہے؟")

کار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔اس کا پیر ریس پر تھا اور دماغ غنودگی میں۔

("وہ سب نارسیسسٹ مرد ہوتے ہیں جن کی انا ان کو اکساتی ہے کہ وہ اپنے گرد فالوورز اکٹھے کریں۔مردوں کی انا ان کو گمنام لیڈر بننے کی اجازت نہیں دیتی۔"

وہ بوتل کا ڈھکن کھولتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ الجھن سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس نے سبز بند گلے کی قمیص پہن رکھی تھی۔کندھے پر کام دار شال تھی۔کانوں میں جھمکے۔

"اس لیے یا تو تم ہمیں بے وقوف سمجھ کے ایک ہی کہانی دہراتے ہو۔" وہ جھکی آنکھوں کے ساتھ بوتل گلاس میں انڈیل رہی تھی۔

"یا تمہارا جادوگر کوئی عورت ہے۔"

گلاس اٹھا کے اس نے شانے اچکائے تھے۔)

ہسپتال کی عمارت کے سامنے وہ کتنی ہی دیر بیٹھا

www.pklibrary.com

رہا تھا۔ شل۔ سن۔

("ایک لمحے کے لیے میز پہ سناٹا چھا گیا تھا۔

"کوئی مرد اتنا بڑا کلٹ لیڈر بن کے گمنام نہیں رہ سکتا۔ عورت رہ سکتی ہے۔ عورت کو اتنی پذیرائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی انا جلد سیر ہو جاتی ہے۔"

"ناممکن۔" ماہر فرید نے وثوق سے کہا تھا۔ "وہ مرد ہے۔ میں جانتا ہوں۔ سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے اور اس نے یہ کیوں کہا تھا؟

کیونکہ ماہر فرید کبھی لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔)

ہسپتال کا کاریڈور اب بھی ویسا ہی ویران تھا۔ اندرائی ایک پولیس آفیسر کو بیان لکھوا رہی تھی۔ نڈر، بے پرواہ، اکتائی ہوئی، پولیس کی مسلسل پوچھ تاچھ کے باوجود اس کے اعصاب پہ کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

البتہ ماہر فرید کو آتے دیکھ کے وہ چونکی۔ اس کی رنگت بدلنے لگی۔ خوف، بے بسی، وہ نگینہ سلطان کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اسے نہیں روک سکتی تھی۔

اس کے چہرے پر لکھا تھا کہ وہ سب جانتا ہے۔

کمرے کا سفید دروازہ بنا کسی آواز کے کھلا۔

سامنے بستر پر ایک عورت لیٹی تھی۔ جیسے ہڈیوں کا پنجر ہو۔ بوڑھی، کمزور، بند آنکھیں اور ناک پر لگا آکسیجن ماسک، چہرہ آدھے سے زیادہ مسخ ہو چکا تھا اور اس پر لگی پٹیاں بھی گل سڑ چکی تھیں۔

وہ ماسک نہیں پہن سکا۔ وہ اس کمرے میں پھیلی بو سونگھ سکتا تھا۔ ارواح خبیثہ کی بو موت کی بو۔

"تم سرکار ہو؟"

چوکھٹ میں کھڑا ماہر فرید پلکیں نہیں جھپک پا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بس تعجب تھا۔ الجھن تھی۔

نگینہ بیگم نے آنکھیں کھولیں۔ اس سے نگاہ ملی۔ بڑھی شیو، بکھرے بالوں اور سرخ ہوتی حیران آنکھوں والا ماہر فرید ان کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ دھیرے سے مسکرائیں۔ کپکپاتے لاغر ہاتھ سے ماسک اتارا۔

"آؤ ماہر فرید۔ بالآخر تم نے ہمیں ڈھونڈ لیا۔"

ساتھ رکھی اسکرین پر ان کی آکسیجن سیچوریشن فوراً سے کم ہوئی لیکن وہ اتنی کم نہیں تھی کہ ان کا سانس اکھڑے۔

وہ بالکل شل سا تھا۔ ساکت، کسی روبوٹ کی طرح چلتا وہ ان کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میں نے اپنی اور تمہاری ملاقات کی تمنا برسوں سے کی تھی۔"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ان کے بستر کے قریب جا رکا۔

"تم... تم سرکار ہو؟" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

(وہ کشمالہ کا ڈرائیور کیف بن کے اس گھر میں آخری دفعہ آیا تھا۔ وہ دن جب اس نے مالا کے سامنے اپنا استعفیٰ رکھا تھا۔ وہ حور جہاں کے کمرے کی کھڑکی کے باہر تھا۔ وہ اندر بیٹھی نگینہ بیگم سے بات کر رہی تھیں۔ مالا اور زیاد کے رشتے کی بات۔ کھڑکی کھلی تھی۔ وہ باہر سے سب کچھ سن سکتا تھا پھر نگینہ بیگم نے اسے پکارا تھا۔ تب وہ ہڈیوں کا پنجر نہیں تھیں۔ وہ اس سے بہت بہتر تھیں۔ انہوں نے اسے سلیم کہہ کے پکارا تھا۔ وہ ایک بوڑھی، بے ضرر سی خاتون تھیں۔ وہ اس سے جائے نماز مانگ رہی تھیں۔ وہ جائے نماز لیے ان کے پاس آیا تھا۔ اسے پکڑاتے ہوئے اس کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے ہلکا سا ٹکرایا تھا۔ پھر کیا ہوا تھا؟

وہ مالک کے اپارٹمنٹ واپس گیا تھا۔ اور اس کا سر بوجھل ہو رہا تھا۔ وہ استعفیٰ دینے کا غم نہیں تھا۔ اسے بخار ہو گیا تھا۔ وہ سرکار کے ہاتھ کا لمس تھا۔ اس نے اس پر کچھ پھونکا تھا۔)

وہ مسکرا رہی تھیں۔

"کیا ہم تمہاری توقعات پہ پورا نہیں اترے؟"

وہ ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"تم سرکار ہو؟"

www.pklibrary.com

"دیکھو۔ کیا حال کیا ہے تم نے ہمارا؟"
ماہر فرید کے ابرو اکٹھے ہوئے۔
"میں نے؟" اس نے سینے پر انگلی رکھی۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ "تمہیں اندازہ ہے تم نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟"
"ہاں۔ ہمیں سب یاد ہے۔" وہ مسکرائیں۔ "ہم نے تمہارے باپ کو برین ٹیومر سے مارا تھا۔ کس کے کہنے پہ۔"
اس کے پہلو میں گری مٹھیاں بھینچ گئیں۔ آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹکنے لگا۔
بہت سے مناظر نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔
(وہ دونوں باپ بیٹا مسکراتے ہوئے آفس کاریڈور میں آگے بڑھ رہے تھے۔ نیلے سوٹ میں ملبوس، سفید سیاہ بالوں والا خوبرو سا اس کا باپ... ان کے پرفیوم کی خوشبو... ان کی شخصیت کا وقار... اسے سب یاد تھا۔
اور پھر... ہسپتال کے بستر پر لیٹا، زرد چہرے اور کمزور وجود والا اس کا باپ، جس کے سر پر پٹی بندھی تھی۔ اور وہ نوجوان ان کی پائنتی کے ساتھ بیٹھا، ان کے پیروں پر سر رکھے ہوئے تھا۔)
"میرا باپ..." اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ آواز کپکپائی۔
"اور تمہاری ماں... اس کو سحر عشق سے بھی ہم نے بیمار کیا تھا۔"
وہ مسکرا کے بتا رہی تھیں۔ وہ ان کے کارنامے تھے۔ ان کی سب سے بڑی اچیومنٹس۔ وہ بس اس عورت کو دیکھے گیا۔ جس کا آدھا چہرہ مسخ تھا جس کے جسم سے بدبو اٹھ رہی تھی اور وہ مسکرا رہی تھی۔
(وہ بارش میں بھیگتا نوجوان... وہ سڑک کنارے بیٹھا سر جھکائے رو رہا تھا۔ اس کی ماں اس کے ٹیومر زدہ باپ کو چھوڑ رہی تھی۔ اس کی ماں کسی اور سے شادی کرنے جا رہی تھی۔ وہ اس کو سمجھا سمجھا کے تھک گیا تھا۔)

"اور ہلال... وہ جس کو پانے کی ہمیں تمنا تھی۔"
(وہ بالائی منزل پر بنے لونگ روم میں ونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔ سیاہ لباس پہنے، وہ سوگواریت سے کھڑکی سے نظر آتی شہر کی جلتی بجھتی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ تب وہ ساتھ آکے بیٹھی تھی۔ وہ ننھی سی گھنگریالے بالوں والی لڑکی۔ اس نے گردن موڑ کے اسے دیکھا تھا۔ اسے نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں، مڑی ہوئی پلکیں، اور گال میں بنتا گڑھا۔ وہ اس سب کو پہچانتا تھا۔ وہ اس کا عکس تھی۔)
"ہلال کہاں ہے؟"
"وہ ہمارے پاس تھی، اتنے برس سے اور تم اسے نہیں ڈھونڈ سکے۔"
وہ جیسے کسی ٹرانس سے نکلا۔ تیزی سے ان کے سرہانے تک آیا۔
"ہلال کہاں ہے؟" وہ بولا تو بھیگی آواز ایسی تھی جیسے سانس چڑھ گیا ہو۔
"اسے زیاد لے گیا ہے۔ کہاں؟ ہم نہیں جانتے۔ لیکن تم اسے کبھی نہیں ڈھونڈ پاؤ گے، ماہر۔"
ماہر نے تھوک نگلا۔ بہت سے آنسو جیسے اندر ہی دبالیے۔ پھر وہ دھیرے سے ان کے سرہانے پر جھکا۔
"تم سرکار ہو؟" اب وہ حیران نہیں تھا۔ اب اس کی آنکھوں میں طیش تھا۔ نفرت تھی افسوس تھا۔
"ہاں۔ ہم سرکار ہیں۔" مسخ چہرے والی عورت مسکرائی۔
"اور ہم تمہیں برسوں سے جانتے تھے۔ تم ہی ہمیں نہیں جان سکے۔" پھر ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ جلے ہوئے ہونٹوں والی مسکراہٹ۔
"ہم یہ بھی جانتے تھے کہ سبرینہ زندہ ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اسی شہر میں ہے۔ ہم ہمیشہ تم سے ایک قدم آگے رہے ہیں۔"
"کیا مل گیا تمہیں یہ سب کر کے؟" وہ ترحم اور دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرہ ابھی تک ان کے اوپر

www.pklibrary.com

جھکا تھا۔

"ملے گا۔ ابھی ملے گا۔ لیکن تم نہیں سمجھو گے۔"

"تمہیں ہلال سے کیا چاہیے؟"

وہ ہلکا سا ہنس دیں۔ پھر تکلیف سے کراہ نکلی۔ ہنسنے سے ان کی جلی ہوئی جلد میں جیسے درد کی ٹیسیں اٹھتی تھیں۔

"زیاد کہاں ہے؟ مجھے بتادو۔ شاید تمہاری اٹکی ہوئی روح کو نجات مل جائے۔"

"وہ ہمارا بیٹا ہے، ماہر۔ ہم اس کی آخری دم تک حفاظت کریں گے۔" اسے لگا ان کی آنکھوں کا کنارہ بھیگنے لگا ہے۔ پھر اس کی نگاہ ان کے سر تلے رکھے تکیے تک دوڑ گئی۔

فائبر بالز سے بھرا تکیہ۔ پھولا پھولا اور بھاری۔ کسی کے منہ پر رکھ دو تو اس کی کراہ تک نہ نکلے۔

اسے بہت کچھ یاد آیا۔ اس کے مرتے ہوئے باپ کے سر تلے بھی ایسا ہی تکیہ تھا۔ اس کی ماں کی لاش تلے بھی یہی تھا۔ سائیک وارڈ میں اس کے قید خانے میں بھی ایسے تکیے تھے۔

"میں چاہوں تو ایک پل میں تم سے اپنی زندگی کے تمام بدلے لے لوں، تمینہ بیگم۔" وہ سیدھا ہوا۔ اور نفی میں سر ہلایا۔ "لیکن ماہر فرید قاتل نہیں ہے۔" اسے افسوس اور ترحم سے دیکھتا وہ پیچھے ہٹنے لگا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم مرو۔ میں چاہوں گا کہ تم زندہ رہو، سرکار۔ اور تم جان کنی کی ساری تکلیفیں جھیلو۔ تم موت کو بار بار دیکھو اور اس کی تمنا کرو۔ لیکن وہ تمہیں قبول کرنے سے انکار کر دے۔" وہ نفی میں سر ہلاتا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ وہ ابھی تک مسکرا رہی تھیں۔ تکلیف سے ان کی آنکھوں میں پانی آرہا تھا۔

سائیڈ ٹیبل پر وہ نوٹ پیڈ اسی طرح الٹا رکھا تھا۔

☆☆☆

لوہے کا کمرہ ساکن ہو چکا تھا۔ چند لمحے وہ گہرے سانس لیتی رہی۔ ہر سانس کے ساتھ ہر آہٹ گنتی رہی۔

اور پھر ایک کنڈا کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ بازو مزید اپنے گرد لپیٹ لیے۔

آنکھیں دروازے پہ مرکوز تھیں۔

دروازے میں شگاف ابھرا اور تیز روشنی اندر داخل ہوئی۔ مالا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پھر پلکیں جھپکائیں۔ روشنی غائب ہوگئی۔ زیاد سلطان اوپر چڑھتا کنٹینر کے اندر آیا اور اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔

"تم نے سمجھا تم مجھے بے وقوف بنا لوگی؟"

وہ کونے میں بیٹھی، کمر دیوار سے لگائے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے نہیں مارے گا نہیں مارے گا۔ دل نے تسلی دی۔

"کتنی ہی دفعہ ہم اس پوزیشن میں آئے ہیں، کشمالہ؟" وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا اور افسوس سے اس کے سفید چہرے کو دیکھا۔ پھر اس کی کلائی کو۔

"تم، میں، اور زنجیریں۔"

وہ سانس روکے اس کو دیکھے گئی۔

"لیکن یہاں کوئی بک شیلف نہیں ہے جس کو تم گرا سکو۔ کوئی پولیس نہیں ہے جسے تم مدد کے لیے بلا سکو۔" وہ نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ ہلال ہے نا؟"

ابرو سے پیچھے بنی جالی کی طرف اشارہ کیا۔ زیاد نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"تم اب بھی اس کی بہن کا سوچ رہی ہو؟"

"تمہارا مسئلہ میرے ساتھ ہے۔ مجھے رکھ لو۔ اس کو جانے دو۔" اس نے زنجیروں والے ہاتھ اکٹھے کیے۔

"پلیز، زیاد۔ وہ ایک چھوٹی سی بچی ہے۔"

"میں تم سے اپنی اور تمہاری بات کرتا ہوں، اور تم اس کو سوچ رہی ہوتی ہو؟" زیاد کے چہرے پر زخمی سا تاثر ابھرا۔

"جب میں اپنی اور تمہاری بات کرتی تھی تو تم

www.pklibrary.com

"کس کو سوچتے تھے؟" وہ ہاتھ نیچے کر کے ایک دم چلائی۔ چہرہ سرخ ہوا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"تم سبرینہ کو سوچتے تھے۔ تم میرے اندر اس کو ڈھونڈتے تھے۔" اس نے خود کو چلاتے سنا۔ یہ اسکرپٹ کا حصہ نہیں تھا۔ اسے زیاد کے سامنے چیخنا نہیں تھا۔ اسے اس کی منت کرنی تھی۔ مگر... اسے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

"مت ظاہر کرو کہ تم جیلیس تھیں۔ تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو تم جیلیس ہوتیں۔" زیاد نے ہونہہ میں سر جھٹکا۔

"جیلیس؟ میں جیلیس نہیں ہوں۔ یہ انکشاف ہے۔" اس کی آواز اونچی ہوئی۔ کیا کوئی اس کی آواز سن سکے گا؟ کیا کوئی باہر سڑک سے گزر رہا ہوگا؟

"میں جان گئی ہوں کہ تم میرے اندر کس کو تلاش کرتے تھے۔"

زیاد سلطان نے جیسے اس کو سنا ہی نہیں۔ وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم نے غلط انتخاب کیا، کشمالہ۔ تم نے میرے اوپر اس کی بہن کا انتخاب کیا۔"

اس نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر کلائی پر بندھی گھڑی کو۔

"چار سے پانچ گھنٹے۔ بس اتنا وقت ہے تمہارے پاس۔"

اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔ وہ اسی سپاٹ انداز میں کھڑا جیسے فیصلہ سنا رہا تھا۔

"تم اس وقت آبادی سے بہت دور ہو۔ اور یہ..." نگاہیں گھما کے دائیں بائیں دیکھا۔ "یہ ایک فریزنگ ٹرک ہے۔ چار سے پانچ گھنٹے میں یہ تمہارے جسم کا درجہ حرارت اتنا کم کر دے گا کہ تمہارا سانس بند ہو جائے گا۔" وہ اب دروازے کے قریب لگے ایک سرمئی بورڈ کے بٹن دبا رہا تھا۔ ایک دم وینٹ سے تیز سرد ہوا نکلنے لگی۔ مالا نے بے اختیار اپنی زنجیر کو دیکھا۔ وہ بہت چھوٹی تھی۔ وہ اس بورڈ تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"یہ بورڈ پاس ورڈ پروٹیکٹڈ ہے۔ تم چاہو بھی تو اس کا درجہ حرارت کم نہیں کر سکتیں۔" وہ واپس پلٹا اور دیکھا کہ وہ اپنی زنجیروں کی لمبائی دیکھ رہی تھی تو گہری سانس لے کر بتایا۔

"یہ ٹرک اس وقت ایک ان ٹچڈ لینڈ میں ہے۔ ایک جنگل جہاں آج تک انسانوں نے قدم نہیں رکھے۔ یہاں دور دور تک کوئی نہیں ہے۔" وہ جیسے اسے خبرنامہ پڑھ کے سنا رہا تھا۔

"تم مجھے یہاں مرنے کے لیے چھوڑ کے جا رہے ہو؟" اس نے بے یقینی سے زیاد سلطان کو دیکھا۔

یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اسے نہیں مار سکتا تھا۔ وہ اس پر ہاتھ اٹھا سکتا تھا، اس کا دل توڑ سکتا تھا، اس پہ جادو کر سکتا تھا، لیکن زیاد سلطان اس کی جان نہیں لے سکتا تھا۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"تم ابھی میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف ہی نہیں ہو، کشمالہ۔" اور اسی سرد مہری سے وہ پلٹ گیا۔ دروازے کا لاک کھولتے ہوئے وہ رکا۔

"تم نے سمجھا تھا تم مجھے دھوکہ دے کر اس کے ساتھ چلی جاؤ گی۔ لیکن تم اپنی آخری سانس تک مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔" طنز، افسوس۔ جیسے اسے مالا کی عقل پہ حیرت ہو۔

گرم آنسو اس کے سرد چہرے پر پھسلتے رہے۔ وہ اب پلٹ کے لاک کھول رہا تھا۔ وہ اب جانے لگا تھا۔ وہ شاید آخری دفعہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"سبرینہ زندہ ہے۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ لبوں سے سرد دھواں سا نکلا۔

زیاد کے ہاتھ ٹھہر گئے۔ پلٹ کے اسے ایسے دیکھا جیسے سردی نے اس کے ذہن پر اثر کر دیا ہو۔

"کون؟"

"تمہاری سبرینہ مری نہیں تھی۔ اسے وٹنیس پروٹیکشن مل گئی تھی۔ میں اس سے بات کر چکی

www.pklibrary.com

ہوں۔ وہ زندہ ہے۔"

وہ بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا جیسے وہ اس کی دماغی حالت کا اندازہ کر رہا ہو۔

"نہیں یقین آیا؟ جب وہ زخمی ہو کے سڑک کنارے گری تھی، اور اس کے پاس نیلے اور زرد رنگ کا کیک گرا تھا۔ اور تم نے قابیل کا نشان بنایا تھا۔ اس نے تب آنکھیں کھول کے تمہیں دیکھا تھا۔ تمہاری نگاہ ملی تھی۔ تم نے ماسک پہن رکھا تھا۔ ہے نا؟ یہ کسی پولیس فائل میں نہیں لکھا۔ یہ اس نے مجھے بتایا تھا۔"

وہ پلک نہیں جھپک سکا۔ جیسے سانس جم گئی تھی۔ کشمالہ مبین سے پہلے وہ برف کا مجسمہ بن گیا تھا۔

"اور تمہاری ماں ... تمہاری جادوگرنی ماں ... وہ برسوں سے یہ بات جانتی ہے۔ اس نے تم سے یہ بات چھپائی تھی۔ اس کے جنات اس کو خبر دے چکے تھے۔ لیکن وہ تمہیں سبرینہ سے دور کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ سبرینہ اس ایکسیڈنٹ کے بعد ماں نہیں بن سکتی تھی اور سرکار کو تمہارا بچہ چاہیے تھا۔" ایک نگاہ جالی کے پیچھے ڈالی۔ گھنگریالے بالوں والے وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ شاید اٹھ رہی تھی۔

"جاؤ... زیاد... اور اگر میں جھوٹ بول رہی ہوں تو جو میری سزا میں قبول کروں گی۔ لیکن تم اپنی ماں کا سچ جاننے کے بعد ایک دفعہ میرا سامنا ضرور کرو گے۔" ہر لفظ کے ساتھ منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔

زیاد سلطان نے جواب نہیں دیا۔ وہ چند لمحے گم صم سا اسے دیکھے گیا، پھر پلٹ گیا۔

"زیاد ... میری بات سنو" وہ زور سے چلائی۔ لیکن وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے اسے لاک کر رہا تھا۔

"زیاد۔" وہ زور سے چلائی۔ آواز بھیگنے لگی۔

کیا یہ آخری دفعہ تھا جب وہ اس کی قید میں آئی تھی؟

کیا صیاد اور پرندے کا کھیل ختم ہونے جا رہا تھا؟

اس نے گہرا سانس لیا اور خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ وہ مزید توانائی نہیں خرچ کر سکتی تھی۔ ابھی موسم ٹھنڈا تھا لیکن اتنا نہیں کہ اس کا خون جمنے لگے۔ اس کے پاس وقت تھا۔

اور تب اس نے وہ آواز سنی۔

وہ باریک آہستہ آواز۔

"میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

مالا نے چونک کر گردن موڑی۔ جالی کے پار وہ اس لڑکی کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھ رہی تھی۔

"تم جانتی تھیں کہ میں آؤں گی، ہلال؟"

"میں تم سے بات نہیں کر رہی، مالا۔" وہ بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

"میں اس سے کہہ رہی ہوں جو ہمارے ساتھ موجود ہے۔"

کشمالہ مبین کا سانس منجمد ہو گیا۔

اس نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہاں ایک دھڑکن تھی۔

اور اس سے نیچے۔

ایک دوسری دھڑکن بھی تھی۔

"مجھے معلوم تھا بدر آئے گا۔" وہ لڑکی کہہ رہی تھی۔

"تمہارا بیٹا... بدر۔"

☆☆☆

ٹرک کو ایک جنگل ویرانے میں چھوڑ کے زیاد سلطان چند کوس تک پیدل چل کے آیا۔ یہاں ایک رکی ہوئی کار سڑک کنارے کھڑی اس کی منتظر تھی۔ چونکہ چابی اس کی جیب میں تھی، اس لیے قریب جاتے ہی کار کے لاکس کھل گئے۔ وہ اندر بیٹھا اور اسٹارٹ کا بٹن دبایا تو انگلی کانپی تھی۔ اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔

وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کہانی گھڑ رہی تھی۔ وہ مہلت چاہ رہی تھی۔

www.pklibrary.com

تا کہ اس کا ہیرو آئے اور اس کو بچا لے۔ ورنہ سبرینہ زندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ سبرینہ مر چکی تھی۔ اس نے اپنی پوری تسلی کی تھی۔ مردہ خانے کی رپورٹ۔ اس کے گھر والے۔ پولیس کی اسٹیٹمنٹ۔ ہر شے سے واضح تھا کہ وہ مر چکی تھی۔ اس نے سبرینہ کی قبر بھی دیکھی تھی۔ اس پر پھول بھی رکھے تھے۔ وہ اب بھی یو کے جاتا تو اس کی قبر پر ضرور جاتا تھا۔

پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

☆☆☆

نگینہ بیگم نے پلکیں جھپکائیں۔ نرس کمرے سے باہر جا رہی تھی۔ انہوں نے کروٹ بدلنی چاہی لیکن جسم سے شدید ٹیسیں اٹھیں۔ چہرے کے جلے ہوئے حصے سے تعفن زدہ بدبو اٹھ رہی تھی۔ باوجود احتیاط کے کمر پر پھوڑے بن گئے تھے اور ان میں کیڑے پڑنے لگے تھے۔ یہ گزشتہ رات ہی ہوا تھا اور ڈاکٹر ز ان کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھے۔ اسٹاف کی لاکھ کوششوں کے باوجود بدبو ختم ہو رہی تھی نہ کیڑے۔ ان کے وارڈ کو چند گھنٹوں قبل قرنطینہ کر دیا گیا تھا۔ زخموں کے نمونے پبلک ہیلتھ ایجنسی کو بھجوائے گئے تھے کہ کہیں یہ کوئی وبا تو نہیں۔ لیکن اب تک کسی اسٹاف یا ملاقاتی میں اس کے علامات ظاہر نہیں ہوئے تھے۔

نگینہ بیگم نے آہٹ پہ چونک کے دروازے کو دیکھا۔

کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ نیلے اسکربز میں ملبوس، چہرے پر ماسک اور سر پر جالی دار ٹوپی پہنے ہاتھوں پر دستانے، کوئی ڈاکٹر تھا۔ اب ان کے کمرے میں جو بھی داخل ہوتا وہ حفاظتی لباس پہن کے آتا تھا۔

"پپ... پانی..." انہوں نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ حلق خشک تھا، انہیں پانی چاہیے تھا۔

وہ قریب آیا۔ ماسک نیچے کیا۔ نہ بھی کرتا تب بھی وہ اس کی آنکھیں دیکھ کے ٹھہر گئی تھیں۔ آواز حلق میں اٹک گئی تھی۔

یہ وہ آنکھیں تھیں جنہوں نے پہلی دفعہ کھلنے پہ ان ہی کا چہرہ دیکھا تھا۔

"زیاد؟" وہ حیران تھیں۔ پھر چہرے پر بے چینی نمودار ہوئی۔

وہ پولیس کو مطلوب تھا۔ وہ یہاں کیسے...؟

"سبرینہ زندہ ہے؟" وہ قدم قدم چلتا ان کے سرہانے آیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"زیاد... پلیز بیٹے، یہاں سے چلے جاؤ۔ پولیس والے رات سے تمہارا پوچھ رہے ہیں۔" وہ پریشانی سے بدقت بول پا رہی تھیں۔

"یعنی وہ زندہ ہے۔" وہ شل رہ گیا۔ ساری دنیا ساکت ہو گئی۔

"زیاد... پلیز... وہ تمہیں گرفتار..." ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"وہ سچ کہہ رہی تھی۔" وہ اپنی ماں کے آنسو پہچانتا تھا۔

"وہ واقعی زندہ تھی اور آپ جانتی تھیں؟" اس کی بھیگی آواز میں غراہٹ نمودار ہوئی۔

"ہاں۔ میں جانتی تھی۔ لیکن وہ تم سے نفرت کرتی تھی۔" انہوں نے بے چینی سے دروازے کو دیکھا۔ شیشے کی دیوار کے آگے بلائنڈز برابر تھے لیکن کوئی کسی بھی وقت اندر آ سکتا تھا۔

"پلیز تم چلے جاؤ۔" انہوں نے اپنے ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ ایک ہاتھ کوڑھ زدہ گل سڑ چکا تھا۔ دوسرا تندرست تھا، وہ جانتی تھیں وہ کیا کرنے آیا ہے۔ وجہ معلوم نہیں تھی، اب ہو گئی تھی۔ سبرینہ وجہ تھی، لیکن وہ اس کے لیے تیار تھیں۔

زیاد کے لیے کچھ بھی۔

"سرکار..." وہ دھیرے سے ان کے اوپر جھکا۔

"میں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ سبرینہ کے غم پہ تعمیر کیا تھا۔ کشمالہ سے شادی سبرینہ کی امید کھو دینے پہ کی تھی۔ ہلال کو دھکا اسی کے لیے دیا تھا۔ میں نے

www.pklibrary.com

بہت کچھ سبرینہ کو مارنے کے جرم کے گلٹ میں کیا تھا۔"

وہ سیدھا ہوا اور نفرت سے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"میرے بیٹے... میں نے یہ سب تمہارے لیے کیا تھا۔" ان کے ہاتھ جڑے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے جلے ہوئے چہرے کے گڑھوں میں گم ہو رہے تھے۔

"تمہاری محبت میں..."

"وہ زندہ تھی اور تم نے مجھ سے یہ چھپایا۔"

اس کی آواز میں سرگوشی بھری غراہٹ تھی۔ ایک سرخ دھند تھی جو اس کے سامنے چھائی تھی۔

"زیاد، خود کو خطرے میں مت ڈالو۔" نگینہ بیگم نے پریشانی سے دروازے کو دیکھا۔

"ایک سچ آج تمہیں میں بھی بتاتا ہوں، سرکار۔" وہ ان کے کان کے قریب جھکا کہہ رہا تھا۔

"میں نے کبھی تم سے محبت نہیں کی۔ مجھے تم سے بھی اتنی ہی نفرت تھی جتنی میرے باپ کو تم سے تھی۔ میری محبت دکھاوا تھی کیونکہ میں تمہارے جادوؤں سے ڈرتا تھا۔ اپنے باپ کی طرح۔ لیکن آج... آج کے بعد میں نہیں ڈروں گا۔"

وہ سیدھا ہوا۔ انہوں نے پریشانی سے اس کو دیکھا، پھر دروازے کو۔

پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھے الٹے نوٹ پیڈ کو۔

"آج کے بعد مجھے کسی کا خوف نہیں۔ کسی کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ تم تینوں... کشمالہ تم اور ہلال... تم تینوں جو میری زندگی کے فیصلے کرتی آئی ہو... تم تینوں آج اپنی اپنی قبر میں اتر جاؤ گی۔" اس نے جھپٹ کے ایک تکیہ ان کے سر کے نیچے سے نکالا اور اگلے ہی لمحے اسے ان کے کوڑھ زدہ چہرے پر رکھ دیا۔

ان کے کمزور ہاتھ پیروں میں تیزی سے مزاحمت ہوئی۔ دائیں بائیں۔

جسم میں قید روح پھڑپھڑائی۔

اس نے آخری کوشش کی۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ پولیس مین پستول اس کی طرف بلند کیے اسے پیچھے ہٹنے کو کہہ رہا تھا۔ دو افراد اس کے بازو کھینچ رہے تھے لیکن وہ، پوری قوت سے تکیہ اس بوڑھی جادوگرنی کے چہرے پر دبائے ہوئے تھا۔

کسی نے زور سے اسے پیچھے کھینچا۔ لیکن تب تک تکیے تلے پھڑپھڑاتی روح کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

نرس اور اسٹاف چلاتے ہوئے مریض کا تکیہ اٹھا رہے تھے۔

زیاد سلطان قدم قدم پیچھے ہٹا گیا اور دونوں بازو فضا میں اونچے اٹھا لیے۔

نگاہیں اس بوڑھے چہرے پہ جمی تھیں۔

کسی نے پیچھے سے اس کا بازو مروڑا۔ کسی نے اسے کندھوں پر دباؤ دے کر نیچے بٹھایا۔

وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ اب دو افراد اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا رہے تھے۔

نگینہ سلطان کا چہرہ بے جان سا پڑا تھا۔ آنکھیں کھلی تھیں اور روح کب کی پرواز کر چکی تھی۔ آنکھ سے ایک آنسو نکل کے گال پر لڑھک رہا تھا۔

"زیاد سلطان.... تم ہماری حراست میں ہو۔ تمہیں خاموش رہنے کا حق حاصل ہے۔ تمہارا کہا کوئی بھی لفظ تمہارے خلاف عدالت میں استعمال ہو سکتا ہے۔"

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے بندھے تھے۔ ایک آفیسر اس کو اس کے حقوق پڑھ کے سنا رہا تھا۔ اور وہ... وہ مسکرا رہا تھا۔

وہ جس شے کی اس نے برسوں سے تمنا کی تھی۔

وہ آج پوری ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"کیسا ہوتا ہے اپنی کھوئی ہوئی بہن کو

www.pklibrary.com

ڈھونڈنا؟"

وہ سفید دیوار کے سامنے رکھی ننگی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اور ماہر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے، فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ شیشے کی دیواریں دھوپ اندر لا رہی تھیں۔ وہ بے چینی سے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا جب ماہی بولی۔

ماہر کے ہاتھ تھمے۔ گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں۔ متورم، سرخ، پانی سے بھری۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"سرخ والٹ ڈھونڈنے جیسا۔ اس کے ملنے کی امید ہاتھ سے نہیں جانے دینی ہوتی۔"

وہ واپس اسکرین پہ جھک گیا۔ وہ ایک ہی وقت میں بہت سے لوگوں سے بات کر رہا تھا۔ کافی کا ادھ بھرا کپ ساتھ فرش پر رکھا تھا۔ پولیس اسٹیشن کی ڈرپ کافی ہوٹلز کے بریک فاسٹ بفے کے جیسی تھی۔ کم کڑوی اور کم اثر۔

"اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میری بہن نے مجھ پہ اعتبار کیوں نہیں کیا؟" وہ آنسو صاف کر رہی تھی۔ مالا ایسا کیسے کر سکتی تھی؟

"اس نے مجھ پہ بھی بھروسا نہیں کیا۔" ماہر نے دھیرے سے فون پرے ڈال دیا۔ اس کے چہرے پہ زمانوں کی تکان تھی۔

"وہ سرکار کے نشان کے بارے میں جانتی تھی؟" وہ اس سوال کا جواب جانتا تھا۔ لیکن اسے تسلی چاہیے تھی۔ شاید ماہی کہہ دے کہ نہیں۔ شاید وہ اسے شک کا فائدہ...

"ظاہر ہے، وہ جانتی تھی۔ وہ اس کی ساس تھی۔ پہلے دیکھا ہو یا نہیں، میرے سامنے اس روز ہسپتال میں بھی اس نے وہ نشان دیکھا تھا۔"

ماہر نے دھیرے سے سر جھٹکا۔ وہ جانتی تھی لیکن اس نے ماہر کو نہیں بتایا۔ وہ اب بھی اس کے اعتبار کا اہل نہیں تھا۔ کیا وہ بھی کشمالہ مبین کو معاف کر پائے گا؟

کتنے ہی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

"میں اس کا نشان جانتی تھی۔ اس روز دوہا ایئر پورٹ پہ میں نے وہ نشان دیکھا تھا۔ میں آپ کو بتا سکتی تھی۔ مگر کیوں نہیں بتا سکی؟" وہ خود بھی حیران تھی۔ کیا وہ بھول گئی تھی؟ یا گفتگو کبھی اس نہج تک پہنچی ہی نہیں؟

"یہ ایسے ہی مکتوب تھا۔" ماہر نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو چکا تھا۔

"تم نے دیکھا... وہ عورت سرکار تھی۔ وہ عورت جس کو میں کبھی مارنے کا اہل بھی نہیں سمجھتا تھا۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ نگینہ آنٹی یہ سب کر سکتی ہیں۔ وہ تو ایک عام سی عورت تھیں۔ انہوں نے یہ کیسے کیا؟"

"شاید اس لیے کہ سب اس کو عام عورت سمجھتے تھے۔ شاید وہ عام عورت پیدا ہوئی تھی۔ لیکن وہ عام عورت مرنا نہیں چاہتی تھی۔" وہ دھیرے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا رخ وکرم کے آفس کی جانب تھا۔ وہی ایک مشق بار بار دہرائی جا رہی تھی۔ وہ وہاں جا کے ان سے پوچھتا تھا کہ کوئی اپ ڈیٹ ملی؟ اور وہ نفی میں سر ہلا کے کہتے تھے کہ نہیں۔

وہ ابھی راستے میں تھا جب پیچھے سے آوازیں بلند ہوئیں۔ ماہر فرید چونک کر پلٹا۔

دو آفیسرز ایک آدمی کو ہتھکڑی لگائے سامنے راہداری سے گزر رہے تھے۔ اس آدمی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ بس ایک لمحے کے لیے اسے دیکھ سکا۔ اور وہ موڑ مڑ کے آگے گم ہو گئے۔

"زیاد سلطان۔" اس کے لب بے یقینی سے پھڑپھڑائے۔

☆☆☆

لوہے کے پنجرے میں ٹھنڈ دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی۔ اس نے اپنے بازو اپنے گرد لپیٹ رکھے تھے۔ لباس پتلا تھا اور ٹھنڈ روکنے میں ناکام

www.pklibrary.com

تھا۔

"میں اس سے کہہ رہی ہوں جو ہمارے ساتھ ہے۔تمہارا بیٹا،بدر۔"

ہلال اسی کنٹینرز کے دوسرے پنجرے میں تھی۔ان دونوں کے درمیان دیوار تھی جس میں بنی ننھی سی کھڑکی میں وہ ہلال کی جھلک دیکھ سکتی تھی۔زیادہ دیر تک گردن موڑتی تو وہ درد کرنے لگتی۔سو وہ سامنے بند دروازے کو دیکھے گئی جس سے کافی دیر پہلے زیاد سلطان باہر نکلا تھا۔

"بدر۔"

ایک سرد سی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی سے گزر گئی۔

"سب سمجھتے ہیں،میں نے اسے مار دیا۔"

آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے۔

"لیکن میں اسے کیسے مار سکتی تھی؟ وہ میرا بیٹا ہے۔"

بہت سے لمحے یونہی گزر گئے۔دوسرے پنجرے میں خاموشی چھائی رہی۔

"مجھے اس کی حفاظت کرنی تھی۔مجھے اس کو بچانا تھا۔اس کے اپنے باپ سے۔اس کی دادی سے۔" وہ بند آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔گرم آنسو گال سے لڑھک کے گردن پر پھسل رہے تھے۔

جس روز ماہر فرید نے اسے بتایا تھا کہ سرکار سحر عشق سے پیدا ہوئے بچوں کو چھین لیتا ہے،اس روز اس نے ایک فیصلہ کیا تھا۔بس اسٹاپ تک جاتے ہوئے اس نے درگاہ کا نمبر ملایا تھا۔

"مجھے ایک اپائنٹمنٹ چاہیے۔ابارشن کے لیے۔"

درگاہ کا اشتہار اس نے ڈارک ویب پر دیکھا تھا۔جیسے سرکار ایک جادوگر تھی اور اپنی شناخت چھپا کے لوگوں کی زندگیوں میں سحر گھولتی تھی،ویسے ہی درگاہ ایک الوژنسٹ تھی۔الوژنسٹ جادو نہیں کرتے۔بلکہ وہ ایک الوژن (سراب) تخلیق کرتے ہیں۔

ان کے کلائنٹس کسی کو دھوکہ دینے کے لیے ان سے ایک الوژن تخلیق کرنے کا کہتے ہیں۔کوئی بہت عرصے بعد اپنی فیملی سے ملنے جا رہا ہے اور سوالات سے بچنا چاہ رہا ہے،تو الوژنسٹ اس کو ایک جعلی بیوی مہیا کریں گے جو اس کے ساتھ جا سکے۔کسی کو اپنے باس کو دکھانے کے لیے جعلی فیملی چاہیے۔کسی کو اپنی منگیتر کے سامنے یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ ایک بہت بڑی فرم میں کام کرتا ہے تو الوژنسٹ،چند گھنٹے کے لیے ایک عمارت ہائر کر کے،وہاں اداکار بٹھا کے،اس کی منگیتر کو یہ تاثر دے سکتے ہیں کہ وہ آدمی اس سے سچ بول رہا ہے۔اور اسے زیاد اور نگینہ سلطان کے جنات کو یقین دلانا تھا کہ وہ اپنے بچے کو مار چکی ہے۔

اس کا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔یہ اللہ کے سوا کوئی جان نہیں سکتا تھا۔صفورا نے برائے بات کہا تھا کہ وہ لڑکی ہو سکتی ہے۔اور سرکار کے جنات... وہ اس کی جاسوسی کر رہے تھے۔جب نگینہ بیگم نے کہا کہ وہ ان کی پوتی ہے تو وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس کی زبان سے نکلے ہر لفظ کو پکڑ رہے ہیں۔اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتے تھے نہ جان سکتے تھے۔وہ انسانی عقل کی معراج تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

آن لائن پے منٹ۔کوڈ ورڈز میں گفتگو اور درگاہ کی بتائی جگہ پر پہنچنا۔بس اتنا سا کام اس کو کرنا تھا۔یہ اتنا مشکل نہیں تھا جتنا اسے لگا تھا۔اگر وہ بسم اللہ پڑھ کے اس جعلی ابارشن کلینک کا دروازہ کھولے گی،تو کوئی موکل سرکار کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اندر کیا چل رہا تھا۔تھوڑی سی اداکاری،چند دستخط،وہ جانتی تھی کیف جمال اس کا پیچھا کر رہا تھا۔وہ یہ بھی جانتی تھی کہ زیاد کو اس کے اپارٹمنٹ کا پتا جنات سے نہیں اس کے کریڈٹ کارڈز سے معلوم ہوا تھا۔وہ اپنی ماں کے موکلوں سے زیادہ اپنے ذرائع پر بھروسا کرتا تھا۔سرکار بیمار تھی۔وہ اس وقت اس پوزیشن میں نہ تھی کہ مالا پہ جادو کروا سکتی۔وہ صرف اپنے موکلوں سے معلومات لے سکتی تھی۔اور اگر وہ ہر شے سے پہلے اللہ کا نام لے گی،تو کوئی جن،کوئی شیطان کسی جادوگر کو

www.pklibrary.com

اس کے اقدام کی خبر نہیں دے گا۔
"میں اس بچے کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ شروع میں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ لیکن پھر..."
وہ سرد دیوار سے ٹیک لگائے، زنجیروں میں بندھے ہاتھ باہم پھنسائے، مقفل دروازے کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ہلال سن بھی رہی تھی یا نہیں، اسے نہیں معلوم تھا۔
"لیکن پھر وہ میری شاپ پر آیا۔ ایک لڑکا۔ اس کا نام بدر تھا۔" وہ خود سے باتیں کر رہی تھی۔ کیونکہ دوسری جانب خاموشی تھی۔ "اس نے مجھے اس بچے کو ختم نہیں کرنے دیا۔"
آنسو آنکھوں سے گرم گرم نکلتے اور گردن تک پہنچ کے ٹھنڈے ہو جاتے۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔
"اس کی سبز آنکھیں تھیں۔ وہ عورتوں کی عزت کرتا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کون تھا لیکن وہ ہر عورت کے لیے کرسی کھینچتا تھا۔ وہ نرمی سے بات کرتا تھا۔ تب میں نے سوچا کہ میں اس بچے کو کیوں ماروں؟ اگر یہ بیٹا ہوا تو کیوں نہ میں اس کو وہ سکھاؤں جو زیاد کی ماں اس کو نہیں سکھا سکی تھی۔ میں اس کو ایسا لڑکا بناؤں جس سے کسی عورت کو بھاگنا نہ پڑے۔ میں اس میں اپنا بیٹا دیکھتی تھی۔"
پھر اس نے گردن پیچھے کو موڑی۔ وہ یہاں سے ہلال کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔ گردن میں تکلیف ہونے لگی۔
"تمہیں کیسے معلوم تھا کہ میرے بیٹے کا نام کیا ہوگا؟"
ہلال نے دھیرے سے شانے اچکائے۔ وہ دوسری جانب کچھ دیکھ رہی تھی۔
"میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ ہم ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔"
کچھ تھا اس کی آواز میں۔ کچھ سرد سا۔ مالا کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ جس کا فریزنگ یونٹ سے تعلق نہ تھا۔

اس نے اپنے بٹن کو ٹٹولا۔ پھر بے چینی سے بند دروازے کو دیکھا۔ کوئی کیوں نہیں آ رہا تھا؟ اس نے تمام کلیوز چھوڑے تھے۔ یہ اس کا اپنا ملک نہ تھا۔ یہ کینیڈا تھا۔ یہاں کی پولیس اسے ابھی تک کیوں نہیں ڈھونڈ سکی تھی؟ ماہر نے فائنڈ مائی ایپ کھول لی ہوگی۔ اب تک وہ ایئر ٹیگ کو تلاش کر چکا ہوگا۔ اسے انہیں تلاش کر لینا چاہیے تھا۔
یا کیا وہ کسی ایسے ویرانے میں تھے جہاں دور دور تک کوئی انسان موجود نہیں تھا؟ یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔
"تمہارا بھائی مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔"
اس نے آنسو پونچھے اور اب بولی تو لبوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔ "مگر مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اس کو صرف تمہیں ڈھونڈنا تھا۔ اور مجھے اپنے بچے کو اس کے باپ سے بچانا تھا۔"
"تمہیں لگتا ہے وہ تمہیں نہیں مارے گا؟" وہ بولی تو آواز آہستہ تھی۔
"اگر اسے مارنا ہوتا تو مجھے گولی مار دیتا۔ وہ مجھے اذیت دینا چاہ رہا ہے۔ وہ واپس آئے گا۔"
اس کے لہجے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا۔ "میں اس کی بیوی تھی۔ وہ مجھے کبھی نہیں مارے گا۔ محبت میں بھی نہیں۔ نفرت میں بھی نہیں۔"
وہ دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ ہونٹ بار بار دہرا رہے تھے۔ زیاد مجھے کبھی نہیں مارے گا۔ اسے امید تھی ابھی دروازہ ٹوٹ جائے گا۔
کوئی انہیں بچانے آ جائے گا۔

☆☆☆

"اسے غلط فہمی ہے کہ وہ اسے نہیں مارے گا۔"
وہ شیشے کی دیواروں سے بنے ایک ویٹنگ ہال میں بیٹھے تھے۔ ماہی نے سر ہاتھوں میں گرایا ہوا تھا جب ماہر کی آواز پہ چونک کے گردن اٹھائی اور تکان سے اسے دیکھا۔ وہ دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ بار بار بالوں میں ہاتھ پھیرتا۔ اضطراب سے سر جھٹکتا۔ ماہی کی آنکھیں ٹینس بال کی طرح اس کا

www.pklibrary.com

تعاقب کرتی رہیں۔دائیں سے بائیں۔بائیں سے دائیں۔

"وہ اسے مار دے گا۔اور وہ ہلال کو بھی مار دے گا۔میں انسانوں کے بارے میں بھی غلط نہیں ہوتا۔"

"سوائے سرکار کے۔" وہ تلخ ہوئی۔ماہر نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"اس ایک غلط اندازے کی سزا بھگت رہا ہوں۔لیکن....." بات ادھوری رہ گئی۔یونیفارم میں ملبوس وکرم سامنے سے چلتا آرہا تھا۔ماہی بے اختیار کھڑی ہوئی۔دل زور سے دھڑکا۔

"کچھ کہا زیاد نے؟" اس کی آنکھیں بھیگیں۔ وہ شخص جو جانتا تھا کہ مالا اور ہلال کہاں ہیں، وہ ان سے چند گز کے فاصلے پر ایک انٹیروگیشن روم میں بیٹھا تھا۔

"زیاد سلطان خاموش ہے۔" اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔"اس کا وکیل آچکا ہے اور وہ کچھ بھی کہنے سے انکاری ہے۔ہم اس کو چوبیس گھنٹے سے زیادہ یہاں ہولڈ نہیں کر سکتے۔پھر اسے عدالت میں پیش کر کے جیل بھیج دیا جائے گا۔"

"آپ کسی طرح اس کی زبان نہیں کھلوا سکتے؟" ماہی نے تیزی سے کہا تو وکرم نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا۔

"یہ انڈیا نہیں ہے جہاں ہم اسے الٹا ٹانگ کے ٹارچر شروع کر دیں۔وہ اس ملک کا شہری ہو یا نہ ہو، اس کے کچھ حقوق ہیں۔اور خاموش رہنے کا حق اسے قانون نے دیا ہے۔" وہ اطلاع دے کر آگے بڑھنے لگا تھا جب...

"کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟"

وکرم نے چونک کر اسے دیکھا۔پھر گہری سانس لی۔

"وہ تمہیں کیوں کچھ بتائے گا؟"

"یہ میرے اوپر چھوڑ دو۔بس مجھے اس کے ساتھ دس منٹ چاہئیں۔"

اس نے سر دائیں بائیں ہلایا۔"یہ آسان نہیں ہے۔"

"میری بہن اور اس کی بہن (ماہی کی طرف اشارہ کیا) اس وقت کہیں قید ہیں۔وہ دونوں مر سکتی ہیں۔اگر وہ مر گئیں تو ان کا خون صرف زیاد کے سر نہیں ہوگا۔" وہ انگلی اٹھا کے کہہ رہا تھا۔اس کے ماتھے کی لکیر کھنچی ہوئی تھی۔

"صرف دس منٹ۔" اس کی آنکھوں میں غصہ بھی تھا اور منت بھی۔

☆☆☆

وہ کمرا تاریک تھا۔ماہر فرید ایسے کمرے میں پہلے آچکا تھا۔جب اس نے استنبول میں ایک رات لاک اپ میں گزاری تھی۔کمرے کی ایک دیوار آئینے کی بنی لگتی تھی جو کہ دو رویہ شیشہ تھا۔اس کے دوسری طرف وکرم کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔چھت پر ایک بلب جل رہا تھا۔وسط کمرے میں ایک میز رکھی تھی۔اور اس کے پار دو دو کرسیاں۔زیاد وہاں براجمان تھا۔ہاتھ میز پر جمائے، وہ خاموش تھا۔پرسکون۔ساتھ ایک سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا تھا۔

وہ اندر داخل ہوا تو زیاد سلطان نے چہرہ اٹھایا۔ماہر پہ نگاہ پڑی تو اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"ماہر فرید۔" محظوظ انداز میں دونوں ابرو اٹھائے۔ہاتھ باہم پھنسا کے میز پر جمائے، کمر سیدھی رکھے، وہ بالکل پرسکون تھا۔

ماہر نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور قدم قدم چلتا میز کے دوسرے کنارے تک آیا۔ایک نظر وکیل کو دیکھا۔

"کیا آپ ہمیں اکیلا چھوڑ سکتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"چھوڑ سکتے ہیں۔" زیاد نے وکیل کو تاکیدی نظروں سے گھورا۔وکیل نے ناخوشی سے اسے دیکھا۔چند منٹ وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتا رہا۔پھر اٹھ گیا۔

www.pklibrary.com

وہ اس تمام دورانیے میں زیاد کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا رہا تھا۔ بلب کی روشنی سے زیاد کا چہرہ آدھا روشنی اور آدھا اندھیرے میں تھا۔ کمر بالکل سیدھی تھی۔ گردن اٹھی ہوئی تھی گویا سر یا ہو۔

''مالا کو ایک غلط فہمی ہے۔'' وکیل چلا گیا اور وہ کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھ گیا تو زیاد نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں گلابی تھیں اور آستین پیچھے کو موڑے ہوئے وہ بیمار لگ رہا تھا۔ بے چین، شکستہ، قدرے غصے میں۔

''کہ تم اسے نہیں مارو گے۔''

زیاد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ باہم ملا کے میز پر رکھ دیے۔ اس کے ہاتھوں اور زیاد سلطان کے گریبان کے درمیان چند فٹ اور بہت سے قوانین کا فاصلہ تھا۔

''لیکن مجھ سے پوچھو تو جس دن تمہیں یقین ہو گیا کہ تم اسے دوبارہ حاصل نہیں کر سکو گے، تم اسے مار دو گے۔''

زیاد سلطان نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسی مبہم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

نیم تاریک کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے ریت کی طرح انگلیوں سے پھسل گئے۔

''ہلال کہاں ہے، زیاد؟'' اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔

''کون ہلال؟'' زیاد نے ناسمجھی سے ابرو اچکائے لیکن اس کی آنکھوں میں ایک طنز تھا۔ ماہر کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ عجیب بے بسی سی بے بسی تھی۔

سامنے بیٹھا شخص سب جانتا تھا۔ وہ اس کی برسوں کی تلاش کا کلائمکس تھا۔ اس کے دو عزیز ترین لوگوں کی جان اس کی زبان سے بندھی تھی۔ اس کے لبوں سے نکلنے والا ایک لفظ ان کو بچا سکتا تھا۔

''کیا وہ دونوں زندہ ہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ زیاد نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔

''میں نہیں جانتا، تم کیا کہہ رہے ہو۔'' البتہ اس کی مسکراہٹ ہنوز قائم تھی۔

غصہ۔ طیش۔ ایک لاوا سا اس کے اندر ابلنے لگا۔ بہت ضبط سے سانس کھینچی۔

''خود کو دیکھو، زیاد۔ تم نے اپنی ماں کو مارا ہے۔ گواہ موجود ہیں۔ تم کینیڈا کی ایک جیل میں ڈال دیے جاؤ گے۔ تم ساری عمر قید رہو گے۔ ایک جیل سے دوسری جیل۔ دنیا کے بڑے بڑے کرمنلز کے ساتھ۔ تمہیں کوئی چیز یہاں سے نہیں نکال سکتی۔ تمہارا انجام لکھا جا چکا ہے۔''

زیاد کا خاموش چہرہ آدھا تاریک، اور آدھا روشن تھا۔

''لیکن اگر تم ہلال اور مالا کی لوکیشن بتا دو تو شاید تمہاری سزا میں نرمی کر دی جائے۔ پولیس خود کہہ چکی ہے۔ تم استغاثہ کے ساتھ ڈیل کر کے جلد رہا ہو سکتے ہو۔''

وہ اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔

''میں تم پر کوئی کیس نہیں کروں گا۔ میں اپنی بہن کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

خاموشی۔

''کوئی نہیں جانے گا کہ تمہاری ماں کون تھی۔ اس کے پاکستان میں رشتے دار، اس کا خاندان، کوئی اس کی سیاہ کاریوں سے واقف نہیں ہوگا۔ یہ بات یہیں دب جائے گی۔ تمہاری ماں کے سارے جادو اس کے ساتھ دفن ہو جائیں گے۔''

زیاد اب گردن ہلکی سی ترچھی کیے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموش۔ بالکل خاموش۔

''لیکن اگر میری بہن مر گئی تو تم اس جیل میں سکون سے نہیں رہو گے۔ میں تمہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ نہ میں تمہیں مرنے دوں گا۔'' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس میں بے بسی تھی، غصہ تھا۔

زیاد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''اور تمہاری ماں... پوری دنیا اس کا راز جان جائے گی۔ تمہاری مری ہوئی ماں کی عزت ختم ہو جائے گی۔''

زیاد سلطان نے بالآخر مسکرا کے کندھے

www.pklibrary.com

اچکائے۔

"ہو جائے۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟"

آدھی روشنی اور آدھی تاریکی میں اس کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔

ماہر پیچھے کو ہوا۔ پہلو بدلا۔ چند لمحے بغور اس کو دیکھے گیا۔ اس کے دس منٹ ختم ہونے کے قریب تھے۔

"تمہیں کیا چاہیے؟" اب کے بولا تو لہجہ دھیما تھا۔ سنجیدہ تھا۔ "ہر انسان کو کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ تمہیں کیا چاہیے؟"

زیاد اسی طرح مسکراتا رہا۔

"میں وہ کروں گا جو تمہیں چاہیے۔" اس کو لگا اس کی آواز کپکپائی ہے۔ اس کی پلکیں بھیگی ہیں۔ اگر ہلال ابھی زندہ ہے اور چند گھنٹوں میں وہ زندہ نہ رہی تو یہ اس لیے ہوگا کہ ماہر فرید، زیاد سلطان کی زبان نہ کھلوا سکا۔ وہ ماہر فرید جس کی پینلز اسکلز کی وجہ سے لوگ اس کو بزنس دیتے تھے، وہ جو بہترین مذاکرات کار تھا۔ وہ زیاد سلطان سے ایک ڈیل نہ کر سکا۔

"میں جانتا ہوں تمہیں کیا چاہیے۔" اب کے وہ بولا تو اس کی آواز شکستہ تھی۔

"میری زندگی۔ تم میری زندگی لے لو۔"

زیاد نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"تم مالا اور ہلال کو جانے دو۔ بدلے میں میری زندگی لے لو۔ تمہارے بہت سے دوست ہوں گے جو تمہارے کہنے پہ کسی انسان کی جان لے سکتے ہوں گے۔ تم جیل میں رہ کے بھی مجھے مروا سکتے ہو۔ تمہارے لیے یہ کیا مشکل ہے؟"

زیاد آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے ماہر کو دیکھنے لگا۔

"ہم ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔ تم ان کو چھوڑ دو۔ اگر کسی کو مارنا ہے تو مجھے مار دو۔"

"جانتے ہو مجھے کیا چاہیے؟" زیاد آگے کو جھکا۔ چہرہ اب مکمل روشنی میں آیا۔ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ اور آنکھوں میں سرد سی آگ تھی۔

"کیا؟" اس کا سانس تک رک گیا۔

"کہ تم ساری زندگی اذیت میں زندہ رہو۔" وہ مسکرا کے واپس پیچھے ہوا۔ چہرہ پھر سے تاریکی میں چلا گیا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری منت کروں تو اپنی بہن کی زندگی کے لیے میں یہ کر لوں گا۔ تمہارا مسئلہ میرے ساتھ ہے۔ مجھ سے انتقام لے لو۔"

وہ ماہر فرید جو کسی انسان کے سامنے نہیں جھک سکتا تھا، آج اسے زیاد سلطان کے سامنے جھکنا تھا۔

"مجھے بتا دو ہلال اور مالا کہاں ہیں۔" اس نے منت کی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"کون ہلال؟" زیاد نے ناسمجھی سے ابرو اچکائے۔

"تمہارے دس منٹ گزر چکے ہیں۔" دروازہ کھول کے کسی نے اطلاع دی۔ وہ کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے سینے میں درد اٹھنے لگا تھا۔

اگر ہلال مر گئی تو اس کا خون صرف زیاد سلطان کے ہاتھ پہ نہیں ہوگا۔

☆☆☆

ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس نے گھٹنے سینے سے لگا کے اپنے گرد بازو لپیٹ رکھے تھے۔

"وہ آجائیں گے۔ وہ ہمیں بچانے آجائیں گے۔" وہ بار بار دہرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ لیکن اسے جاگنا تھا۔ اسے اپنے ذہن کو جگائے رکھنا تھا۔

"سرکار... سرکار نے تمہیں کیوں قید کیا، ہلال؟" اس نے گردن موڑنی چاہیے لیکن جسم مڑنے سے قاصر تھا۔

وہ خاموش رہی۔

"اسے تم سے کیا چاہیے تھا؟ وہ بچوں کے ساتھ کیا کرتی تھی؟"

چند لمحے یونہی گزر گئے۔

www.pklibrary.com

"اور عالیان؟ کیا وہ بھی تمہارے ساتھ قید تھا؟"

ہلال کے اندر ذرا سی جنبش ہوئی، لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وہ بدقت چہرہ موڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ جالی کے پار وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ گھنگریالے بال چہرے کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔

"ماہر سمجھتا ہے کہ عالیان بدر ہے۔ تم نے اسے کئی برس پہلے میرے بیٹے کا نام بتایا تھا۔ میں اسے نہیں بتا سکی کہ وہ کون تھا۔ میں نے اسے وہ سمجھنے دیا جو وہ سمجھتا تھا۔ مجھے اپنے بیٹے کی حفاظت کرنی تھی۔ کیا تم کبھی عالیان سے ملی تھیں؟"

"ہالا..." اس نے جھکے چہرے کے ساتھ ہونٹ کھولے۔ اس کی آواز باریک تھی۔ کسی اداس بلبل کے جیسی۔

"کیا تم عالیان کو..." وہ پوچھ رہی تھی لیکن ہلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کچھ ایسا ہے جو تمہیں نہیں معلوم۔" کچھ تھا آواز میں جو اسے ساکت کر گیا۔

"کچھ ایسا جو ماہر بھائی کو نہیں معلوم۔"

وہ دم سادھے سنتی گئی۔ نگاہیں ہلال کے جھکے سر پہ جمی تھیں۔

"کچھ ایسا جو تمہیں جاننا چاہیے۔"

ساری دنیا ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

ہلال کے ہونٹوں سے نکلنے والے اگلے الفاظ اس کے سینے کے اندر کسی خنجر کی طرح گھپ گئے۔ وہ شل بیٹھی رہ گئی۔ سارے درد فنا ہو گئے۔ بس وہ ایک درد ہر شے پہ حاوی ہو گیا۔

☆☆☆

کافی کی مہک پہ اس نے سر اٹھایا۔

وہ دیوار سے لگا فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ سر جھکائے۔ تھکا ہارا ہوا۔ جب ماہی نے جھک کے کپ اس کی طرف بڑھایا۔ ماہر نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر بدقت مسکرایا۔

"تھینکس۔ میرے اندر مزید کیفین پینے کی ہمت نہیں ہے۔"

اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ ہار چکا ہے۔

"وہ نہیں بولا، بینہ۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ میں اس سے کچھ نہیں اگلوا سکا۔" وہ سر دیوار سے ٹکائے اب سامنے شیشے کی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

"کوئی کلیو۔ کوئی ہنٹ نہیں۔"

ماہی ساتھ رکھے بنچ پر بیٹھی۔ دونوں کپ خالی کرسی پر رکھ دیے۔ وہ بھی سامنے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ زندہ ہیں؟"

"شاید۔" آنسو اس کے حلق میں گولا سا بنا گئے۔ اس نے تھوک نگلا۔

"میں زیاد سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ تمہیں کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ سائیکو پیتھ ہے۔ وہ ہمیں اذیت میں دیکھ کے خوش ہو رہا ہے۔ اس سے مل کے اپنا دماغ مت خراب کرو۔ اس سے کچھ پوچھنے کا فائدہ نہیں۔"

"مجھے اس سے کچھ پوچھنا نہیں ہے۔ کچھ بتانا ہے۔" ماہر نے چونک کر سر اٹھایا۔ کچھ تھا ماہ بینہ کی آواز میں جو پہلے وہاں نہ تھا۔

☆☆☆

تاریک لاک اپ سلاخوں سے بنا تھا۔ اندر ایک چوکی سی تھی جس کے ساتھ فرش پر زیاد سلطان بیٹھا تھا۔ خالی کمرا، سلاخیں، وہ خاموشی سے سر دیوار سے ٹکائے چھت کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ کسی قسم کے تاثر سے خالی تھا۔

"جب میں نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا تو مجھے کچھ کھٹکا تھا۔" آواز پہ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ماہ بینہ سلاخوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسے ابھی ابھی ایک آفیسر یہاں چھوڑ کے گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے سرد سلاخ تھامے وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔ ترحم سے، نفرت سے۔

"مجھے تمہاری فیلنگز سننے میں دلچسپی نہیں ہے۔" زیاد نے بے زاری سے سر جھٹک دیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.pklibrary.com

جوانی زندگانی ہے نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے
یہ ایک ایسی کہانی ہے نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے

ہمارے اور تمہارے واسطے میں اک نیا پن تھا
مگر دُنیا پرانی ہے نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے

عیاں کر دی ہر اک پر ہم نے اپنی داستان دل
یہ کس کس سے چھپانی ہے نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے

جہاں دو دل ملے، دُنیا نے کانٹے بو دیے اکثر
یہی اپنی کہانی ہے نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے

محبت ہم نے، تم نے ایک وقتی چیز سمجھی تھی
محبت جاودانی ہے نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے

متاع اُلفت پہ یقین کتنا تھا دونوں کو
یہاں ہر چیز فانی ہے نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے

ادائے کم نگاہی نے کیا رسوا محبت کو
یہ کس کی مہربانی ہے نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھے

صبا اکبر آبادی

نہ جانے کتنے ٹکڑوں میں بٹا ہوں
میں اپنے ہاتھ سے خود گر پڑا ہوں

گھٹن وحشت ہی باقی رہ گئی ہے
میں کب کا خود سے ہجرت کر چکا ہوں

روایت سے نہیں بنتی ہے میری
خطا میری ہے میں کیوں سوچتا ہوں

مٹانے کو مجھے سب مر رہے ہیں
سو یہ قسطوں میں اب سب سے بڑا ہوں

تمہارے مشوروں سے تنگ رہا ہے
میں دُنیا میں اکیلا رہ گیا ہوں

کوئی آئے بٹائے ہاتھ میرا
میں اپنے بوجھ سے جھکنے لگا ہوں

مقابل زیر کر بیٹھا تو دیکھا
اب اپنے سامنے میں خود کھڑا ہوں

اتباف ابرک

www.pklibrary.com

شگفتہ جاہ

رنگ رنگ پھول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔
”نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر مت سمجھنا، اگرچہ تو اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ روئی سے ملے“
(یعنی مسکراتے ہوئے ملنا بھی نیکی ہے)

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوش اخلاقی سے ملنا بھی نیکی ہے کیونکہ ایک تو یہ انسان کے حسن اخلاق کی دلیل ہے۔ دوسرا اس سے مسلمانوں کے درمیان الفت پیدا ہوتی ہے جو مطلوب و محبوب عمل ہے۔

2۔ مسلمان کی زندگی اگر اسلامی اصولوں پر کاربند ہو تو اس کا ہر عمل نیکی ہے اور اس حدیث میں اس امر کی بھی ترغیب ہے کہ نیکی کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔

پھر بھی

عطاء الحق قاسمی امریکہ گئے تو ایک لڑکی نے ان سے حیرانی سے پوچھا۔

”کیا سچ مچ آپ کے ملک میں شادیاں، دولہا، دلہن کے بجائے ان کے والدین کی مرضی سے طے ہوتی ہیں اور لڑکا لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کی صورت سے بھی آشنا نہیں ہوتے۔“

عطاالحق قاسمی نے کہا۔ ”بات صرف ایک حد تک درست ہے۔ یعنی شادیاں طے تو دولہا دلہن کے والدین ہی کرتے ہیں مگر طے کرنے سے پہلے وہ لڑکے یا لڑکی سے اس کی رائے ضرور لیتے ہیں۔“

”انکار کردیں تو کیا ہوتا ہے؟“ لڑکی نے اشتیاق سے پوچھا۔

”پھر بھی کر دیتے ہیں۔“ عطاء الحق قاسمی نے ٹھنڈی سانس بھر کر بتایا۔

دنیا تھی

تم ساتھ ہو تو دھوپ کا احساس تک نہیں
یہ دوپہر تو شام سے آگے نکل گئی
عاصم وہ کوئی دوست نہیں جو ٹھہرتا
یہ دوپہر تو شام سے آگے نکل گئی

(لیاقت علی عاصم)

امام جعفر صادق کا فرمان ہے

”وہ شخص جو دنیا سے دل لگا بیٹھا ہے اور خود کو اس دنیا کی رنگینوں کا اسیر بنا لیتا ہے وہ ہمیشہ تین قسم کی نفسیاتی مشکلات میں مبتلا رہتا ہے۔

☆ ایک تو ایسا غصہ اور غم جو اس کے صفحہ دل سے ہرگز نہ مٹ سکے۔
☆ دوسرے ایسی آرزو جو کبھی پوری نہیں ہوگی۔
☆ تیسرے ایسی امید جس تک اس کی رسائی ناممکن ہے۔

لوگ

طویل بیماری کے بعد اس کی داڑھی مونچھیں بے تحاشا بڑھ چکی تھیں۔

صحت یابی کے بعد جب وہ آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ ساحل سمندر پر واقع ایک ہوٹل میں ٹھہرا تو اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے روز وہ اپنی داڑھی صاف کرے گا اور اس سے اگلے روز مونچھیں اور اس نے ایسا ہی کیا۔

تیسرے روز، جب وہ شیو بنا کر اپنی بیوی کے ہمراہ ہوٹل سے باہر آرہا تھا تو اس کی بیوی کے کانوں میں، کسی

www.pklibrary.com

عورت کی سرگوشی کی آواز آئی جو اپنی ساتھی سے کہہ رہی تھی۔
"یہ عورت مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔ آج یہ تیسرا مرد ہے جس کے ساتھ یہ باہر جا رہی ہے۔"

تمہیں کیوں دوں؟

ایک امریکی کروڑ پتی سے ایک خیراتی ادارے کا رضا کار چندہ مانگنے آیا۔ رضا کار پوری تیاری کر کے گیا تھا۔ کروڑ پتی سے کہنے لگا۔
"جناب! ہماری اطلاع کے مطابق فلاں بینک میں آپ کے اتنے کروڑ اور فلاں بینک میں اتنے کروڑ جمع ہیں۔ فلاں ریاست میں اتنی زمین اور فلاں شہر میں اتنی عمارتیں ہیں۔ بے شمار کارخانوں میں آپ حصہ دار ہیں مگر آپ نے کبھی کسی خیراتی ادارے کو کچھ نہیں دیا۔"
کروڑ پتی نے بڑے تحمل سے ساری بات سنی اور پھر خیراتی ادارے والے سے کہنے لگا۔
"تمہاری معلومات مکمل طور پر درست ہیں مگر کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میری ماں فلاں شہر میں اکیلی رہتی ہے۔ اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔"
رضا کار بولا۔ "نہیں جناب، مجھے علم نہیں۔"
کروڑ پتی نے کہا۔ "اور کیا تمہیں علم ہے کہ میرا بھائی معذور ہے جو خود کچھ نہیں کر سکتا۔"
رضا کار شرمندہ ہو گیا۔ کہنے لگا۔ "نہیں سر! مجھے پتا نہیں تھا۔"
کروڑ پتی نے کہا۔ "اور تمہیں پتا ہے کہ میری بہن اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہے۔ ان کا کمانے والا بھی کوئی نہیں۔"
رضا کار بولا۔ "میں بہت شرمندہ ہوں مجھے پتا ہوتا کہ آپ پہلے ہی اتنے لوگوں کو پال رہے ہیں تو میں قطعاً آپ کے پاس نہ آتا۔"
کروڑ پتی گرج کر بولا۔ "اصل بات یہ ہے کہ میں اپنے ان غریب رشتہ داروں کو کچھ نہیں دیتا تو تمہیں کیوں دوں؟"

بیوی کا انوکھا انتقام

ایک آدمی نے سینتیس سال کی شادی کے بعد نوجوان محبوبہ کے لیے اپنی بیگم کو گھر سے نکال دیا۔ پھر بیوی نے کیسے انتقام لیا۔
جیک اور ایڈ۔تھ ،سینتیس سال سے خوش حال اور پرسکون ازدواجی زندگی گزار رہے تھے مگر جب جیک کی نوجوان سیکریٹری نے اس پر اپنے حسن کا جادو کیا تو اس نے نہ صرف ایڈ۔تھ کو طلاق دے دی بلکہ اسے اپنے کروڑوں ڈالر کے محل نما گھر سے محض تین دن میں نکل جانے کا حکم دے دیا۔
بے چاری ایڈ۔تھ نے ایک دن اپنا سامان پیک کرنے میں صرف کیا۔ دوسرے دن مزدور بلا کر سارا سامان نئی جگہ منتقل کروایا اور اس گھر میں اپنے آخری دن کے موقع پر ایک بہت ہی خاص کام کیا۔
ایڈ۔تھ نے جھینگوں اور چٹنی کے ساتھ اپنی آخری دعوت خود ہی کی اور پھر جھینگے کے خول، مچھلی کے انڈوں اور نمک سے تیار کردہ چٹنی میں ڈبوئے اور یہ خول تمام گھر میں پردے لٹکانے والے پائپوں کے اندر ڈال دیے۔
اگلے دن جیک اور اس کی محبوبہ اپنے محل میں رہنے کے لیے آ گئے۔ کچھ دن تو بہت مزے میں گزرے لیکن پھر سارے گھر میں عجیب سی بو پھیلنا شروع ہو گئی جو آہستہ آہستہ اس قدر تیز ہو گئی کہ گھر میں رہنا ناممکن ہو گیا۔
جیک نے سارے گھر میں خوشبو کا چھڑکاؤ کروایا۔ پردے اور قالین تبدیل کروائے، ہر طرح کے ماہر سے مشورہ لیا۔ لیکن بدبو کا کوئی علاج نہ ہوا۔ آخر کار بے چارے نے گھر بیچنے کا فیصلہ کیا لیکن اس کی بدبو کی کہانی سارے شہر میں مشہور ہو چکی تھی اور کوئی اسے خریدنے کو تیار نہیں تھا۔ جب یہ خبر ایڈ۔تھ تک پہنچی تو اس نے جیک سے کہا کہ جس گھر میں اس نے زندگی گزاری ہے۔ وہ جیسا بھی ہے وہ اسے خرید لے گی اور پھر اصل قیمت کے دسویں حصے میں گھر ایڈ۔تھ نے خرید لیا۔
جیک اور اس کی محبوبہ بہت خوش تھے کہ انہوں نے بہت بڑی مصیبت سے جان چھڑا لی۔
ایک ہفتے بعد جب ان کا سارا سامان پیک کر کے نئے گھر لے جایا جا رہا تھا تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ نئے گھر لے جائے جانے والے سامان میں ہر چیز شامل تھی۔
پردے لٹکانے والے پائپ بھی۔ ☆☆

www.pklibrary.com

میری بیاض سے

فاکہہ سہیل............کراچی

نہ جانے میرا تصور تھا یا فریب نظر
ہلال عید میں بھی تم مجھے نظر آئے

ثوبیہ قطب.........کراچی

یوں تو وہ میرے دل میں ہمیشہ سے رہے
لیکن تمام عمر بڑے فاصلے سے رہے
حالانکہ ایک ایک شناسا تھا شہر میں
آواز دی تو لوگ کھڑے دیکھتے رہے

نمرہ عاقب...........کرکن سٹی

کوئی کرتا ہی نہیں ذکر وفاداری کا
ان دنوں عشق میں آسانی ہی آسانی ہے

عائشہ...........لاہور

ہم سے پہلے بھی مسافر کئی گزرے ہوں گے
کم سے کم راہ کے پتھر تو ہٹاتے جاتے
مجھ کو رونے کا سلیقہ بھی نہیں ہے شاید
لوگ ہنستے ہیں مجھے دیکھ کے آتے جاتے

ارم کمال...........فیصل آباد

جانتے ہیں کہ یقین ٹوٹ رہا ہے دل پر
پھر بھی ترک یہ وحشت نہیں کی جاسکتی

نادیہ یاسر......گوجر خان

خاموشی میں شور تھا میں نے سنا کچھ بھی نہیں
اس نے سب کچھ دیا لیکن کیا کچھ بھی نہیں
تجھ کو کیا معلوم اے جان جہاں تیرے بغیر
میرا جیون کٹ گیا اور میں جیا کچھ بھی نہیں

ندا طارق...........حیدرآباد

یوں کیوں تکتا ہے آسمان کو تو
کوئی رہتا ہے آسماں میں کیا
یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہاں میں کیا

لائبہ، ایمن...........مظفرآباد

کتنا مشکل ہے جلانا کسی رستے میں چراغ
کتنا آسان ہے ہواؤں کو اشارہ کرنا

صدف عمران...........کے ڈی اے

بس اس سبب سے کہ تجھ پر بہت بھروسا تھا
گلے نہ ہوں بھی تو حیرانیاں تو ہوتی ہیں
اداسیوں کا سبب کیا کہیں بجز اس کے
یہ زندگی ہے پریشانیاں تو ہوتی ہیں

تحریم خان...........کراچی

غم زندگی تیری راہ میں، شب آرزو تیری چاہ میں
جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں، جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں
مرا ہم سفر جو عجیب ہے تو عجیب تر ہوں میں آپ بھی
مجھے منزلوں کی خبر نہیں، اسے راستوں کا پتا نہیں

اقصیٰ ناصر...........کراچی

کسی کو فکر نہیں قوم کے مسائل کی
ریا کی جنگ ہے بس حاشیہ نشینوں میں
یہ لوگ اس کو جمہوریت سمجھتے ہیں
کہ اقتدار ہے ان کے جانشینوں میں

www.pklibrary.com

امت الصبور

خواتین کی ڈائری

حبیبہ خان کی ڈائری سے

اپنی ڈائری میں تحریر محسن بھوپالی کی یہ غزل آپ سب بہنوں کی نذر۔

یونہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

جو آنے والے ہیں موسم انہیں شمار میں رکھ
جو دن گزر گئے ان کو گنا نہیں کرتے

نہ دیکھا جان کے اس نے کوئی سبب ہوگا
اسی خیال سے ہم دل برا نہیں کرتے

وہ مل گیا ہے تو کیا قصۂ فراق کہیں
خوشی کے لمحوں کو یوں بے مزا نہیں کرتے

نشاطِ قرب، غمِ ہجر کے عوض مت مانگ
دعا کے نام پر یوں بد دعا نہیں کرتے

منافقت پہ جنہیں اختیار حاصل ہے
وہ عرض کرتے ہیں، تجھ سے گلہ نہیں کرتے

ہمارے قتل پہ محسن یہ پس و پیش کیسی
ہم ایسے لوگ طلب خون بہا نہیں کرتے

روحیلہ خان کی ڈائری سے

عید ہمارا خوشیوں بھرا روایتی تہوار ہے۔ اس دن فضائیں رنگوں، خوشبوؤں سے معمور ہوتی ہیں۔ ہر طرف رونق ہوتی ہے۔ لیکن اصل رونق تو لڑکیوں کے دم سے ہوتی ہے۔ دھنک رنگوں میں ملبوس سجی سنوری لڑکیاں رنگ برنگی تتلیاں لگتی ہیں۔ اس غزل میں عید کی اسی رونق کی عکاسی کی گئی ہے۔ آپ کی نذر۔

ہیں دھنک رنگ سی لڑکیاں عید پر
جیسے اڑتی ہوئی تتلیاں عید پر

رنگ، خوشبو، امنگوں سے آراستہ
ہیں منور سبھی بستیاں عید پر

باہمی رنجشیں بھول کر آ ملو
توڑ ڈالو سبھی بیڑیاں عید پر

کاش آ جائے وہ جس کے ہیں منتظر
میرا دل، بام و در، کھڑکیاں عید پر

حمدہ خان کی ڈائری سے

جون ایلیا کی اصل قدر ان کی وفات کے بعد ہوئی، جب ان کی شاعری سامنے آئی۔ تب پتا چلا کہ وہ کتنے بڑے شاعر تھے۔ ان کی یہ غزل آپ کے لیے۔

حال یہ ہے کہ خواہشِ پرسشِ حال بھی نہیں
اپنا خیال بھی نہیں، اس کا خیال بھی نہیں

اے شجرِ حیاتِ شوق، ایسی خزاں رسیدگی
پوششِ برگ و گل تو کیا، جسم پہ چھال بھی نہیں

www.pklibrary.com

مجھ میں وہ شخص ہو چکا جس کا کوئی حساب تھا
سُود ہے کیا، زیاں ہے کیا، اس کا سوال بھی نہیں

تُو مرا حوصلہ تو دیکھ، داد تو دے کہ اب مجھے
شوقِ کمال بھی نہیں، خوفِ زوال بھی نہیں

خیمہ گہِ نگاہ کو لوٹ لیا گیا ہے کیا؟
آج اُفق کے دوش پر گرد کی شال بھی نہیں

غارتِ روز و شب تو دیکھ، وقت کا یہ غضب تو دیکھ
کل تو نڈھال بھی تھا میں، آج نڈھال بھی نہیں

میرے زمان و ذات کا ہے یہ معاملہ کہ اب
صبحِ فراق بھی نہیں، شامِ وصال بھی نہیں

پہلے ہمارے ذہن میں حُسن کی اک مثال تھی
اب تو ہمارے ذہن میں کوئی مثال بھی نہیں

میں بھی بہت عجیب ہوں، اتنا عجیب ہوں کہ بس
خود کو تباہ کر لیا اور ملال بھی نہیں

سحر سہیل — کی ڈائری سے

کلیم عثمانی بہت اچھے شاعر تھے لیکن ان کی پہچان ان کی فلمی شاعری رہی۔ ان کی یہ غزل پڑھیے، آپ کو پسند آئے گی۔

ہے اگرچہ شہر میں اپنی شناسائی بہت
پھر بھی رہتا ہے ہمیں احساسِ تنہائی بہت

اب یہ سوچا ہے کہ اپنی ذات میں سمٹے رہیں
ہم نے کر کے دیکھ لی سب سے شناسائی بہت

منہ چھپا کر آستین میں دیر تک روتے رہے
رات ڈھلتی چاندنی میں اس کی یاد آئی بہت

اپنا سایہ بھی بُرا لگتا ہے اپنی ذات سے
ہم نے اس سے دل لگانے کی سزا پائی بہت

آئینہ بن کر وہ صورت سامنے جب آ گئی
عکس اپنا دیکھ کر مجھ کو ہنسی آئی بہت

میں تو جو نکلا تھا اسیرِ دام کیا ہوتا کلیمؔ
اس نے زلفوں کی مجھے زنجیر پہنائی بہت

ثمرہ، اقراء — کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر خالد شریف کی یہ غزل آپ سب بہنوں کی نذر۔

اُسے تو کھو ہی چکے پھر خیال کیا اُس کا
یہ فکر کیسی کہ اب ہو گا حال کیا اُس کا

وہ ایک شخص جسے خود ہی چھوڑ بیٹھے تھے
گنوائے دیتا ہے دل کو ملال کیا اُس کا

تمہاری آنکھوں میں چھلکیں ملامتیں کیسی
جواب بننے لگا تھا سوال کیا اُس کا

تمہارے اپنے ارادے میں کوئی جھول نہ تھا
کہو کہ ملنا تھا ایسا محال کیا اُس کا

وہ نفرتوں کے بھنور میں بھی مسکرا کے ملا
اب اس سے بڑھ کے بھلا ہو کمال کیا اُس کا

اب اس طرح نہ یادوں کی کرچیاں چنیے
نہ تھا فراق سے بہتر وصال کیا اُس کا

یہ سوچ کر نہ ملے پھر اُس سے کبھی خالدؔ
کہ جانے ہو گا ندامت سے کیا حال اُس کا

***

www.pklibrary.com

بقیہ ہمارے نام

"دودھاری تلوار" نے سر پکڑنے پر مجبور کر دیا اف! یہ "نیلم" جیسی باوفا، بامروت عورتیں اور "بختیار" جیسے خود غرض مطلبی اور بے وفا مرد......

"افسانے" کی دنیا میں گئے تو ہماری "قاری بہنوں (عارفہ، فریحہ، اجیہ عائش) نے خوب دلکشی پھیلائی۔ "اجیہ عائش" کی پہلی ہی تحریر بے حد رواں اور اچھی رہی۔ تھوڑی دکھی بھی۔ بھئی "بڑی بہو" کا دکھ (ہاہاہا) لوگ بڑی بہو کو، خواہ وہ بیس سال کی کیوں نہ ہو، بڑی ملازمہ ہی سمجھ لیتے ہیں۔ نجانے کیوں؟؟

"فریحہ اشتیاق" نے "مذاق" لکھ کر ایسے ہزاروں لوگوں کو "راہ ہدایت" دکھائی۔

"پردیس" نے بھی پردیسیوں کے دکھ کو خوب صورتی سے بیان کیا۔

"عارفہ فضل شاہ" راہ کے ستارے لیے نظر آئی ہیں۔ "عارفہ" کے تبصروں کی طرح ان کے افسانے بھی اچھے ہیں۔

"وہ آئینہ صفت لوگ" میں جھانکو تو "ساجدہ حبیب" کی وفات کی خبر نے دل اداس کر دیا۔ اگرچہ پرانے ڈائجسٹ میں ان کی ایک آدھ تحریر پڑھی بہت عرصہ پہلے۔ "احل" اور "غزالہ نگار" کی یادیں اچھی لگیں۔ اور غزالہ کو پڑھے بھی صدیاں ہی بیت گئی ہیں۔

ج: پیاری صدف! آپ کا طویل اور جامع تبصرہ پڑھا جتنی توجہ اور لگن سے آپ پرچا پڑھتی ہیں آپ کے تبصرے سے ظاہر ہے۔ تمام سلسلوں اور افسانوں پر تبصرہ کرتی ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ کا تبصرہ بالکل صحیح ہوتا ہے۔ نہ بے جا تعریف نہ بلاوجہ تنقید اور لکھائی بھی بہت صاف ستھری۔ بہت شکریہ صدف۔

اجیہ خان......نوشہرہ کینٹ

آنکھ کھلتے ہی گھر میں تکیوں اور غلافوں میں چھپا ڈائجسٹ دیکھا اور ایسا دیکھا کہ آج تک بھول نہ پائے۔ ہمیں دکھانے والے تو دنیا کی بھول بھلیاں میں گم ہو کر اسے بھول بیٹھے ہیں۔

ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے ہیں۔ ہم سے بڑی کزنز نے ہی اس کی بنیاد ڈالی تھی، گھر میں ہمارے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی، میری بہت اچھی کزن جو آپ کے رسالوں کی شیدائی تھی جواں عمری میں ہی دو بچوں کو چھوڑ کر چلی گئی دنیا سے۔ ہم بہنوں اور تایا چاچو پھپو کے بچوں نے چھپ کر ہی رسالے پڑھے ہیں۔ کتنی ڈانٹ اور مار کھائی ہے سب نے بڑوں سے لیکن ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ کہتے ہیں کہ عورت ہی گھر کو جنت بھی بناتی ہیں اور جہنم بھی۔

خدا کا شکر ہے ہماری ماؤں نے گھر کو جنت بنایا ہے۔ ہمارے گھر میں عورتوں کو پردے سے عزت سے اور اپنے اصولوں پر قائم رکھا جاتا ہے۔ ہمارے گھرانے جتنی محبت اور اتفاق کی لوگ مثالیں دیتے ہیں۔ آج کل کے فیشن اور بے حیائی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے، بچوں پر نہیں ان کی ماؤں پر کہ اپنی اقدار کو بھول گئی ہیں۔ (میں کوئی بوڑھی عورت نہیں پچیس سال کی بچی ہوں) ہی تعارف کافی ہے اگر یہ شائع ہو گیا تو تفصیلی گزری داستان اور تبصرہ اگلے ماہ ہوگا۔

پیاری اجیہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ لوگ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے ہیں اور آپ سب کے درمیان محبت اور اتفاق کی فضا قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے محفوظ رکھے کیونکہ اب تو خال خال گھرانے ہیں جہاں محبت اور اتفاق نظر آتا ہے۔

نصرت جبیں ملک......خوشاب

سب سے پہلے کہنی سنی اور کرن کرن روشنی کو پڑھتے آگے کی جانب مزید قدم بڑھایا۔ حریم فاروق سے ملاقات زبردست رہی سلمیٰ یاسمین نجمی سے بھی ملاقات اچھی رہی مگر ان کی ایک بات سے مجھے اختلاف ہے کہ وہ اپنی قابلیت، کام اور صلاحیتوں کو تسلیم نہیں کر رہی تھیں۔ عاجزی اور انکساری یہ نہیں کہ آپ کے پاس جو کچھ ہے، آپ اس کی بھی نفی کر دیں بلکہ یہ تو اللہ پاک کی بڑی نعمتیں ہوتی ہیں۔ اگر اللہ نے آپ کو ان سے نوازا ہے تو آپ کو یہ تسلیم کر کے شکر ادا کرنا

www.pklibrary.com

چاہیے...... انگنا پھول کھلیں گے میں راحت جبین مختلف پگڈنڈیوں سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں اور کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں۔

فریحہ اشتیاق کا "مذاق ایک سبق آموز کہانی تھی" راہ کے ستارے میں عارفہ فضل مختصر لفظوں میں بڑی بات کہہ گئیں احساس ایک بہت بڑی نعمت ہے اور جوائنٹ فیملی سسٹم کے افراد میں اس کا ہونا بہت ضروری ہے۔ پردیس بھی ایک اچھا افسانہ تھا۔ "رمضان کے رنگ" میں ایسہ عائش نے یہ سبق دیا کہ اکثر ہم کسی معاملے پر غلط راہ اختیار کیے ہوتے ہیں تو کوئی ہمیں اس طرح خیال دلائے تو بجائے ہمیں غصہ کرنے کے اپنے آپ کو راہ ہدایت پر لانا چاہیے باقی تمام سلسلے بھی زبردست تھے اور ڈائجسٹ کو چار چاند لگائے ہوئے تھے۔

پیاری نصرت! آپ کا افسانہ ہمیں نہیں ملا۔ آپ دوبارہ بھجوادیں۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

صفیہ مہر فرحان...... کوٹلی مراد

مارچ کا شمارہ سرخ لباس میں ملبوس ماڈل پیاری سی لگ رہی ہے۔ ہر بار کی طرح ہمارے نام سب سے پہلے پڑھا، حزنہ کرن کا خط پہلا تھا۔ وہ آفیسر صاحب جیسا شوہر پانے کی دعا کر رہی ہیں۔ اللہ ضرور ان جیسا دے گا مگر بہن یہ بولتے بہت کم ہیں (ہاہاہا) پھر نہ کہنا کہ بتایا نہیں۔ میں خوار اکیلے بولتے بھی بھی عاجز ہوجاتی ہوں، یہ بس ہوں ہاں کرتے ہیں۔ ویسے بہت اچھے ہیں۔ بہن صدف ناصر، ہمیں پتا ہے سب قارئین بہنیں ہم ایک جیسی ہیں۔ محتاط ہوکر پڑھتی لکھتی ہوں کا مطلب یہ کہ اتنا اچھا لگتا ہے آپ کا خط کہ کوئی لفظ چوک نہ جائے۔

نمرہ جی کی مالا رکی رکی سے لگ رہی ہے پہلے آدھا ڈائجسٹ، ان کی اسٹوری میں شامل تھا اب دس صفحے بھی نہیں ہوتے، اسکے بعد مجھے جس کہانی کا انتظار تھا وہ ہے۔ "انگنا پھول کھلیں گے" بیسٹ ناول ہے۔ میری پسندیدہ رائٹر ہے۔ عارفہ افضل، راہ کے ستارے لیے جگمگا رہی ہیں۔ اس بار سچے ستارے تھے۔ راشدہ رفعت "چاہا ہے" سادہ سی روایتی سی کہانی لائیں۔ فریحہ اشتاق، چھوٹا سا افسانہ بڑا پیغام تھا، لوگوں کے ایسے مذاق کئی دل اور گھر اجاڑ جاتے ہیں۔ سنیعہ عمیر دودھاری تلوار ناولٹ پڑھنے بیٹھی تو پڑھتی گئی۔ بختاور بھی عام مرد نکلا، نیلم نے محبت کو نبھایا۔ سسرال والے اسے اجاڑ کر بھی آخر میں معصوم بن گئے۔ ایسہ عائش "رمضان کے رنگ" رمضان میں واقعی کام معمول سے زیادہ ہوجاتے ہیں۔ آسیہ رئیس کا ناول رو اور روپوش بھی، اچھا تھا، احد ابھی پڑھا نہیں، ہر نگا رنگ پھول سب ہی اچھے لگ رہے تھے۔ خاتون کی ڈائری بہترین وہ آئینہ صفت لوگ ہیں ساجدہ حبیب کی رحلت کا جان کر دل اشکبار ہوا۔

ج: پیاری صفیہ! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہ کر سکے۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

الہام...... پشاور

سب سے پہلے تو یہ کہ روزے کیسے گزر رہے ہیں۔ آپ کے؟ مجھے تو یونی ورسٹی جا کے صحیح روزہ لگتا ہے۔ ہم اسٹوڈنٹس کے غم...... کوئی نہ سمجھے ہمارے غم۔

تو خواتین کی بات کرتی ہوں۔ افف افف کیا کہوں۔ بہت ہی خوب صورت شمارہ ہے اور اس کے رائٹرز اور ناولز کی کیا ہی بات ہے۔ آپ کو معلوم ہے میں ففتھ گریڈ میں تھی۔ جب میں نے جنت کے پتے پڑھا تھا۔ شاید میرا تیسرا ناول تھا۔ اس سے پہلے میں نے پیر کامل پڑھا تھا۔ اور اس وقت سے اب تک (ابھی میں بی ایس کے سیکنڈ سمسٹر میں ہوں) میں اتنے ناولز پڑھ چکی ہوں کہ شاید ہی کسی اور نے ان آٹھ نو سالوں میں پڑھے ہوں۔ اور مالا...... ہائے...... ماہر میرا نیا کرش ہے اب۔

اور میں نے ایک اور بات پوچھنی تھی کہ کچھ عرصہ پہلے ایک رائٹر تھیں جن کا ایک ناول آیا تھا۔ "میں ہنی

www.pklibrary.com

اینڈ ممی" کے نام سے، رائٹر کا نام مجھ سے بھول گیا ہے۔ وہ اتنے عرصے سے کیوں نہیں لکھ رہی ہیں۔ ان کے نام میں شاید ثمینہ کچھ آتا تھا۔ انہوں نے ایک اور ناول بھی لکھا تھا جس کا نام مجھے بھول گیا ہے اس میں کزنز ہوتے ہیں ایک گھر میں اور ہیروئن اپنے بابا کے مرنے کے بعد اپنی ماما کے ساتھ دبئی سے پاکستان شفٹ ہوئی ہوتی ہے۔ اس ناول میں یہ لوگ مسالہ والی چائے پیتے ہیں۔ ایک میرال اور فہد بھی ہوتے ہیں۔ اسفند شاید ہیرو ہے اور ہیروئن کا نام مجھے سے بھول گیا ہے۔ یہ جو رائٹر ہیں یہ اپنا اگلا ناول کب لکھیں گی؟ مجھے ان کا لکھنے کا انداز اتنا پسند ہے۔

پیاری الہام! خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کا جان کر دلی مسرت ہوئی۔ میں اینی اینڈ ممی" ثمینہ فرحان نے لکھا تھا۔ دوسرے ناول کا ہمیں یاد نہیں کسی قاری بہن کو یاد ہے تو بتا دیں۔ ثمینہ فرحان اگلا ناول جلد لکھیں گی۔

فرخندہ سلیم......ملتان

گیس نے ذلیل کیا ہوا ہے عین سحری کے وقت گیس دفع ہو جائے تو شدید غصہ آتا ہے، سلنڈر شکر ہے گھر تھا۔ کل تو آلو انڈے ہی بنا لیے تھے اور کچنال پہلے سے ہی ابال لی تھی آج قیمے کے ساتھ وہی بنا رہی ہوں۔ میں بیسن کے سالن بھی بہت اچھے بناتی ہوں یعنی بیسن کی کھنڈوی الٹے پلٹے، اروی کے پتے، کڑھی اور دال کی بڑیاں اور پکوڑے کا سالن اور سب میں قصور کی میتھی ڈال کر لذیذ سا شوربہ ہوتا ہے تو روٹی چور کر بھی کھاتے ہیں گوشت کے کھانے اور چاول تو بہت ہی کھائے جاتے ہیں پھر اچار مکس اور ہری مرچوں کا، چٹنیاں بھی کام آجاتی ہیں جب سالن نہ بھی بنے۔ اِحل، تم کہو تو اپنا شادی کا احوال تم کو لکھ کر دوں گی مگر نام اور شہروں کے نام بدل کر مگر تمہیں اتنا پسند آئے گا کہ بس کہ میری شادی بہت ہی دھوم دھام اور رسموں کے ساتھ ہوئی تھی۔

اب مارچ کے ڈائجسٹ پر باتیں شروع کروں تو بھئی مارچ کا سرورق، رمضان کی مناسبت سے تھا اسی وجہ سے بہت پسند آیا نفیس سا کرن کا تو بہت زیادہ کہ سالگرہ نمبر تھا۔ اِحل، خواتین کا بھی بہت ہی بھرا ہوا سجا سنورا سا ممکن ہو تو دلہن والا سرورق دینا کہ سالگرہ نمبر میں ایسے ہی اچھے لگتے ہیں۔

کرن کرن روشنی میں رمضان کی مناسب سے حسب روایت سبق آموز احادیث شامل تھیں اور یاد آیا کہ فروری کے خواتین میں نگہت سیما سے ملاقات کر کے تو آپ نے میری بھی خواہش پوری کر دی۔ اتنا زبردست انٹرویو تھا کہ دل کیا، پڑھتے ہی جائیں نگہت نے یادیں عرق ریزی سے بتائیں، وہیں اپنی تعلیمی قابلیت اور اتنالیس کے قریب کتابوں کا پڑھ کر فخر سا ہوا کہ میری پسند بھی کتنی اچھی ہے۔ اپنا ہی لطف ہے اور طویل ترین مکمل ناول کے صفحات گن کر پڑھنا تو ہمیشہ سے ہی اچھا لگتا ہے اور خوشی سی ہوتی ہے کہ اتنا طویل ہے، کتنا اچھا ہوگا ہاں مگر ایسا نہیں کہ افسانے پسند نہیں یہ بھی اچھے ہوتے ہیں۔ سبق آموز سے، وہیں 1995 سے پہلے تو ماشاء اللہ افسانے بھی اب کے ناولٹ کے سائز کے ہوتے تھے۔ ناول تو کیا ہی بات پھر۔ ہاں خواتین میں افشاں آفریدی کے انٹرویو کی بھی فرمائش نوٹ کر لیں۔ ساجدہ کی جو یادیں بتائیں بہت اچھی رہیں۔ پکوان سب ہی پرانے تھے معذرت کوئی تو نیا پن ہو۔ عدنان بھائی بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔

اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف تو سب سے پہلے "احد" جس کی تمام اقساط میں نے پرانے ڈائجسٹوں سے پڑھیں اِحل اتنے اچھے، منفرد، زبردست انداز والفاظ اور پلاٹ پر مبنی کہانی کو شامل کرنے پر خراج تحسین۔ یہ کہانی صوفیہ نے عرق ریزی سے لکھی ہے۔ جزئیات نگاری، منظر نگاری مکالے، دلکش سا فلسفہ اور اقتباسات، اِحل کا اللہ پاک سے عشق، شروع کی زندگی بے حسی، وہیں ہادی کی زندگی

www.pklibrary.com

اور خونی رشتوں کی پامالی اور یہ کہانی میری پسندیدہ ترین ہے اور الفاظ کم ہیں تعریف کے لیے اور بے اختیار شعاع میں تیس سال پہلے نگہت کا یہ نوک خاری رقصم کہانی یاد آگئی۔ راحت کی کہانی بھی پڑھی بہت انجوائے کی، دادی کی باتیں شروع میں اور راحت کا برجستہ انداز عام طبقے کی کہانی جو اپنے الگ سے انداز کی وجہ سے بھی پسند آرہی ہے۔ مجھے تو ایسی مردانہ سی کہانیاں بالکل پسند نہیں کیا کروں اب دل پر کس کا کیا اختیار۔ افسانہ "پردیس" میں نیناں کا فیصلہ بالکل صحیح تھا اچھا تھا۔ عارفہ شاہ فضل جو دیگر کی طرح آج کل اچھا لکھ رہی ہیں ان کا افسانہ بھی بہت اچھا اور اصلاحی موضوع پر تھا۔

فریحہ اشتیاق نے بھی اپنی مختصر تحریر میں ایک اچھا موضوع قلم بند کیا۔ سنیعہ عمیر کا ناولٹ بھی بہت ہی پسند آیا کہ اس میں نیلم کا کردار بہت مثبت رہا۔ اپنے منفرد انداز کی وجہ سے ہی تحریر بہت ہی پسند آئی بہت خوب۔ آسیہ رئیس کی کہانی بھی ٹھیک ہی تھی۔ سب سے اچھا ناول تو مجھے راشدہ رفعت کا لگا اور ڈائجسٹ کی قیمت وصول ہوگئی کہ راشدہ ہمیشہ آسان اور دلچسپ لکھتی ہیں وہیں اصلاحی پن بھی کہانی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ پوری کہانی میں سب سے زیادہ مزہ آخر میں آیا جب عذرا کے پاؤں کی مالش کا ذکر ہوتا ہے۔

پیاری فرخندہ! آپ کا طویل تبصرہ پڑھا۔ بہت اچھا تبصرہ ہے۔ کہانی اور تمام سلسلوں پر آپ نے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ بہت شکریہ افشاں آفریدی کے انٹرویو کی فرمائش نوٹ کرلی ہے۔ اور شاہین سے انٹرویو کے لیے کہہ بھی دیا ہے۔ بہت جلد پڑھ سکیں گی۔

شگفتہ شاہد...... مکھڈ

میں بہت پرانی قاری ہوں آپ کے رسالے کی سب سے پہلی کہانی وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر اور یہ ہمارے علاقے سے آپ کو شاید پہلا خط ہے۔ چوتھی بہو کہانی پڑھ کر دل نے کہا کہ اب قلم اٹھالو، کہانی تو ماشاء اللہ کمال تھی لیکن مکھنڈی حلوہ پڑھ کر مکھنڈی کی (ن) کو ہٹوادوں، پہلے کئی بار مکھنڈی حلوہ کا نام آپ کے رسالے میں پڑھا تھا لیکن اب میں نے کہا آپ کو مکھڈی لوگ صحیح نام بھی بتائیں اور مکھڈی حلوہ کا طریقہ بھی بتائیں جو اصل میں کسی اور طریقہ سے بنتا ہے لیکن ایک دفعہ شعاع یا خواتین میں آپ نے طریقہ لکھا ہے۔ شعاع میرے شوہر بہت خوشی سے لاکر دیتے ہیں ماشاء اللہ۔ یہ ایک میری انجوائے منٹ ہے

گھر میں ٹی وی موبائل نہیں ہے۔ خواتین میری بہن منگواتی ہے میانوالی میں وہ ہوتی ہیں جب کوئی آئے تو وہاں سے خواتین آتا ہے یہاں سے شعاع جاتا ہے (ہاہاہا) ایک دفعہ موٹر سائیکل پر میری بہن اور بہنوئی آرہے تھے ہمارے گھر اور ان کے پاس مکمل کہانی کی ساری قسطیں تھیں مطلب 35-34 رسالے اور موٹر سائیکل راستے میں خراب ہوگیا تھا جو مشکل سے وہ راستے میں کبھی اٹھا کر رسالوں کو اور کبھی گھسیٹ کر لے کر آئے ہیں مت پوچھیں کتنی باتیں سننا پڑیں۔ صرف اس شوق کی وجہ سے۔

ج: پیاری شگفتہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید۔ آپ نے مکھڈی حلوہ کی ترکیب بھیجی ہے۔ وہ ہم آئندہ ماہ شائع کریں گے۔ ویسے آپ کی ترکیب سے مکھڈی حلوہ بنانا تو بہت مشکل ہے۔ اگر آپ کراچی میں ہوتیں تو ہم آپ سے کہتے کہ آپ ترکیب کے بجائے مکھڈی حلوہ ہی بھجوادیں۔

خط آپ نے بالکل ٹھیک لکھا ہے۔ آپ نے لکھا ہے پہلا اور آخری خط ہے۔ پہلا خط تو ٹھیک لیکن آخری خط کیوں؟

www.pklibrary.com

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

دودھ والی رنگین سویاں

ضروری اشیاء:

دودھ — ایک کلو
رنگین سویاں — دو کھانے کے چمچے
کریم — آدھا کپ
کنڈینسڈ ملک — دو کھانے کے چمچے
کھویا — آدھا کپ
چینی — ایک کپ
بادام پستے — حسب پسند

ترکیب: دیگچی میں دودھ ڈال کر اتنا پکائیں کہ دودھ کی مقدار آدھی رہ جائے۔ اس میں چینی کھویا اور کنڈینسڈ ملک ڈال دیں۔ ابلی ہوئی سویاں ڈال کر مزید دو منٹ تک پکائیں۔ چولہے سے اتار کر ٹھنڈا کر لیں۔ کریم مکس کر کے سرونگ ڈش میں نکالیں اور بادام پستے سے گارنش کر کے سرو کریں۔ (کنڈینسڈ ملک نہ ہو تو خشک دودھ دو چمچے ملا دیں۔)

بیف پلاؤ

اجزاء:

چاول — آدھا کلو
گائے کا گوشت — آدھا کلو
ادرک — ایک ٹکڑا
لہسن — ایک پوتھی
نمک — ڈیڑھ چائے کا چمچہ
پیاز — ایک عدد
سونف — ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا — ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں — بارہ عدد
تیز پات — دو عدد
پودینہ — آدھی گٹھی
ثابت کالی مرچ — دو چائے کے چمچے

دم کے مسالے:

کالا زیرہ — دو چائے کے چمچے
تلی پیاز — ایک کپ
بادیان کے پھول — دو عدد
ثابت کالی مرچ — دو چائے کے چمچے
سونف — دو چائے کے چمچے
ثابت دھنیا — دو چائے کے چمچے
تیل — آدھا کپ

ترکیب: گوشت میں چھ گلاس پانی، نمک، سونف، آدھا لہسن اور ثابت دھنیا ڈال کر دھیمی آنچ پر گوشت گلنے تک پکائیں۔ پھر یخنی نکال کر گوشت الگ کر لیں۔ دوسری پتیلی میں تیل گرم کر کے پیاز فرائی کر لیں۔ پھر اس میں کالا زیرہ، کالی مرچ، تیز پات، اور گوشت ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ اب اس میں ہری مرچیں، ادرک اور لہسن کوٹ کر شامل کر دیں۔ جب وہ اچھی طرح بھن جائے تو یخنی اور بھیگے ہوئے چاول بھی شامل کر دیں۔ چاول دم پر آ جائیں تو ثابت کالی مرچ، بادیان کے پھول اور سونف پیس کر شامل کر دیں۔ اوپر سے تلی ہوئی پیاز اور پودینہ ڈال کر پندرہ منٹ دم پر رکھیں۔ آخر میں مکس کر کے گرم گرم پیش کریں۔

تندوری فرائیڈ چکن

اجزاء

چکن — آدھا کلو
لہسن ادرک — ایک چائے کا چمچہ
انڈا — ایک عدد
کارن فلور — تین کھانے کے چمچے
زیرہ — ایک چائے کا چمچہ
دھنیا — ایک چائے کا چمچہ

www.pklibrary.com

گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

پیالے میں چکن، نمک، لہسن ادرک، انڈا، کارن فلور، کٹا ہوا زیرہ، کٹا ہوا دھنیا، گرم مسالا، لال مرچ اور ہلدی ڈال کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

کڑاہی میں تیل گرم کر کے درمیانی آنچ پر چکن ڈال کر فرائی کر لیں۔

دونوں طرف سے چکن اچھی طرح پک جائے تو سرونگ پلیٹ میں ٹشو پیپر پر نکال کر کیچپ اور [illegible] کے ساتھ پیش کریں۔

باربی کیو پاستا سلاد

اجزاء

پاستا	آدھا پیکٹ
شملہ مرچ	تین عدد
مایونیز	ایک کپ
چکن	ایک پاؤ
ہاٹ ساس	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن	دو جوئے
باربی کیو ساس	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	آدھا کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کٹی کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
پارسلے	تھوڑا سا
تیل	دو کھانے کے چمچے
چینی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

پہلے ایک دیگچی میں پانی گرم کر کے اس میں آدھا پیکٹ پاستا ڈال دیں۔ ساتھ میں ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال دیں۔ جب وہ گل جائیں تو چھلنی میں چھان کر ٹھنڈے پانی سے دھو لیں اور ایک چمچہ تیل ملا دیں۔ اب چکن کی بوٹیوں میں باریک کٹا لہسن، باربی کیو ساس، کٹی لال مرچ اور حسب ذائقہ نمک ملا کر سینک لیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو انہیں نکال کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ پھر ایک پیالے میں پہلے پاستا ڈالیں۔ اب اس میں ایک چائے کا چمچہ ہاٹ ساس کٹی کالی مرچ، سرکہ اور چینی ملا دیں۔ اس کے بعد مایونیز باریک کٹی شملہ مرچ اور چکن ملا کر تھوڑے سے پارسلے (پارسلے نہ ہو تو ہرا دھنیا کے پتے شامل کر لیں) سے گارنش کر کے پیش کریں۔

ربڑی کھیر

اجزاء:

دودھ	دو کلو
کھویا	ایک پاؤ
کنڈینسڈ ملک	حسب پسند
چاول	ایک کپ
چینی	ایک کپ
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچہ
پسی الائچی	ایک چائے کا چمچہ
بادام	چار کھانے کے چمچے
پستے	چار کھانے کے چمچے
چاندی کا ورق	ایک عدد

ترکیب:

پہلے چاولوں کو دھو کر چار گھنٹے کے لیے بھگو کر رکھ دیں۔ پھر پیس لیں۔

اب ایک پتیلی میں دو کلو دودھ کو ہلکی آنچ پر پکنے رکھیں اور اس میں پسے چاول ڈال کر اتنا پکائیں کہ دودھ گاڑھا ہو جائے۔ (چمچہ مسلسل چلاتی رہیں ورنہ کھیر پتیلے میں لگ جائے گی۔)

اس کے بعد چینی، کنڈینسڈ ملک اور پسی الائچی شامل کر کے دوبارہ پکائیں۔ (کنڈینسڈ ملک نہ ہو تو کوئی بات نہیں آپ دو تین چمچے خشک دودھ شامل کر لیں)

جب پانی خشک ہو جائے تو اس میں کیوڑا، کھویا، بادام اور پستے چھڑک کر چولہا بند کر دیں۔

آخر میں ایک عدد چاندی کا ورق لگا کر مزے دار ربڑی کھیر سرد کریں۔

☆☆

www.pklibrary.com

عدنان

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

طوبیٰ فرح......لاہور

اس سال بقر عید کے بعد میری شادی ہونے والی ہے۔ ہمارا تعلق لوئر مڈل کلاس سے ہے میرے والد بہت محنت سے کماتے ہیں وہ ایک نجی ادارے میں ملازمت کرتے ہیں۔ میں گھر میں سب سے بڑی ہوں میرے بعد دو بہنیں اور دو بھائی اور ہیں، میرے بعد کی بہن بھی اس سال تعلیم مکمل کرلے گی گویا اب اس کی بھی شادی اور اخراجات تیار کھڑے ہیں۔ میں نے بچپن سے اپنی امی کو بچا بچا کر رکھتے اور اپنا پیٹ کاٹ کر ہم بہن بھائیوں کے اخراجات کے لیے خرچ کرتے دیکھا ہے۔

میں بہت تکلیف محسوس کرتی ہوں جب اپنے والدین کو اپنی شادی کے خرچ کے لیے ہلکان ہوتا دیکھتی ہوں۔ میری شادی عزیزوں میں ہو رہی ہے میں بچپن سے ہی اپنے منگیتر کو جانتی ہوں ان کے معاشی مسائل ہماری طرح ہرگز نہیں ہیں اپنا گھر ہے ان کی اچھی جاب ہے۔ وہ ہمیں بھی جانتے ہیں کہ ہمارے کیا کیا مسائل ہیں، میں بچوں کو ٹیوشن بھی دیتی ہوں اور ایک اسکول میں جاب بھی کرتی ہوں، گزشتہ دو سالوں سے بمشکل اپنی اپنی ذات پر کچھ خرچ کیا ہے۔ سب امی شادی اور جہیز کی مد میں رکھتی ہیں لیکن مہنگائی نے تو ہماری کمر ہی توڑ کر رکھ دی ہے۔ شادی ہال کے اخراجات الگ ،ابھی چھوٹے موٹے نہ جانے کتنے خرچے ہیں دل میں آتا ہے کہ اپنے منگیتر سے اس مسئلے کو ڈسکس کروں، وہ بہت اچھے ہیں لیکن امی نے مجھے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ ایسی ویسی کوئی بات ان سے نہ کروں آخر اس میں برائی ہی کیا ہے؟

ج: عزیز بہن! آپ کی شادی عزیزوں میں ہو رہی ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ آپ کے مالی حالات کے بارے میں ضرور واقف ہوں گے، اگر انہوں نے آپ کے گھر رشتہ کیا ہے تو انہیں یہ ضرور اندازہ ہوگا کہ آپ بہت بھاری جہیز نہیں لاسکیں گی اور شاید انہیں بھاری جہیز کی خواہش بھی نہیں تب ہی انہوں نے آپ کا انتخاب کیا۔

آپ نے خود لکھا ہے کہ وہ آپ کے مسائل جانتے ہیں۔ اگر آپ کی اپنے منگیتر سے انڈر اسٹینڈنگ ہے تو آپ ان سے ذکر کر سکتی ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن آپ کی والدہ نے منع کیا ہے تو کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا۔ بہتر ہے کہ آپ اپنی امی کو سمجھائیں کہ شادی کے اخراجات کے لیے زیادہ تگ و دو کرنے کی ضرورت نہیں جتنی حیثیت ہے اور جو آسانی سے کر سکتی ہیں۔ وہ کریں۔ ویسے بھی جہیز کامیاب زندگی اور سسرال میں عزت کی ضمانت نہیں۔ اچھے اخلاق، اچھی صفات، صبر، بردباری اور فرض شناسی سے انسان اپنا مقام بناتا ہے۔ آپ پڑھی لکھی ہیں۔ سمجھدار ہیں۔ سسرال میں اگر اچھا رویہ رکھا تو سب عزت کریں گے۔

مسز الف......حب

ہماری شادی کو تین سال گزر چکے ہیں۔ ہماری شادی بڑے عجیب حالات میں ہوئی تھی، دراصل میری چھوٹی بہن کو پسند کیا گیا تھا کہ اچانک میرے والد کو دل کا دورہ پڑ گیا، رشتہ میرے والد کے کسی دوست کے توسط سے آیا تھا اس لیے پھر میرے لیے بات ہوگئی اور شادی ہوگئی۔ میری سسرال والے مجھ سے مطمئن ہیں۔ اللہ نے مجھے ایک بیٹے سے بھی نوازا ہے لیکن میرے شوہر کے دل میں ایک خلش سی ہے۔

شروع شروع میں سمجھ نہیں سکی تھی کہ وہ مجھ سے کھنچے کھنچے کیوں رہتے ہیں لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں افسوس ہے کہ ان کی شادی، میری چھوٹی بہن سے کیوں نہیں ہوئی دراصل میری نند نے مجھے بتایا تھا کہ بھائی نے تو آپ کی بہن کو پسند کیا تھا، پر آپ کے ابو کی بیماری کی وجہ سے رفیق انکل (جن کے توسط سے شادی

www.pklibrary.com

ہوئی) نے دباؤ ڈالا کہ پہلے بڑی کی شادی ہونی چاہیے اور بابا (سسر) مان گئے۔ اب میری بہن کی بھی شادی ہو چکی ہے لیکن میاں صاحب کا رویہ ویسے ہی ہے۔ میں اس غم میں گھل گھل کر آدھی ہو گئی ہوں اوپر سے گھر بھر کے کام اور پھر بچہ۔ میں کیا کروں۔ کسی کو اپنا غم بتا بھی نہیں سکتی۔

ج: عزیز بہن! ضروری نہیں کہ آپ سے بے التفاتی کی وجہ یہ ہو کہ وہ آپ کی بہن کو پسند کرتے تھے۔ ممکن ہے ان کا مزاج ہی اس طرح کا ہو۔ اکثر مرد سرد مزاج ہوتے ہیں۔ ان کے مزاج میں گرم جوشی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے جذبات کا اظہار کرنے کو وقت کا زیاں سمجھتے ہیں۔ آپ کے شوہر کے ساتھ بھی یہی مسئلہ لگتا ہے۔

آپ کی بہن صرف ان کی پسند تھیں۔ لیکن دونوں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ نہ ہی یہ دو طرفہ پسندیدگی تھی۔ صرف پسندیدگی اتنے لمبے عرصہ تک اثر بیوی اور بچہ کے رشتے پر انداز نہیں ہو سکتی۔

مسز فراز......کوٹ ادو

ہماری پڑوسن بہت غریب ہیں ان کے آٹھ بچے ہیں شوہر بے روزگار ہیں۔ وہ نماز روزے کی پابند ہیں۔ ہمارے گھر سے اور دوسرے محلے والے ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو وہ کہتی ہیں کہ ہم دینی لوگ ہیں، اس طرح لوگوں کی مدد لینا اچھا نہیں۔ وہ خود بہت پریشان ہو کر ایک دن میرے گھر آئیں تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کو کسی سے مشورہ کر کے بتاؤں گی۔ آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں۔

ج: آپ نے وضاحت نہیں کی بچے کتنے بڑے ہیں اگر بچے پڑھ رہے ہیں تو محلے والے مل کر ان کی پڑھائی کے اخراجات اٹھا سکتے ہیں۔ اگر وہ نہیں پڑھ رہے ہیں تو انہیں کوئی ہنر سکھایا جا سکتا ہے۔ خاتون سلائی کا کام سیکھ کر گھر بیٹھے سلائی کر سکتی ہیں۔

مسز کلثوم عزیز......سکھر

میرے چھ بچے ہیں پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا میرا چھوٹا بیٹا میٹرک میں پڑھ رہا ہے۔ میرے شوہر کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ وہ غصے کے ذرا تیز تھے مجھ پر اور بچوں پر ہاتھ بھی اٹھا دیتے تھے۔ جو گزر گیا اب اس کا تذکرہ کیا لیکن میری بڑی بیٹی مجھ سے ناراض رہتی تھی، اس کا کہنا تھا کہ آپ ابو سے ہمارے لیے کیوں نہیں لڑتیں اب جب کہ وہ اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ اب بھی اس کی ناراضی ختم نہیں ہو رہی۔ وہ ایک مقامی نجی اسکول میں پڑھاتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ جلد از جلد اپنا گھر بسا لے۔ آخر میں کیسے اپنی بیٹی کو مناؤں۔ میری حالت بھی اب اچھی نہیں رہتی۔ میں کینسر کی مریضہ ہوں۔ گھر کے حالات ابتری کی طرف جا رہے ہیں۔ اس سے چھوٹی دو بیٹیاں ایک نجی فیکٹری میں ملازمت کرتی ہیں۔ ان کی تنخواہ سے ہی گزر بسر ہو رہی ہے۔

وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہی ایک لڑکے کو پسند کرتی تھی لیکن اس کے والد کو لڑکا پسند نہ تھا، اب ظاہر ہے کہ ان کی زندگی کے بعد میں کیسے اس لڑکے کو ہاں کر دیتی اب وہ اس لڑکے کا تذکرہ نہیں کرتی، گھر میں ایک پیسہ نہیں دیتی اور منہ سے بھی کچھ نہیں بولتی۔ میرا دل پریشان رہتا ہے۔ میرے بعد اس کا کیا بنے گا سب سے ناراض رہتی ہے۔

ج: عزیز بہن! آپ کی بیٹی کا مسئلہ والد صاحب کی سخت مزاجی نہیں، نہ ہی وہ آپ سے اس لیے ناراض ہے کہ آپ نے اپنے شوہر سے بچوں کے لیے جھگڑا نہیں کیا۔ بلکہ وجہ وہ لڑکا ہے، جس سے وہ شادی کرنا چاہتی ہے اگر اس لڑکے کی شادی نہ ہوئی ہو تو آپ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دیں۔ آپ کی بیٹی پڑھی لکھی ہے عاقل و بالغ ہے اپنا برا بھلا اسے خود سمجھنا چاہیے۔

آپ نے وجہ نہیں لکھی کہ لڑکے میں کیا خرابی تھی جس کی وجہ سے آپ کے شوہر نے انکار کیا۔ ممکن ہے کوئی بڑی خرابی نہ ہو۔ بہر حال بہتر یہی ہے کہ آپ اپنی بیٹی کی پسند کے مطابق اس کی شادی کریں۔

☆☆

www.pklibrary.com

امت الصبور

بیوٹی بکس

سمیرا رسول......ملتان

س: میری عمر سترہ سال ہے مجھے میک اپ کا شوق ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح میں کم میک اپ کر کے اچھی لگ سکتی ہوں؟

ج: نوعمری میں جلد قدرتی طور پر نرم اور شفاف ہوتی ہے اور آپ کو اسے ہر حال میں محفوظ رکھنا ہے۔ فاؤنڈیشن کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ (اور اگر لگائیں تو بھاری فاؤنڈیشن سے گریز کریں) صرف فیس پاؤڈر اور وہ بھی چھڑکنے والے انداز میں لگا لینے سے بھی مقصد پورا ہو جائے گا۔

فیس پاؤڈر آپ کی جلد سے اضافی آئل کو جذب کرتا ہے اور یہ جلد پر میک اپ کے بعد پڑنے والے دھبوں سے بھی بچاتا ہے پاؤڈر جلد کے کھلے مساموں کو چھپانے میں بھی مدد کرتا ہے لوز پاؤڈر دیر تک میک اپ کو جمائے رکھتا ہے۔ لوز پاؤڈر لگانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ بڑے سائز کے نرم برش سے ہلکا سا پاؤڈر تمام چہرے پر لگا لیا جائے۔ اس کے بعد دوبارہ برش کو چہرے پر پھیر لیں تا کہ زائد پاؤڈر جو لگا تھا وہ صاف ہو جائے اور چہرہ خوب صورت نظر آئے۔

اس کے بعد چہرہ پر زیادہ بلش استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ رنگین شیڈوز، مسکارا اور آئی لائنر لگانے کی ضرورت نہیں۔ پلکوں کو کرل کر لیں اور ان کو پرکشش بنا لیں۔ اگر شادی کی تقریب کے لیے میک اپ کر رہی ہیں تو ہلکے ٹون کا آئی شیڈو لگایا جا سکتا ہے مگر عام تقریبات کے لیے کنسیلر اور لپ گلوس کا استعمال کافی ہوگا۔

آپ کے چہرے کی معصومیت ہی آپ کا اصل حسن ہے۔ ایسا میک اپ بالکل نہ کریں جس سے آپ کا قدرتی لک اور معصومیت اس میں دب کر رہ جائے۔ میک اپ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ٹین ایجر لڑکیاں موقع، موسم اور لباس کے مطابق مختلف ہیئر اسٹائل اپنائیں کیونکہ بالوں کے اسٹائل میں تبدیلی سے آپ کی پوری شخصیت ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔

طیبہ امین......راولپنڈی

س: گرمی کے آتے ہی میری اسکن رف ہونے لگتی ہے بلکہ سنولا ہی جاتی ہے کوئی ٹوٹکا بتا دیں میری عمر بائیس سال ہے، گرمیوں کے لیے کوئی میک اپ بھی بتا دیں؟

ج: سب سے پہلے تو آپ چھ سے آٹھ گلاس پانی روٹین میں شامل کر لیں۔ پانی کی وجہ سے بھی اکثر جلد بے رونق اور روکھی دکھائی دیتی ہے۔

گرمی کے موسم میں دو سے تین بار چہرہ دھوئیں کلینزنگ سے چہرے کے مردہ خلیات صاف ہوتے ہیں۔ ملتانی مٹی کا ماسک گرمیوں میں بہترین ہے۔

چہرے کی نمی کو برقرار رکھنے کے لیے عرق گلاب کا اسپرے بہترین موائسچرائزر ہے۔

پھلوں اور سبزیوں کا استعمال زیادہ سے زیادہ رکھیں۔

ٹماٹر کا گودا چہرے پر لگائیں۔ کچے دودھ کو آئس کیوب میں جما لیں، روزانہ ایک کیوب چہرے پر لگائیں۔ گرم موسم میں میک اپ کے لیے پہلے برف سے ٹکور کریں، اس کے بعد ٹھنڈے عرق گلاب کا اسپرے کریں۔ موسم گرما میں زیادہ میک اپ اچھا نہیں لگتا۔ اس لیے نو میک اپ لک اپنائیں۔

لیکوئیڈ میک اپ کے بجائے پاؤڈر بیس میک اپ استعمال کریں۔